....گھُنگھرو ٹوٹے تک

چوہدری عطا الٰہی
ایم اے (علیگ) بی ٹی

مقدمہ وتالیف:
حسین اعظمی

نام کتاب	...... گہر ہونے تک
مصنف	چوہدری عطاالہیٰ ایم - اے علیگ بی - ٹی
مقدمہ نگار و مؤلف	حسین اعظمی
حرفِ آغاز	نعیم اعظمی بی - کام ، ایل ایل - بی
ناشر	ادارۂ فروغ دانش - ون - ای ۸ / ۹ ، ناظم آباد ، کراچی باشتراک - چوہدری عطاالہیٰ میموریل آئی ٹرسٹ حویلی لکھا ، ضلع اوکاڑہ -
پرنٹر	تجارتی پریس ، ناظم آباد ، کراچی
صفحات	۲۵۶
قیمت	۱۵۰ روپے /
سنہ اشاعت	۱۹۹۵ -
سرورق	رشید (آرٹسٹ)

نوٹ : اس کتاب کی کل آمدنی چوہدری عطاالہیٰ میموریل آئی ٹرسٹ ہسپتال حویلی لکھا ضلع اوکاڑہ کو دی جائے گی -

ترتیب

انتساب

چوہدری عبدالستار (مرحوم) کے نام

جو

میرے شفیق استاد، رہنما، مربی اور سرپرست تھے۔



حمد

میں تری حمد کیا لکھوں معبود
تو قدیم و قدیر و لامحدود

میری کل کائنات چند نفس
علم و فکر و نظر مرے محدود

ایک جھونکا ہوا کا میری حیات
نقش بر آب میرا سارا وجود

وقت کے بیکراں سمندر میں
ایک قطرے کی کیا بساط و نمود

میں تری حمد کیا لکھوں معبود
تو قدیم و قدیر و لامحدود
ہے تصور بھی تیرا ناممکن
ماورائے قیاس تیرا وجود
جب نہ تھا کچھ نہ تھے زمان و مکاں
نے فضا تھی نہ تھا یہ چرخِ کبود
ہر طرف ایک ہُوکا عالم تھا
کوئی مشہود تھا، نہ بزمِ شہود
تھا اگر کچھ تو اک خلائے بسیط
یا تری ذاتِ پاک ربِ ودود
میں تری حمد کیا لکھوں معبود
تو قدیم و قدیر و لامحدود

حسین اعظمی

حرفِ آغاز

اس مرتبہ ہمارا ادارہ ایک ایسے ماہر تعلیم کی خودنوشت سوانح عمری شائع کرنے کا اعزاز حاصل کر رہا ہے جو عہدِ طفولیت میں باپ کے سہارے سے اور پھر کچھ عرصہ بعد ماں کے ظلِ عاطفت سے بھی محروم ہو گیا۔ اس کے سر پر دستِ شفقت رکھنے والا تو کجا، اس سے زبانی ہمدردی کرنے والا بھی کوئی عزیز یا رشتے دار نظر نہیں آتا تھا۔ اس سال کا بچہ جس کے سر چھپانے کے لئے نہ تو کوئی جگہ تھی اور نہ پیٹ کی آگ بجھانے کا کوئی ذریعہ تھا، ان حالات میں تعلیم کا سلسلہ جاری رکھنا تقریباً ناممکن تھا۔ اس نے تعلیم کو خیرباد کہا اور گزر بسر کے لئے محنت مزدوری کرنا شروع کر دی۔ اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا تھا۔ ایک وقت ایسا آیا کہ وہ پڑوسیوں کی بھیڑ بکریاں اجرت پر چرانے لے جاتا اور شام کو گھر واپس آتا۔ ایک اندوہناک واقعے کے بعد اس کی خاندانی شرافت و وجاہت نے اس کے ضمیر کو جھنجھوڑا اور اس نے تعلیم کا سلسلہ جاری کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اپنے عزم و حوصلے اور حصول علم کی سچی لگن سے مشکلات و مصائب سے نبرد آزما ہونے کا فیصلہ کیا اور بقول کسے "ہمت کرے انسان تو کیا کر نہیں سکتا۔" خوش قسمتی سے اسے چوہدری عبدالستار جیسے جوہر شناس، علم دوست اور طالب پرور ہیڈ ماسٹر کی سرپرستی حاصل ہو گئی۔ انہوں نے چوہدری عطاالٰہی کی نہ صرف دستگیری اور سرپرستی کی بلکہ اس جوہر قابل کی صلاحیتوں کو خصوصی توجہ اور تربیت سے سنوارا۔ ان کی خصوصی توجہ، دستگیری اور سرپرستی کی وجہ سے اس یتیم، بے وسیلہ اور بے سہارا لڑکے نے نہ صرف تعلیم کے میدان میں میٹرک سے ایم۔ اے تک نمایاں کامیابیاں حاصل کرنے کا ریکارڈ قائم کیا بلکہ دینی و سماجی خدمات بھی انجام دے کر ایک قابل تقلید مثال قائم کی۔ یہ بات بلاخوفِ تردید کہی جا سکتی

ہے کہ جن حالات میں چوہدری عطاالہیٰ نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور اپنے دامن کو تمام برائیوں اور خباثتوں سے پاک رکھا، ان حالات میں معمولی ذہن و کردار کے افراد اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا تو کجا، معمولی تعلیم بھی حاصل نہیں کرپاتے۔ بعض تو بری صحبتوں میں پڑکر تباہ ہوجاتے ہیں اور بعض ساری زندگی محنت و مزدوری کرتے رہتے ہیں۔

اس کتاب کی اشاعت سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ بے سہارا اور بے وسیلہ افراد چوہدری عطاالہیٰ کی زندگی سے سبق حاصل کریں۔ انہیں مایوس ہوکر حالات کے دھارے پر بہنا نہیں چاہئے بلکہ پرعزم اور بامقصد جد و جہد کے ذریعے نہ صرف اپنی زندگیوں کو سنوارنا چاہئے بلکہ دوسروں کے لئے بھی نمونۂ عمل بننا چاہئے۔ حصول تعلیم کے بعد بھی چوہدری عطاالہیٰ کی طرح خدمتِ خلق کو اپنا شعار بنائے رکھنا چاہئے راستے کی دشواریوں اور خودغرض، مفادپرست اور بے ضمیر افراد کی مخالفت کی پروا کئے بغیر اپنا مشن جاری رکھیں اور ان کی روش سے مایوس نہ ہوں، بلکہ تعلیم کو فروغ دینے اور اچھائیوں کی تبلیغ کے لئے سرگرم عمل رہیں۔

ہمارا ادارہ "چوہدری عطاالہیٰ میموریل آئی ٹرسٹ ہسپتال (اوکاڑہ) کا ملک کے مایہ ناز آئی سرجن ڈاکٹر محمد اکرم خاں (ایف۔آر۔سی) کا ان کی بیگم ڈاکٹر عذرا اکرم خاں کا تہہ دل سے ممنون ہے جن کی معاونت، مفید مشوروں اور مالی تعاون کے بغیر اس کتاب کی اشاعت شاید اتنی جلد ممکن نہ ہو سکتی۔ آخر میں میں اپنے دوست اور ملک کے مایہ ناز آرٹسٹ اور خطاط رشید صاحب کا شکرگزار ہوں کہ انہوں نے کتاب کا اتنا "دلکش اور بامعنی" ٹائیٹل تیار کیا۔

نعیم اعظمی

ناظم اعلیٰ ادارۂ فروغ دانش

دن۔ای ۸/ ۹ ناظم آباد، کراچی

حسین اعظمی

اپنا زمانہ آپ بناتے ہیں اہلِ دل

اس شخص کے لئے اپنی سرگذشتِ حیات قلمبند کرنا اور ان کا تجزیہ کرنا بظاہر [illegible] آسان کام معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس میں حقائق کی تلاش و جستجو میں مارے مارے پھرنا نہیں پڑتا۔ اس کے لئے صرف قابل اعتماد یادداشت اور دیانت داری درکار ہوتی ہے۔ اس لئے کہ ہر شخص اپنے اچھے برے اعمال و افکار، ان کے پس منظر اور محرکات و عوامل سے بخوبی واقف ہوتا ہے۔ لیکن اس راہ کا سب سے بڑا اور بھاری [illegible] مرحلہ [illegible] اور [illegible] پائی ہے اس وجہ سے کہ ہر شخص کا ہر عمل اور اس کا کردار [illegible] ہے [illegible] ناگفتہ حالات سے گذرا ہو، مثالی نہیں [illegible] مشکل ہے [illegible] خاندان [illegible] کٹھن [illegible] زمانہ یا آزمائشی دور [illegible] گذارا ہو۔ اس راہ [illegible] مشکل مقام ہوتا ہے جہاں بڑے بڑوں کے [illegible] جاتے ہیں۔ وہ اپنی اور اپنے خاندان کی ان کمزوریوں پر پردہ ڈالنے کی [illegible] کرتے ہیں جن سے ان کے خیال میں ان کی اپنی شخصیت اور ان کے خاندان [illegible] مجروح ہو سکتا ہے خاص طور سے ان حالات میں جب سب کچھ [illegible] تمام حقائق پر غلط بیانیوں کے دبیز پردے ڈالے یا ان پر ملمع چڑھائے [illegible] سے من و عن بیان کرنا اگر ناممکن نہ سہی تو بہت مشکل ضرور ہے، اس کے لئے بڑی خوداعتمادی اور دانشورانہ دیانت داری بلکہ یوں کہا جائے تو بہتر ہے [illegible] دل گردے کی ضرورت ہے۔ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ صاف گوئی اور صدق بیانی کا دامن چھوڑے بغیر تمام اچھے برے حالات کو بلاکم وکاست قلمبند کرنا پلِ صراط سے گذرنے سے کم نہیں ہے۔ یہ صحیح ہے کہ بیرونی ملکوں اور برصغیر میں بعض مشاہیر علم وادب اور میدان سیاست وثقافت کے شہسواروں نے بڑی جرأتِ رندانہ سے کام

لیا ہے لیکن ان میں سے بھی بعض نے اپنی سچائی اور حقیقت بیانی کا ڈھنڈورا پیٹنے کے لئے اور بعض بڑی کمزوریوں پر پردہ ڈالنے کے لئے جھوٹی سچی ، حقیقی یا فرضی خامیاں دھڑلے سے بیان کردی ہیں ۔ اس سلسلے میں بھارتی رہنما مہاتما گاندھی کی خودنوشت سوانح کا بالعموم ذکر کیا جاتا ہے ۔ ان کی خودنوشت سوانحعمری کا انگریزی اور دوسری زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے ۔ اردو میں اس کا ترجمہ " تلاشِ حق " کے نام سے کئی بار شائع ہو چکا ہے ۔ اس سلسلے میں برصغیر کی بعض دوسری ممتاز شخصیتوں کی خودنوشت سوانح یا تذکروں کا بھی نام لیا جا سکتا ہے لیکن عیب گرفتن بزرگان خطا است کے مصداق اس موقع پر ان کا ذکر نامناسب سمجھتا ہوں ۔

آیئے ہم زیر نظر کتاب " گھر ہونے تک " پر ایک نظر ڈالیں جو ماہر تعلیم جناب چوہدری عطا الہیٰ کی خودنوشت سوانح حیات ہے ۔ اس موقع پر یہ عرض کرنا نامناسب نہ ہو گا کہ میرے خیال میں چوہدری عطا الہیٰ اب کسی فردِ واحد کا نام نہیں بلکہ ایک عزمِ صمیم ، خدمتِ خلق کی ایک زندہ تحریک اور جہالت کے اندھیروں کو دور کرنے کے ایک پرعزم جذبے کا نام ہے ۔ ان کی ساری زندگی حضرتِ جگر مراد آبادی کے اس شعر کی عملی تفسیر معلوم ہوتی ہے

اپنا زمانہ آپ بناتے ہیں اہل دل
ہم وہ نہیں کہ جن کو زمانہ بنا گیا

ابھی وہ عہدِ طفولیت میں تھے کہ ان پر غموں اور مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹنے کا سلسلہ شروع ہو گیا ۔ سب سے پہلے ان کے والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا ۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً دس سال تھی ۔ اب وہ اپنے کنبے کے جو ایک بیوہ ماں ، دو بڑی بہنوں اور ایک چھوٹی بہن پر مشتمل تھا ، واحد کفیل تھے ۔ بزرگوں میں سہارا دینا یا دستگیری کرنے والا تو کیا ، سر پر دستِ شفقت پھیرنے والا یا زبانی ہمدردی کرنے والا کوئی نہ تھا ۔

ان حالات میں انہوں نے اسکول کو خیرباد کہا اور محنت مزدوری کرنا شروع کردی ۔ بھلا ایک لاٹھی کئی جنوں کا بوجھ کیسے سنبھالتی ۔ ایک چچا تھے سو وہ بھی کوسوں دور تھے اور بقول ریاض خیرآبادی

شریکِ درد تو کیا باعثِ اذیت ہیں
وہ لوگ جن کا تعلق تھا جسم و جاں کی طرح

صرف ایک دکھیاری ماں تھی جو اب ماں اور باپ دونوں کے فرائض انجام دے رہی تھی ۔ ان کے لئے ایک دس سالہ بچہ کی محنت مزدوری سے پانچ افراد کے اس کنبے کا پیٹ پالنا اور دو وقت کے لئے چٹنی روٹی کا انتظام کرنا بھی پہاڑ جیسا مسئلہ تھا ۔ حالانکہ وہ پڑھی لکھی تھیں ۔ جب تک ان کے شوہر زندہ رہے وہ اسکول میں بچوں اور بچیوں کو قرآن شریف اور دینیات کا درس دیتی تھیں ۔ شوہر کی آنکھ بند ہوتے ہی زمانے نے آنکھیں پھیر لیں ۔ اب انہیں بچوں کا پیٹ پالنے کے لئے چھوٹے موٹے کام مثلاً اجرت پر محلے والوں کے کپڑے سی کر اور دریاں بن کر گذر اوقات کرنا پڑتی تھی ۔ مصیبت تنہا نہیں آتی چوہدری صاحب کے ساتھ ایسا ہی ہوا ۔ کچھ دنوں کے بعد ماں کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا ۔ وہ تو کہیئے کہ ان کی والدہ دو بڑی بیٹیوں کی شادی اپنی زندگی ہی میں کر گئی تھیں اس لئے چوہدری صاحب کا کچھ بوجھ ہلکا ہو گیا تھا ۔ وہ اب صحیح معنوں میں یتیم ہو گئے ۔ آخری کوشش کے طور پر انہوں نے اپنے چچا نور علی صاحب کو خط لکھا جو ان کے حصے کی چوبیس ایکڑ زمین پر قابض تھے کہ " اب ہم بالکل بے سہارا ہیں ۔ اگر آپ ہماری تعلیم کا انتظام کر سکیں تو ہمیں آکر لے جائیے ۔ " خط کے جواب میں ان کے چچا خود فاضلکا آئے اور چوہدری صاحب اور ان کی چھوٹی بہن کو اپنے ساتھ تھانہ بھون لے گئے ۔ ساتھ میں ان کی والدہ کا چھوڑا ہوا زیور اور بچا کھچا اثاثہ بھی لے گئے ۔ [illegible] کہتے ہیں " مرے پہ سو مرے " کچھ دن تو انہوں نے چوہدری صاحب کو ٹھیک

طرح سے رکھا ۔ پھر روزانہ مویشیوں کو چرانے کے لئے جنگل بھیج دیتے تھے ۔ چوہدری صاحب نے محسوس کیا کہ اس طرح وہ تعلیم تو خاک حاصل کر سکیں گے ، بہت سے بہت چرواہا یا کھیت مزدور بن جائیں گے ۔ سچ ہے

خاک میں رلنے پہ بھی ہیرا خرف بنتا نہیں
جوہر قابل کبھی ننگِ سلف بنتا نہیں
(حسین اعظمی)

لہذا انہوں نے فاضلکا واپس جانے کا مصمم ارادہ کر لیا ۔ انہوں نے ایک روز موقع غنیمت جان کر چچا کے بکس کا تالا توڑا ۔ اس میں سے صرف بیس پچیس روپے نکلے انہیں لے کر وہ فاضلکا واپس چلے آئے ۔ اس موقع پر انہوں نے اس چوری یا بداخلاقی کا اظہار کر کے اپنی صاف گوئی کا مظاہرہ کیا ۔ اس طرح انہوں نے ہر جگہ حقائق بیان کرنے میں خواہ وہ کتنے ہی تلخ کیوں نہ ہوں ذرہ بھر ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی ۔

میرے خیال میں اس خودنوشت [illegible]ری کی پہلی اور سب سے بڑی خوبی حقیقت بیانی ہے ۔ یہ صحیح ہے کہ چوہدری عطاالہیٰ کا شمار برصغیر کے ممتاز مشاہیر علم وادب میں نہیں ہوتا اور ان کی یہ تصنیف بھی کسی منفرد نوعیت کی نہیں ہے لیکن اس کی نمایاں خصوصیت چراغ راہ کی سی ہے ۔ انہوں نے نہ تو انشاء پردازی کے جوہر دکھانے کی کوشش کی ہے نہ الفاظ کے طوطا مینا بنائے ہیں بلکہ آسان زبان میں زندگی کے تلخ حقائق ملمع سازی کے بغیر صاف صاف بیان کر دیئے ہیں ۔ حالانکہ برصغیر کے بیشتر قابل ذکر مشاہیر کی خودنوشت سوانحعمریوں اور خاندانی تذکروں میں " پدرم سلطان بود " یا " ہمچوں را دیگرے نیست " کا رجحان غالب نظر آتا ہے ۔ حالانکہ چوہدری عطاالہیٰ بھی بجا طور پر ایسا کر سکتے تھے کیونکہ ان کے بزرگوں نے بھی سنہ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا جس کی پاداش میں وہ بھی

موروثی املاک اور زمینداری سے محروم کر دیئے گئے تھے ۔

اس کتاب کی دوسری اہم خوبی یہ ہے کہ اس کے پڑھنے سے بے شمار ، بے وسیلہ اور بے سہارا لوگوں کو اپنی زندگیاں سنوارنے اور تعلیم حاصل کرنے کے لئے مشکلات پر قابو پانے کا یقینی طور پر حوصلہ ہوگا جو وسائل نہ ہونے کی وجہ سے محرومی اور مایوسی کا شکار ہو کر گمنامی کی موت مرجاتے ہیں ۔ اگر چوہدری عطاالہیٰ جیسے بے سہارا انسان جو عملی طور پر " خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گلِ کوزہ " کا عملی نمونہ ہوتے ہوئے اپنے بلند حوصلے اور محنت کے ذریعے نہ صرف اعلیٰ تعلیم اور معاشرے میں بلند مقام حاصل کر سکتے ہیں اور طالبِ علمی کے زمانے میں دینی ، سماجی اور سیاسی خدمات انجام دے سکتے ہیں اور پھر فارغ التحصیل ہو کر " تیرنے والو ڈوبتوں کو تراؤ " کی نصیحت پر عمل کر سکتے ہیں تو وسائل سے محروم اور دیگر بے سہارا افراد عزم و حوصلے سے کام لے کر چوہدری عطاالہیٰ کے مشن کو کیوں نہیں جاری و ساری رکھ سکتے ہیں ۔

مجھے گردشوں نے مارا ، کبھی میں مگر نہ ہارا
انہی گردشوں نے آخر ، مری زندگی بنائی

پہلا حصہ

قیام پاکستان سے پہلے

کتاب کے مصنف چوہدری عطاالٰہی کے مختصر کوائف

والد کا نام: حافظ چوہدری محمد یعقوب خاں مرحوم

والدہ کا نام: خاتون بیگم مرحومہ

دادا کا نام: چوہدری الہیلے خاں مرحوم

جدی سکونت: تھانہ بھون ضلع مظفر نگر
(یو۔پی، انڈیا)

جائے پیدائش: بیس اکتوبر انیس سو بارہ (۲۰۔۱۰۔۱۹۱۲ء)

آباؤ اجداد کا پیشہ: زمینداری / کاشتکاری

قوم: راجپوت (چوہان)

وفات: ۱۴ فروری سنہ ۱۹۸۶ء

گلشن علم و ادب کا باغباں جاتا رہا
بے سہاروں ، بے کسوں کا مہرباں جاتا رہا
(علامہ) ابوالعتیق اختر

(پہلا حصہ)

—— قیامِ پاکستان سے پہلے ——

خاندانی پس منظر

ہمارا خاندانی پیشہ زمینداری تھا۔ اس وقت کے رسم و رواج کے مطابق ہمارے بزرگوں نے بھی مشرقی تعلیم حاصل کی۔ قبلہ والد صاحب کو فارسی اور عربی میں کامل استعداد حاصل تھی۔ شروع شروع میں انہوں نے کاشتکاری کو اپنایا لیکن ان کا دل نہیں لگا اور کاشتکاری چھوڑ کر ملازمت اختیار کر لی۔ پہلے انبالہ میں درس قرآن دیا کرتے تھے بعد ازاں کوٹ عبدالخالق میں خالقیہ ہائی اسکول میں عربی مدرس تعینات ہوئے ہماری والدہ محترمہ بھی پڑھی لکھی تھیں اور انہیں تعلیم نسواں سے بہت زیادہ دلچسپی تھی اس لئے انہوں نے لڑکیوں کے مدرسے میں معلمہ کے فرائض انجام دینے کی ذمے داری قبول کر لی۔ اس علاقے میں ایک بزرگ عبدالخالق صاحب تھے جنہوں نے جنگل میں ایک بستی آباد کر کے اس کا نام کوٹ عبدالخالق رکھا تھا۔

حضرت میاں صاحب اعلیٰ پائے کے بزرگ تھے۔ وہ مسلمانوں کی دینی و دنیاوی اصلاح کے اور ان میں تعلیم عام کرنے کے دلدادہ تھے، چنانچہ اِس بستی میں آپ نے لوگوں سے بیعت لے کر ان کی روحانی تربیت کا اور مدارس کے ذریعے عربی، اردو، فارسی اور انگریزی کی اشاعت کا سلسلہ شروع کیا۔ خواص و عوام میں تعلیم کا شوق بڑھا، تعلیم عام ہوئی۔ مدارس نے ترقی کرتے کرتے ہائی اسکول کا درجہ حاصل کر لیا۔ اس کے ساتھ حفظِ قرآن کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ لوگوں میں دینی اور سماجی شعور بڑھا تو ایک یتیم خانہ بھی کھول دیا گیا تھا جہاں سے سینکڑوں یتیم بچے تعلیم و تربیت پا کر باعزت و باوقار زندگی بسر کرنے کے قابل ہو جاتے تھے۔

والدِ گرامی اور والدۂ محترمہ دونوں حضرت میاں صاحب سے بیعت ہو گئے تھے ۔ ہم اس وقت دو بہن بھائی تھے ۔ حشمت بی بی میری بڑی بہن تھی اور میں اس وقت پانچویں برس میں تھا ۔ مولوی پیر محمد صاحب وکیل سے والد صاحب کی ملاقات ہوئی وہ انہیں فاضلکا لے آئے ۔ مولوی پیر محمد صاحب سرسید رحمۃ اللہ علیہ کے نقش قدم پر چل کر مسلمانوں میں تعلیم کو فروغ دینے کا جذبہ رکھتے تھے ۔ چنانچہ انہوں نے پہلے اپنے آبائی قصبے ننگل انبیا میں اسلامیہ ہائی اسکول چلایا اور پھر جب انہوں نے فاضلکا میں مستقل سکونت اختیار کر لی اور وہاں وکالت شروع کر دی تو انہوں نے قصبۂ فاضلکا میں مسلمانوں میں تعلیم عام کرنے کے لئے لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے الگ الگ پرائمری مدارس قائم کئے جو آہستہ آہستہ ترقی کر کے ہائی اسکول کے درجے تک پہنچ گئے ۔ والد صاحب لڑکوں کے مدرسے میں اور والدہ صاحبہ لڑکیوں کے مدرسے میں درسِ قرآن دیا کرتے تھے ۔

آزمائش کا نیا دور —— طالبِ علم سے چرواہا بن گیا

جب میری عمر دس سال کی ہوئی تو والد صاحب اللہ کو پیارے ہو گئے اور ہم چار بہن بھائیوں کو یتیم اور بے آسرا چھوڑ گئے ۔ میں اس وقت چھٹی جماعت میں تھا ۔ افلاس و غربت کے باعث تعلیم جاری نہ رکھ سکا ۔ محنت مزدوری سے والدہ اور بہن بھائیوں کا خرچ پورا کرتا تھا ۔ کہتے ہیں کہ مصیبت تنہا نہیں آتی ، والد صاحب کے انتقال کے بعد والدہ صاحبہ کی ملازمت کا سلسلہ بھی منقطع ہو گیا ۔ والدہ محترمہ بڑی باہمت خاتون تھیں وہ چکی پیس کر ، کپڑے سی کر اور دریاں بن کر گھر کے اخراجات پورے کرتی تھیں ۔ میں اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا تھا ۔ حالات سے تنگ آکر والدہ صاحبہ نے نکاح ثانی کر لیا تھا ۔ دوسرے خاوند سے ایک لڑکا ہوا جس کا نام محمد صدیق رکھا گیا ۔ آج کل محمد صدیق ساہیوال میں سکونت پذیر ہیں اور ایک کمیشن

کے ہاں مقیم ہیں ۔ محمد صدیق صاحب کے والد کا نام صوفی دیدار بخش تھا ، وہ بہت نیک اور بزرگ تھے ۔ پیری مریدی بھی کرتے تھے ۔

والد صاحب کے انتقال کے دو سال بعد والدہ صاحبہ بھی اللہ کو پیاری ہو گئیں ۔ وہ اپنی زندگی میں میری دو بہنوں کی شادی کر گئیں تھیں ۔ حشمت کی شادی مستری محمد رمضان سے اور چھوٹی بہن رشیدہ بیگم کی شادی فضل دین سے ہوئی ۔ حشمت بی بی شادی کے چھ ماہ بعد بے اولاد فوت ہو گئی اور رشیدہ بی بی پاکستان آکر ساہیوال میں فوت ہو گئی ۔ اس کا ایک لڑکا عبدالجبار خاں اور دو لڑکیاں فاطمہ اور [illegible] ہیں ۔ میں اور چھوٹی بہن بے یار و مددگار رہ گئے ۔ ایک سال بعد [illegible] بھی وفات پا گئے ۔ محمد صدیق کی پرورش ان کی سوتیلی والدہ کے پاس ہوئی ۔

اب ہم اور میری چھوٹی بہن تنہا رہ گئے ۔ بزرگوں میں کوئی سرپر نہیں تھا جو ہماری دیکھ بھال کرتا ۔ میں نے اپنے چچا نور علی خاں کو خط لکھا جو تھانہ بھون میں تھے کہ والد اور والدہ دونوں اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں ۔ اب سوائے خدا کے ہمارا کوئی سہارا نہیں اگر آپ ہماری تعلیم و تربیت کا انتظام کر سکتے ہوں تو ہمیں آکر لے جائیے چنانچہ چچا صاحب فاضلکا آئے اور ہم دونوں بہن بھائیوں کو ہمارے سارے اثاثے سمیت اپنے ہمراہ تھانہ بھون لے گئے ۔ چند روز تو انہوں نے بڑے پیار محبت سے رکھا اور بہت زیادہ شفقت کا مظاہرہ کیا اور پھر مجھے تعلیم دلانے کی بجائے مویشیوں کو باہر جنگل میں چرانے کے لئے بھیجنے لگے ۔ میں ایک ہی ہفتے میں اس زندگی سے بیزار ہو گیا ۔ انہوں نے میری مرحوم والدہ کا جو تھوڑا بہت زیور تھا وہ ہتھیا لیا اور میرے ساتھ بدسلوکی بھی شروع کر دی ۔ ان حالات سے تنگ آکر میں نے چھپے چوری پنجاب واپس آنے کا فیصلہ کیا ۔ اتفاق سے میں ایک روز گھر میں اکیلا تھا ۔ میں نے ایک بکس کا قفل توڑا اس میں مجھے صرف پچیس روپے پڑے ملے ۔ میں نے اسی کو غنیمت

جانا اور وہی لے کر چپ کے سے تھانہ بھون اسٹیشن پر آ گیا۔ اسٹیشن قصبے سے کوئی دو میل کے فاصلے پر تھا۔ میں نے یہ سارا فاصلہ پیدل ہی طے کیا۔ جب گاڑی اسٹیشن پہنچی تو میں ٹکٹ لے کر سوار ہو گیا۔ سہارن پور سے میں نے گاڑی بدلی جس نے دوسرے دن مجھے فاضلکا پہنچا دیا۔ اس وقت بہن حشمت بی بی زندہ تھی۔ میں گاڑی سے اتر کر سیدھا اس کے پاس چلا گیا۔ اس نے مجھے دیکھا۔ خوشی سے اس کے آنسو نکل آئے۔ مجھے سینے سے لگایا۔ میری ساری بپتا سنی اور مجھے اپنے پاس رکھ لیا۔ دو تین دن سوچ بچار کے بعد دل ہی دل میں یہ فیصلہ کیا کہ جب تک کوئی مناسب بندوبست نہیں ہوتا میں بہن بہنوئی پر بوجھ کیوں بنوں، کیوں نہ گلی محلے والوں کی بکریاں جنگل میں چراؤں۔ یہ سوچ کر میں نے محلے والوں کی بکریاں اکٹھا کیں اور انہیں جنگل میں چرانے لے جاتا اور اس کام کا معاوضہ لیتا۔

زندگی کا نیا موڑ بحیثیت چرواہا

ایک روز میری بکریاں ایک کسان کے کھیت میں زبردستی جا گھسیں۔ کسان نے دیکھ لیا۔ وہ ڈنڈا لے کے بھاگا بھاگا آیا۔ اگرچہ میں نے بکریاں کھیت سے نکال لی تھیں اور میں نے کوئی نقصان نہیں ہونے دیا تھا پھر بھی اس نے مجھے قطعی معاف نہیں کیا۔ اس نے مجھے مارا پیٹا بھی اور بہت سخت سست بھی کہا۔ اللہ اللہ کر کے اس سے پیچھا چھڑایا۔ سورج غروب ہونے والا تھا اور ساتھ ہی میری ذلت و رسوائی اور گمنامی کا زمانہ بھی ختم ہونے والا تھا۔ بکریوں کا چرانا اور کسان کے ہاتھوں مار کھانا اور اس سے سخت سست الفاظ سننا میرے لئے تازیانۂ عبرت ثابت ہوئے۔ شاید یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ قدرت میری کتابِ زندگی کا ایک نیا ورق الٹنے والی تھی۔ جب میں جنگل میں بکریوں کو چرا کر تھکا ہارا اور کسان کے ہاتھوں پٹ پٹا کر گھر کی طرف واپس آ رہا تھا تو راستے میں ایک پرانا کنواں ملا جس کے قریب ایک

ببول کا درخت تھا۔ میں نے اپنے ڈھانگے سے درخت کی ٹہنیاں چھانگ کر بکریوں کے آگے ڈال دیں۔ وہ پتے کھانے میں مصروف ہو گئیں اور میں ستانے اور آنسوؤں کو صاف کرنے کے لئے کنویں کی منڈیر پر بیٹھ گیا۔ اس وقت میرے ضمیر نے مجھے جھنجھوڑا۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے کوئی شخص مجھ سے کہہ رہا ہے۔ "عطا الہی کیا ذلت کی یہ زندگی تجھے پسند آ گئی ہے۔ کیا تو ساری زندگی یوں ہی بسر کرے گا۔ ذرا اپنے والد کی زندگی پر ایک سرسری نظر ڈال۔ انہوں نے کیسی باعزت اور باوقار زندگی گزاری۔ اگرچہ وہ افلاس اور غربت سے دوچار رہے لیکن ان کا پیشہ کتنا باوقار اور پر عظمت تھا۔ لوگ ان کا دل و جان سے احترام تو کرتے تھے۔ وہ بڑی باوقار زندگی گزارتے تھے۔ حافظ قرآن تھے۔ لوگوں میں قرآن کی تبلیغ و اشاعت کرتے تھے۔ اس کے برعکس تو ذلت کی زندگی پر قناعت کر بیٹھا ہے۔ تو نے گمرہی اور ضلالت کی راہ اختیار کر لی ہے۔ ذلالت اور رسوائی کی راہ پر چل پڑا ہے، چھوڑ اس زندگی کو ورنہ تمام عمر اس طرح ذلت و رسوائی ہوتی رہے گی جس طرح آج ہوئی ہے اب بھی وقت ہے تو توبہ کر۔ پاک و پاکیزہ اور باعزت زندگی بسر کرنے کا عزم کر ہمت کرے انسان تو کیا کر نہیں سکتا۔ بقول کسے ہمتِ مرداں مددِ خدا۔ وہ بڑا غفور و رحیم ہے۔ وہ غریبوں اور بے نواؤں کا دستگیر ہے۔ وہ ضرور تیری رہنمائی اور مدد کرے گا لیکن پہلے تو خود ہمت کر دل سے"۔ اٹھ اور کمر ہمت باندھ خیالات اور جذبات کی اس سلسلے نے میری کایا پلٹ دی۔ میں نے ندامت محسوس کی۔ ضلالت اور رسوائی کی اس زندگی سے نفرت پیدا ہو گئی۔ میں نے ضمیر کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے دل میں مصمم ارادہ کر لیا کہ ذلت و رسوائی کی اس زندگی سے اپنا دامن چھڑا کر پروقار اور باعزت زندگی گزارنے کے لئے راستہ ہموار کروں گا۔ اب میں مشکلات اور ناکامیوں کو اپنی راہ کا پتھر نہیں بننے دوں گا۔ دل میں یہ پختہ عزم کر کے اٹھا۔ بکریوں کو گھیر کر گھر لے گیا اور انہیں ان کے مالکوں کے حوالے کیا اور گھر واپس آ

گیا۔

ذہنی انقلاب کی پو پھوٹنے لگی

رات کی تاریکی گہری ہوتی جارہی تھی ۔ ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا ۔ لیکن میرے دل کی تاریکی چھٹتی جارہی تھی ۔ میں بستر پر کروٹیں بدل رہا تھا ایک ذہنی کشمکش سے دوچار تھا ۔ خیالات میں ڈوبا ہوا زندگی کا ایک نیا پروگرام بنارہا تھا ۔ کبھی مایوسی میرے مستقبل کے تمام سنہری خوابوں کا تانا بانا بکھیر دیتی اور کبھی امید میرا ہاتھ پکڑ کر ہمت دلاتی تھی ۔ کبھی آنکھ لگ جاتی اور حسین خواب دیکھنے لگتا اور کبھی اچانک آنکھ کھل جاتی اور میں پھر شیخ چلی کی طرح ہوائی قلعے تعمیر کرنے لگتا اور سوچتا کہ کیا یہ میرے خواب کبھی حقیقت کا روپ بھی دھار سکیں گے ؟ پیسہ پلے نہیں ۔ ماں باپ کا سایہ بھی سر سے اٹھ چکا ہے ۔ بھائی بند کوئی نہیں ۔ عزیز و اقارب سب خود غرض اور مفاد پرست ۔ دور دور تک کوئی ہمدرد و غم گسار نظر نہیں آتا ۔ غیروں سے کیا توقع کی جائے جب بقول شاعر

اپنوں سے وہ دیکھ رہا ہوں جو نہ کرے بیگانہ بھی

اس ذہنی کشمکش اور امید و بیم کی حالت میں گو یا غیب سے آواز آئی گویا کوئی کہہ رہا ہے کہ اٹھ ۔ ہمتِ مرداں مددِ خدا ، اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے نئی زندگی کا آغاز کر اور عزمِ صمیم کے ساتھ علم کے بحرِ بے کراں میں غوطہ زن ہو جا پھر دیکھ صراط مستقیم کے لئے میدان کس طرح ہموار ہوتا ہے ۔ ترقی کے لئے کس طرح دروازے کھلتے ہیں مسبب الاسباب کیسے کیسے اسباب پیدا کرتا ہے ۔ غرض کہ تمام رات اسی سوچ بچار اور ادھیڑ بن میں گذر گئی وحشتناک اور سہانے خوابوں کا سلسلہ ختم ہوا ۔ پو پھٹی ، ہوا سنکی اور رات کی تاریکی کافور ہو گئی ۔ اندھیرے پر اجالا غالب آتا گیا ، روشنی

پھیل گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے ۔ "عالم تمام مطلع الوار ہو گیا" ۔ آفتابِ عالمتاب پوری آب و تاب کے ساتھ منصۂ شہود پر ابھرا اس کی روشنی اور حرارت سے چپہ چپہ اور گوشہ گوشہ جگمگ جگمگ کرنے لگا ۔ اس کی روشنی امیروں کے محلوں اور غریبوں کی جھونپڑیوں کو یکساں منور کرنے لگی ۔ ہر طرف زندگی کے آثار نمایاں ہوئے ۔ اللہ کا نام لے کر میں بھی بستر سے اٹھا ۔ حوائجِ ضروریہ سے فارغ ہو کر سیدھا تالاب کی مسجد میں گیا ۔ کپڑوں کو دھو کر پاک صاف کیا ۔ نہا دھو کر جسم کو پاک کیا کپڑے خشک ہوئے تو انہیں پہن کر مسجد میں دو رکعت نماز ادا کی ۔ اس کے دربار میں سجدہ ریز ہوا ۔ گڑگڑا کر دل کی گہرائیوں سے توبہ و استغفار کیا ۔ استقامت ، استطاعت اور راہنمائی طلب کی ۔ بقول حکیم الامت علامہ اقبال "بات جو دل سے نکلتی ہے اثر رکھتی ہے" ۔ توبتہ النصوح قبولیت کا شرف پاتی ہے ۔ اللہ تعالیٰ جو بڑا رحمن و رحیم ہے بلکہ ارحم الراحمین ہے ، اسی انتظار میں رہتا ہے کہ کوئی گنہگار ، سیہ کار اور گمراہ بندہ میرے دربار میں آئے ، اپنے گناہوں پر دل سے شرمسار ہو ندامت کے آنسو بہائے تو میں اسے اپنی آغوشِ رحمت میں لے لوں ، کوئی بھولا بھٹکا ، گم کردہ راہ میرے دروازے پر دستک دے اور میں اسے صراطِ مستقیم دکھاؤں ۔ مجھے ایسا لگا کہ میری توبہ کو شرفِ قبولیت حاصل ہو گیا ۔ فوراً دل نے کہا ۔ مدرسے میں چلے جاؤ اور اپنی قابلیت ، ذہانت اور علم کے لئے اپنی لگن سے اساتذہ پر ثابت کر دو کہ تمہارے اندر ایک نمایاں تبدیلی رونما ہو چکی ہے ۔ تمہارا ضمیر خوابِ غفلت سے بیدار ہو گیا ہے ۔ تم نئے جذبے ، نئے حوصلے اور نئے عزم کے ساتھ تعلیمی ادارے میں دوبارہ آئے ہو ۔ تم ٹھوکریں کھا کر سنبھل گئے ہو تم آہنی عزم اور فولادی قوتِ ارادی کے ساتھ تعلیم حاصل کرنے اور اپنا مستقبل سنوارنے کے لئے آئے ہو ۔ تم غربت ، افلاس ، کسمپرسی اور جہالت کی چٹانوں سے ٹکرانے اور انہیں پاش پاش کرنے کا عزم لے کر نکلے ہو ۔ تم نے بادِ مخالف سے دبنے کے لئے نہیں بلکہ اونچا

اڑنے کے لئے میدان عمل میں دوبارہ قدم رکھا ہے ۔ تم مادی سہاروں پر نہیں بلکہ ملکوتی سہاروں کے بل بوتے پر رزمگاہِ حیات میں آئے ہو ۔ اب تم در در کی ٹھوکریں کھانے والے بھکاری بن کر نہیں بلکہ اپنی جانفشان محنت اور پرعزم مشقت سے ترقی کی راہ ہموار کرنے اور منزل مقصود حاصل کرنے کے لئے میدان کارزار میں اترے ہو تم جہالت ، پسماندگی اور افلاس کے خلاف جہاد کرنے کی غرض سے مردِ انقلابی بن کے نکلے ہو ۔ تم سست اور کاہل لوگوں کے لئے ، آوارہ ، بدقماش اور بے راہ رو نوجوانوں کے لئے پست حوصلہ ، مایوس اور بے وسیلہ انسانوں کے لئے شمع ہدایت بن کر نکلے ہو تمام مایوسیوں ، حرماں نصیبیوں اور ناامیدیوں کو پیغام موت دینے کے لئے اور فضاؤں میں محنت ، دیانت ، صداقت ، عزم و شجاعت اور جرأت و استقامت کا پرچم بلند کرنے رزمگاہِ حیات میں آئے ہو ۔ خیالات اور جذبات کی اس رو نے جسے آپ تائیدِ غیبی کے نام سے بھی تعبیر کرسکتے ہیں ، میرے اندر ایک انقلاب پیدا کردیا اور عزم و عمل کی ایک نئی روح پھونک دی ۔ اس ذہنی اور انقلابی تبدیلی کا اثر یہ ہوا کہ میں باسی روٹی اور لسی کے ساتھ ناشتہ کر کے سیدھا اسلامیہ مڈل اسکول فاضلکا جا پہنچا جہاں سے دو سال پہلے میں متنفر ہو کر بھاگ نکلا تھا ۔ اب مدرسہ بھی پہلے زمانے کے مقابلے میں قدرے ترقی کر چکا تھا ۔ لوئر مڈل سے مڈل بن چکا تھا ۔ کمروں میں بھی اضافہ ہو چکا تھا ۔ گھاس کے تختے ، سایہ دار درخت اور پھولوں کی کیاریاں ، اسکول کی رونق میں چار چاند لگا رہی تھیں ۔ اسٹاف میں بھی جوہر قابل شامل ہو گئے تھے ۔ ہیڈ ماسٹر صاحب بھی بی ۔ اے ، بی ۔ ٹی تھے ۔ ان کا اسم گرامی غالباً شیخ محمد صدیق تھا اور وہ شیخوپورہ کے رہنے والے تھے ۔ اسکول کے تدریسی عملے میں کچھ پرانے مدرس بھی موجود تھے ۔ ان میں شیخ الطاف محمد صاحب جے ۔ اے ۔ وی بھی تھے جو پہلے لوئر مڈل اسکول کے ہیڈ ماسٹر تھے ۔ پرانے مدرسین نے میری بڑی حوصلہ افزائی کی اور یہ سن کر خوشی کا اظہار کیا کہ میں اسکول میں دوبارہ داخل ہونے کے لئے آیا ہوں ۔ مجھے ہیڈ

ماسٹر صاحب کے سامنے پیش کیا گیا اور تمام داستاں انہیں سنائی گئی ۔ وہ بڑی مہربانی سے پیش آئے ۔

سالانہ امتحان میں نمایاں کامیابی

جب میں اسکول سے بھاگا تھا تو اپریل کا مہینہ تھا اور ترقی پا کر ساتویں جماعت میں گیا تھا ۔ دوبارہ داخلے کے وقت مارچ کا مہینہ تھا اس لئے مجھے چھٹی جماعت میں داخل کیا گیا ۔ میں نے بیس روز کے اندر دن رات محنت کر کے چھٹی جماعت کا سارا کورس دہرا لیا اور امتحان میں بڑی اچھی پوزیشن حاصل کر کے کامیاب ہوا ۔ میری اس نمایاں کامیابی پر اساتذہ بہت خوش ہوئے ۔ ساتویں جماعت کا مانیٹر بن گیا پورے اسکول میں قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھا جانے لگا ۔ اسکول کی تمام مراعات سے مستفید ہونے لگا ۔

ہماری جماعت میں ایک طالب علم انعام کریم تھا ۔ ان کے والد میرے ہم وطن تھے ۔ تھانہ بھون کے قریب ایک قصبہ گنگو کے رہنے والے تھے ۔ وہ سرکاری ملازم تھے اور تحصیل میں رجسٹری محرر تھے ۔ انعام کریم جماعت میں سب سے چھوٹا تھا اور تعلیم میں بھی کمزور تھا ۔ اس نے اپنے والد صاحب کو بتایا کہ ہماری جماعت میں ایک لڑکا بہت تیز ہے ۔ وہ جماعت کا مانیٹر ہے اور ہمارا ہم وطن بھی ہے ۔ اسے اگر گھر میں رہنے کی جگہ دے دیں تو اس کی مدد سے میری تعلیمی کمزوری بھی دور ہو سکتی ہے اور اسکول میں بھی میری حفاظت ہو سکتی ہے ۔ والد صاحب کو اس کی یہ تجویز پسند آئی انہوں نے میرا انٹرویو لیا اور مجھے ٹیوشن کرنے پر آمادہ کر لیا ۔ میں مسجد کی امامت بھی کرتا تھا اور اس کی ٹیوشن بھی کرتا تھا ۔ اس طرح میں اپنا اور اپنی چھوٹی ہمشیرہ بیگم کا خود کفیل ہو گیا ۔ چند ماہ بعد ہیڈ ماسٹر صاحب کو سرکاری ملازمت مل گئی اور وہ مستعفی ہو کر چلے گئے ۔ ان کی جگہ چوہدری محمد صدیق صاحب بی ۔

اے ، بی - ٹی ہیڈماسٹر ہوئے - وہ غالباً ریاست پٹیالہ کے رہنے والے تھے - چونکہ سابق ہیڈ ماسٹر صاحب مجھ پر بہت مہربان تھے اس لئے جاتے وقت وہ نئے ہیڈماسٹر صاحب سے میرا تعارف بھی کرا گئے تھے اور ان سے میری سفارش بھی کر گئے تھے - غالباً اسی وجہ سے نئے ہیڈماسٹر صاحب میری رہنمائی اور میری دست گیری فرماتے رہے - وہ ہمیشہ مجھ سے شفقت اور پیار سے پیش آئے - میری حوصلہ افزائی کرنے کے لئے وہ ہمیشہ میری محنت ، ذہانت اور میری قابلیت کی تعریف کیا کرتے تھے - انہوں نے مجھے نہ صرف اسکاؤٹ بھرتی کر لیا بلکہ وردی بھی خود بنوا کر دی - میں سہ ماہی امتحانوں نیز سالانہ امتحان میں ہمیشہ اول رہتا تھا اس لئے تقسیم انعامات کے موقعوں پر میری بڑی حوصلہ افزائی کی جاتی اور معقول انعامات سے نوازا جاتا - اسکول کے اخراجات کی طرف سے مجھے بالکل بے فکری تھی - اسکول کی فیس تو معاف تھی ہی ، کتابیں مفت مل جاتی تھیں نیز ہر طرح کی امداد ہوتی رہتی تھی - یہاں ایک بات اور بھی واضح کرتا چلوں ، وہ یہ کہ امداد اس وجہ سے نہیں ہوتی تھی کہ میں یتیم تھا ، غریب و مفلس تھا - میری طرح غریب و مفلس تو اور بھی بہت سے طالب علم تھے لیکن ان سب سے ایسا ہمدردانہ سلوک نہیں ہوتا تھا بلکہ صرف وہ غریب طلباء امداد کے مستحق سمجھے جاتے تھے جو دن رات کی محنت سے اسکول کا نام روشن کرتے ، اس کے وقار میں چار چاند لگاتے ، مختلف قسم کی صحت مند تحریکوں اور سرگرمیوں میں حصہ لے کر ادارے کی شہرت و عظمت اور نیک نامی میں اضافہ کرتے تھے - خوش قسمتی سے میرا شمار بھی ایسے ہی طلباء میں ہوتا تھا - میں نہ صرف پڑھنے لکھنے میں تیز اور ہوشیار تھا بلکہ کھیل کے میدان ، اسکاؤٹنگ اور ڈراموں میں بھی نمایاں کردار ادا کرتا تھا کیونکہ میں دل میں یہ تہیہ کر چکا تھا کہ اب کچھ بن کر دکھاؤں گا - ہیڈماسٹر صاحب اسکول میں جو بھی تحریک شروع کرتے تھے میں اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا تھا - اس وجہ سے بھی میں اسکول میں ہر دلعزیز تھا -

چند ماہ ہی گذرے تھے کہ چوہدری محمد صدیق صاحب بھی گورنمنٹ سروس میں چلے گئے - ان کی جگہ چوہدری عبدالقادر صاحب بی - اے ، بی - ٹی ہیڈماسٹر مقرر ہوئے - سابق ہیڈماسٹر صاحب بھی جاتے ہوئے نئے ہیڈماسٹر صاحب سے میرا تعارف کراتے گئے ، چنانچہ ان کا سلوک بھی میرے ساتھ مشفقانہ رہا - ان کی ہیڈماسٹری کو ابھی زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا کہ انہوں نے ڈسٹرکٹ بورڈ کی سروس اختیار کر لی اور اسلامیہ اسکول کو خیرباد کہہ گئے - یہ تحصیل زیرہ کے رہنے والے تھے -

اب چوہدری عبدالستار صاحب مرحوم و مغفور کی تقرری بطور ہیڈماسٹر ہوئی - آپ فیروز پور شہر کے بستی دہاڑیاں والی کے رہنے والے تھے - فیروز پور کے معزز آرائیں خاندان سے تعلق رکھتے تھے - بی - اے ، بی - ٹی تھے - بی - ٹی کی ٹریننگ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں کی تھی - بڑے ذہین ، فہیم ، جہاں دیدہ اور گرم و سرد زمانہ دیدہ شخص تھے - مذہب کے دلدادہ اور قوم پرستی کے جذبے سے معمور تھے - اسلامی روح ان کی رگ و پے میں سرائیت کئے ہوئے تھی - خدمتِ خلق کے جذبے سے سرشار تھے ، آزادی ، وطن کے علمبردار اور ملتِ اسلامیہ کی سربلندی اور ظفرمندی کے دل و جان سے خواہاں تھے - اسلام کے دشمنوں کے مقابلے میں ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار کے مانند تھے - انگریز سامراج ہو یا ہندو سرمایہ دار کسی کو خاطر میں نہیں لاتے - مسلمانوں کو انگریزوں ، ہندوؤں اور سکھوں کے غلبے اور نرغے سے نکلنے پر ابھارنے والے تھے - آزادی ، وطن کی ہر تحریک کے زبردست حامی ، اشاعتِ اسلام کی ہر تحریک کے سرگرم حامی اور موید تھے - مسلمانانِ ہند کی اقتصادی و سماجی اصلاح اور ترقی کی ہر جدوجہد میں پیش پیش رہتے - دلیر ، نڈر اور بیباک لیڈر تھے - صبر و قناعت اور عزم و استقلال کی ایک زبردست چٹان تھے - وہ بیک وقت مدبر ، مفکر ، معلم اور پرجوش انقلابی تھے - یہ کہنا مبالغہ نہ ہو گا کہ وہ نہایت حلیم الطبع ، وسیع القلب اور حکمت و دانائی کا پیکر تھے - ان کی گفتگو میں بلا کی تاثیر تھی - یتیموں

سے بڑی شفقت سے پیش آتے ان کی دلجوئی کرتے ۔ بڑے غریب نواز ، انتہائی رحمدل اور فیاض ہونے کے ساتھ ساتھ بڑی سادہ اور پرخلوص طبیعت کے مالک تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں جوہر شناسی اور فہم و ادراک کی دولت سے مالا مال کیا تھا ۔ وہ نہایت بردبار، سادہ مزاج اور سادہ لباس تھے ۔ ملک و ملت کی خدمت کے جذبے سے سرشار وہ بے سہارا اور بے یار و مددگار لوگوں کی خدمت کر کے بہت زیادہ خوش اور مطمئن ہوتے ۔ وہ دوستوں کے دوست اور دشمنوں کے بھی بہی خواہ تھے ۔ قصہ مختصر یہ کہ وہ جملہ اوصافِ حسن کا ایک مجسمہ تھے ۔ خود زمیندار تھے ۔ ان کے بڑے بھائی چوہدری عبدالحق صاحب مرحوم بیرسٹر تھے جو اپنے بھائی چوہدری صاحب سے بھی زیادہ ذہین و فطین تھے لیکن عیش و عشرت کی زندگی نے ان کے قوائے جسمانی کو مضمحل کر دیا تھا۔ آرام طلبی نے ان کی ذہنی صلاحیتوں کو عمل کے قالب میں ڈھلنے نہیں دیا غالباً اسی وجہ سے ملک و ملت کو ان کی گوناگوں صلاحیتوں سے مستفیض ہونے کا موقع نہیں مل سکا۔

چوہدری عبدالستار صاحب نے جس وقت اسکول کا نظم و نسق سنبھالا اس وقت میں ساتویں جماعت میں پڑھتا تھا ۔ چونکہ سابق ہیڈ ماسٹر صاحب مجھے ان سے بہت اچھے الفاظ میں متعارف کرا گئے تھے اس لئے بھی وہ میرا خاص طور پر خیال کرتے تھے ۔ نہ صرف میری حوصلہ افزائی کرتے بلکہ میری مالی اور مادی ضروریات پوری کرنے میں حتی المقدور میری مدد کرتے ۔ حالانکہ میں ٹیوشن اور محنت مزدوری سے اتنا کما لیتا تھا کہ ہم دونوں بہن بھائی کا گذارا ہو جاتا تھا پھر بھی بڑھتے ہوئے اخراجات کے پیش نظر وہ میری ضروریات کا خاص خیال رکھتے تھے ۔ مادی ضروریات کے علاوہ بھی فاضل اوقات میں وہ مجھے اپنے گھر بلا کر میری تعلیم و تربیت پر خاص توجہ دیتے تھے ۔ میرے کردار کی تعمیر، میری صلاحیتوں کو بیدار اور اجاگر کرنے میں چوہدری صاحب کی کوششوں کا بڑا ہاتھ ہے ۔ اگر وہ دامے ، درمے ، قدمے اور سخنے

میری حوصلہ افزائی بلکہ سرپرستی نہ کرتے تو میں آگے نہ بڑھ سکتا ۔ وہ مجھے پستی سے اٹھا کر بلندی پر لے گئے ، عزت و عظمت کی راہ پر گامزن کر گئے ، میری دل کی بجھی ہو شمع کو دوبارہ روشن کر گئے ۔ میرے دل میں حصولِ علم کا جذبہ سرد پڑ گیا تھا اسے پھر سے متحرک کر دیا ۔ وہ میرے تاریک مستقبل کو بھی درخشندہ بنا گئے ۔ وہ میرے دنیوی اور روحانی پیشوا تھے ۔ میں انہیں اپنی زندگی کے آخری لمحوں تک نہ صرف یاد رکھوں گا بلکہ ان کے مشن کو جاری رکھوں گا ۔ جب تک زندہ ہوں ان کی روح کو قرآنِ کریم کی تلاوت کا ثواب پہنچاتا رہوں گا ۔ حج کے موقع پر میں نے ان کی روح کو ایصالِ ثواب کے لئے ایک دن خاص طور سے کعبۃ اللہ کا طواف کیا تھا ۔ قرآنِ کریم کی تلاوت کر کے ان کے روح کو ثواب پہنچانا اب میرا معمول بن چکا ہے کیونکہ انہوں نے میری زندگی بنانے کے لئے اصلاحِ معاشرہ اور تعلیم عام کرنے کے لئے جو کچھ کیا ہے اس کا تقاضا یہی ہے کہ ایک طرف ان کے مشن کو نہ صرف جاری رکھا جائے بلکہ اس کو ترقی اور فروغ دیا جائے اور دوسری طرف ان کی روح کو زیادہ سے زیادہ ثواب پہنچانے کے لئے حتی الامکان ہر کوشش کی جائے ۔

چوہدری عبدالستار کی تعلیمی و دینی خدمات

چوہدری صاحب مرحوم نے اسلامیہ مڈل اسکول فاضلکا کا چارج سنبھالنے کے بعد اسکول کا ماحول ہی بدل دیا۔ اپنے حسن اخلاق، مستعدی او سرگرم جد و جہد سے اساتذہ کی روح کو بھی بیدار کر دیا اور ان میں کام کرنے کی لگن پیدا کر دی۔ اساتذہ اور طلباء دونوں میں مذہبی مطالعے کا شوق پیدا کیا اور ان کو صوم و صلوٰۃ کا پابند بنایا۔ طلباء کی تعلیمی استعداد بڑھانے اور علم کے شوق کو مہمیز کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی اخلاقی تربیت بھی شروع کر دی نیز ان میں خدمتِ قوم کا جذبہ پیدا کیا۔ وہ صرف زبانی جمع خرچ کے قائل نہیں تھے۔ بلکہ وہ عملی دنیا کے بھی مردِ میداں تھے۔ سردیوں کے موسم میں رات کے وقت مجھے ساتھ لے کر طلباء کی رہائش گاہوں کے چکر لگایا کرتے تھے تاکہ یہ معلوم کر سکیں کہ طالبِ علم رات میں گھروں پر بیٹھ کر مطالعہ کرتے ہیں یا بازاروں اور گلیوں میں آوارگی میں مصروف رہتے یا سینما میں اپنا وقت، اخلاق صحت اور سرمایہ ضائع کرتے ہیں۔ طالب علموں کے والدین یا سرپرستوں سے مل کر ان کی اصلاح کا پروگرام تیار کرتے۔ آٹھویں جماعت کے طالبِ علموں کو خصوصیت سے سردیوں میں گھر بلا کر تعلیم دیا کرتے تاکہ ان کی تعلیمی کمزوریاں دور ہوں اور آخری جماعت میں اچھے نمبروں سے کامیاب ہوں۔ وہ انگریزی گرامر پر خاص توجہ دیتے اور جب کبھی ریاضی پڑھانے والا ٹیچر نہ ہوتا تو خود ریاضی بھی پڑھاتے تھے۔

طالبِ علموں اور عام شہریوں کو نماز گزار بنانے کی تحریک

انہوں نے بستی کے مسلمانوں میں عام طور سے اور طالبِ علموں میں خاص طور سے سحر خیزی کی عادت ڈالنے اور نماز کا شوق پیدا کرنے کے لئے ایک بالکل نیا

[illegible] سردیوں کے موسم میں علی الصبح چار بجے اٹھ کھڑے ہوتے، [illegible] لے کر تمام مسلمان محلوں کا جلوس کی شکل [illegible] جن میں نماز کی ترغیب دی گئی ہو، سب مل کر باآواز [illegible] مسلمانوں کی گلیوں میں پڑھتے جاتے تھے۔ لوگ باگ ان نظموں [illegible] جاتے اور ان میں کچھ لوگ نماز پڑھنے کے لئے مسجد چلے جاتے کچھ [illegible] ہو جاتے۔ اس طرح مسجدیں نمازیوں سے پررونق نظر آنے [illegible] شوق پیدا ہو جاتا۔ رفتہ رفتہ وہ نماز کے پابند ہو جاتے اور [illegible] جاتا۔ میں اس تحریک کی تنظیم میں بڑھ چڑھ کر [illegible]

[illegible] اور معاشی ترقی کے لئے عملی جد و جہد

[illegible] مالی و اقتصادی حالت روز بروز کمزور ہوتی چلی جارہی [illegible] ہوتے جارہے تھے۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ [illegible] ملازمت یا محنت مزدوری پر [illegible] انہیں اس بات کا اچھی طرح [illegible] بنائے بغیر زندگی کے [illegible] نجات نہیں مل سکتی اور سیاسی [illegible] اور خاص طور سے جدید تعلیم اور فنی [illegible] چلے تھے۔ سائنس، انجینئری اور [illegible] ہوئے تھے جبکہ ان شعبوں میں مسلمان [illegible] اور کارخانوں سمیت درمیانی درجے کے

کاروبار اور عام تجارت پر بھی ہندو اور سکھ چھائے ہوئے تھے ۔ روزمرہ کے استعمال
کی اشیاء کا کاروبار بھی غیر مسلموں کے ہاتھ میں تھا ۔ اس کے علاوہ اکثر مسلمان
ہندوؤں کے مقروض تھے ۔ غربت و افلاس کی وجہ سے غریب گھرانوں کے بچے
معمولی تعلیم بھی حاصل کرنے سے محروم تھے ۔ یہ صورتِ حال چوہدری صاحب کے
لئے سوہانِ روح تھی ۔ وہ مسلمانوں کی زندگی میں انقلاب لانا چاہتے تھے ۔ وہ ہمہ
وقت اسی فکر میں غرق رہتے کہ کس طرح مسلمانوں کو معاشی پسماندگی اور غربت کی
دلدل سے نکال کر ترقی کی شاہراہ پر ڈالا جائے ۔ کیونکہ تعلیم اور مادی خوشحالی کے بغیر
نہ تو کوئی قوم اپنے پیروں پر کھڑی ہو سکتی ہے ، نہ اپنی آزادانہ سیاسی منزل متعین
کر سکتی ہے اور نہ ترقی کی راہ پر گامزن ہو سکتی ہے ۔ خاص طور سے ایسی حالت میں
جب حریف قومیں ان دونوں شعبوں میں ان سے کہیں زیادہ آگے جا چکی ہوں اور
سیاسی طور پر زیادہ منظم اور مستعد ہوں ۔ چوہدری صاحب کے خود اپنے وسائل بہت
محدود تھے حالانکہ وہ بڑے حوصلہ مند اور اولوالعزم تھے ۔ ان کی ذاتی کوششوں اور
کاوشوں کا دائرہ ان کے وسائل کی کمی کے باعث بڑا محدود تھا جو ان کی اپنی ذات اور
بعض اپنے مخلص رفقائے کار کی سرگرمیوں تک محدود تھا ، اس کے باوجود وہ ہمت
نہیں ہارے ۔ انہوں نے عام مسلمانوں میں تعلیم کو فروغ دینے کے لئے نہ صرف
اپنے آپ کو وقف کر رکھا تھا بلکہ اپنے بعض مخلص رفقائے کار کو بھی اپنا ہمخیال اور
ہمنوا بنا لیا تھا ۔ ہونہار طالب علموں کو آگے بڑھانا ، غریب اور نادار گھرانے کے بچوں
کی مالی اعانت کرنا اور کمزور طالب علموں کو اسکولی اوقات کے علاوہ اپنے گھر بلا کر
کوچنگ کرنا ان کا محبوب مشغلہ تھا ۔ مسلمانوں کی اقتصادی حالت بہتر بنانے کے
لئے انہوں نے مسلمانوں میں تجارت اور کاروبار کرنے کا ذوق و شوق پیدا کرنے کے
لئے ہر ممکنہ کوشش کی ۔ جہاں وہ ایک طرف مسلمانوں کو دکانیں کھولنے اور
خوشحال مسلمانوں کو غریب مسلمانوں کو تجارت کی راہ پر ڈالنے کے لئے قرض حسنہ

دینے کی ترغیب دیتے وہیں دوسری طرف مسلمان دکان داروں کی ہر طرح سے حوصلہ
افزائی کرتے اور عام مسلمانوں کو مسلمانوں کی دکانوں سے سودا سلف خریدنے پر
آمادہ کرتے تھے ۔ ان کی جد و جہد بے ثمر ثابت نہیں ہوئی بلکہ مسلمانوں میں رفتہ
رفتہ تجارت کا رجحان پروان چڑھنے لگا اور بقول کسے " خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ
رنگ پکڑتا ہے "بہت سے لوگ جو دکان داری کو عار سمجھتے تھے اب تجارت کی جانب
مائل ہونے لگے ۔

**

مسلمانوں میں فروغِ تجارت کے لئے ایک اہم اقدام

فاضلکا میں شہر سے باہر پیر گھرایا کا مزار تھا وہاں ہر سال بڑا میلہ لگا کرتا تھا ۔ اس میلے کا انتظام پیر صاحب کے ورثاء کے ہاتھ میں تھا ۔ اس موقعے پر وسیع میدان میں منہیاری ، کپڑے ، پارچہ جات ، ظروف ، مٹھائی ، کھلونوں وغیرہ کی دکانیں لگتی تھیں ۔ بیشتر دکانیں ہندوؤں کی ہوتی تھیں ۔ اس موقعے پر ہندو دکان دار دونوں ہاتھوں سے خوب دولت سمیٹتے تھے ۔ حالانکہ میلہ مسلمانوں کا ہوتا تھا ۔ اس کا انتظام بھی مسلمانوں بلکہ پیر صاحب کے ورثاء کے ہاتھ میں تھا ۔ میلے میں شرکت کرنے والے بھی مسلمان ہوتے تھے نہ صرف مقامی مسلمان بلکہ دور دراز کے دیہاتوں اور قصبات سے بے شمار مسلمان یہ میلہ دیکھنے اور پیر صاحب کے مزار پر نذرِ عقیدت پیش کرنے کے لئے آتے تھے ۔ اس میلے کے انعقاد سے مسلمانوں کو کوئی مالی یا اقتصادی فائدہ نہیں ہوتا تھا ، بلکہ الٹا نقصان ہوتا تھا کیونکہ میلے میں خریداروں کی کثرت کی وجہ سے دکان دار ہر چیز کے منہ مانگے دام وصول کرتے تھے ۔ میلے ٹھیلے کے موقعے پر یوں بھی لوگ بڑی فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے ہیں ۔ غریب مسلمانوں کی دریا دلی بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ فضول خرچی سے ہندو دکان دار اپنی تجوریاں بھرتے تھے ۔ چوہدری صاحب مرحوم اس بات پر دل ہی دل میں کڑھتے تھے کہ میلہ مسلمانوں کا ، اجتماع مسلمانوں کا اور انتظام بھی مسلمانوں کا اور اس سے فائدہ ہندو دکان دار اٹھا رہے ہیں ۔ وہ کچھ عرصے تک اسی ادھیڑ بن میں رہے کہ کس طرح اس میلے سے ہندو دکان داروں کو نکالا جائے اور مسلمانوں کو ان کی جگہ جمایا جائے ۔ پہلے انہوں نے سوچا کہ مسلمان دکان داروں کو بھی میلے میں دکانیں اور اسٹال لگانے کی ترغیب دی جائے لیکن پھر انہیں خیال آیا کہ بہت ممکن ہے کہ ہندو دکان دار جو کاروبار میں وسیع تجربے اور وسائل کے مالک ہیں ، مسلمان دکان داروں کو جو اس

بازار میں نووارد ہیں اور خاطر خواہ تجربے اور سرمائے سے محروم ہیں ، زک پہنچانے کے لئے مقابلہ شروع کر دیں اور مسلمان تاجروں کو ناتجربہ کاری اور وسائل کی کمی کے باعث لینے کے دینے پڑ جائیں ۔ اس لئے انہوں نے سوچا کہ ایسی کوئی تدبیر کی جائے کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے ۔ چوہدری صاحب مرحوم نے کافی سوچ بچار کے بعد طلباء کی ایک پارٹی تشکیل کی اور مجھے اس پارٹی کا لیڈر بنا دیا ۔ سب سے پہلے انہوں نے ہماری پارٹی کو ٹریننگ دی کہ کس طرح پرامن طریقے سے ہندوؤں کی دکانوں پر پیکٹنگ کی جائے اور خوش اسلوبی سے مسلمانوں کو غیر مسلم دکانوں سے سودا نہ خریدنے کی ترغیب دی جائے کہ امن و امان کا مسئلہ بھی نہ پیدا ہو اور ان نوواردانِ بساطِ تجارت مسلم تاجروں کو گرم و سرد زمانہ چشیدہ اور گھاٹ گھاٹ کا پانی پیئے ہوئے ہندو بنیوں کا مقابلہ بھی نہ کرنا پڑے اور مسلمان دکان داروں کے بازارِ تجارت میں قدم بھی جم جائیں اور ان کے حوصلے بھی بڑھ جائیں ۔ اس مقصد کے حصول کے لئے سب سے پہلے ہمیں اس بات کی بھی ٹریننگ دی گئی کہ اگر کوئی شخص پیکٹنگ کے دوران رضاکاروں پر سختی کرے تو اس پر مشتعل ہونے کی بجائے اس سختی کو کس طرح خندہ پیشانی سے برداشت کرنا ہے اور کس طرح عدم تشدد کی پالیسی پر عمل پیرا ہونا ہے ۔ چنانچہ ٹریننگ لے کر ہم میلے میں پہنچ جاتے اور میں اپنے دو ساتھیوں کو ہر ہندو کی دکان پر پیکٹنگ کرنے کے لئے کھڑا کر دیتا اور انہیں سختی سے تاکید کر دیتا کہ وہ کسی بھی حالت میں مشتعل نہ ہوں اور صبر و ضبط کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں ۔ اسی میں ہماری جیت ہے ۔ رضا کار ، مسلمانوں کو ان دکانوں سے سودا خریدنے سے باز رکھنے کے لئے خوش اخلاقی سے ہر امکانی کوشش کرتے ۔ یہ پیکٹنگ بڑی کامیاب ثابت ہوئی ۔ ہندو دکان داروں نے اچھی طرح محسوس کر لیا تھا کہ پیکٹنگ کو روکنے کے لئے پرتشدد رویہ اختیار کرنے سے یہ تحریک اور زیادہ مقبول ہو جائے گی حالانکہ وہ تحریک سے بوکھلا گئے تھے کیونکہ انہیں اندازہ

تھا کہ ابھی تو ابتداء ہے ۔ آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا ۔ انہوں نے پرانا اور آزمودہ نسخہ استعمال کرنے کی کوشش کی یعنی رضا کاروں سے تو بڑی نرمی اور خوش مزاجی سے پیش آئے اور اس تحریک کے روح رواں چوہدری صاحب کو ایک خطیر رقم کی پیشکش کر کے انہیں خریدنے کی ناکام کوشش کی تا کہ وہ رضا کاروں کو کسی بہانے سے بائیکاٹ سے باز رکھیں ۔ اگر کوئی ابن الوقت خود غرض لیڈر ہوتا تو بہت ممکن تھا کہ بنیوں کے بچھائے ہوئے سنہرے دام میں آجاتا لیکن چوہدری صاحب جو قومی و ملی جذبے سے سرشار تھے اور دنیاوی دولت کو ہاتھ کی میل سمجھتے تھے ، بھلا ان بنیوں کے روپہلے اور سنہری دام میں کیسے آسکتے تھے ۔ انہوں نے اس پیشکش کو نہ صرف حقارت سے ٹھکرادیا بلکہ اور زیادہ محتاط اورچوکنا ہو گئے کہ وہ کہیں نوجوان طالب علموں کو سبز باغ دکھاکر خریدنے کو کوشش نہ کریں ۔ اس کامیاب پیکٹنگ سے دو فائدے ہوئے ۔ ایک تو پرامن سماجی اور اصلاحی تحریک منظم کرنے کا عملی تجربہ ہوا اور دوسرے پیکٹنگ کی وجہ سے نمائش دیکھنے والے مسلمانوں نے مسلمانوں کی دکانوں سے خریداری کی جس کی وجہ سے دکانداروں کو کافی منافع بھی ہوا اور ان کے حوصلے بھی بڑھے ۔ اس طرح مسلمانوں میں تجارت کا شوق نہ صرف بڑھا بلکہ پروان چڑھا ۔ دوسرے سال اس موقعے پر کافی تعداد میں مسلمانوں کی دکانیں کھل گئیں ۔ ہندو تاجروں نے چوہدری صاحب کو " رام " کرنے کی کوشش میں ناکامی کے بعد مزار کے منتظمین کو رشوت دینے کی کوشش کی لیکن اس میں بھی انہیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا ۔

رنڈیوں کے ناچ کی مذموم رسم

اس میلے میں ایک اور بڑی بدعت رائج تھی ۔ میلے کو مقبول بنانے اور اس میں زیادہ سے زیادہ لوگوں کو شرکت کرنے کی ترغیب دینے کے لئے میلے کے منتظمین

رنڈیوں کے طائفے بلواکر مزار کے صحن میں نچواتے تھے ۔ طریقہ یہ تھا کہ وہ اس کام کا ٹھیکہ دے دیا کرتے تھے ۔ رنڈیوں کے ناچ کی وجہ سے اوباشوں اور نوجوانوں کا ٹھٹھ لگا رہتا تھا ۔ دور دور تک تل دھرنے کی جگہ نہیں ہوتی تھی ۔ ٹھیکیدار کو بڑی آمدنی ہوتی تھی ۔ چوہدری صاحب کو یہ رسم ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی کیونکہ اس سے نہ صرف مزار کی توہین ہوتی تھی بلکہ یہ رسم بالخصوص مسلمان نوجوانوں کی اخلاقی تباہی کا بھی سبب بن گئی تھی ۔ اس مذموم رسم کو روکنے کے لئے پہلے تو مجاوروں سے بات چیت کی گئی ۔ انہیں سمجھایا گیا کہ رنڈیوں کے ناچ سے پیر صاحب کے مزار کی بھی توہین ہوتی ہے اور ان کے مشن پر بھی کاری ضرب لگتی ہے ۔ لیکن آمدنی کے لالچ نے انہیں اندھا کیا ہوا تھا ۔ وہ نہ مانے ۔ چوہدری صاحب نے اس مذموم رسم کو ختم کرانے کے لئے دوسرا راستہ اختیار کیا ۔ انہوں نے طلباء کی ایک پارٹی منظم کی جس میں تقریباً ساٹھ طلباء شامل تھے ۔ اس پارٹی کا انتظام بھی انہوں نے میرے سپرد کیا ۔ پہلے ہمیں ٹریننگ دی گئی کہ ہم علی الصبح میلہ شروع ہونے سے پہلے مزار پر پہنچ جائیں ، گرد و نواح کو خوب اچھی طرح صاف کریں اور پھر صفیں بچھا کر قرآن کریم کی تلاوت شروع کردیں ۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور ہم سب طلباء ایک بہت بڑا حلقہ بنا کر قرآن شریف کی تلاوت کرنے لگے ۔ اب رنڈیوں کے ناچ کے لئے وہاں کوئی جگہ ہی نہیں تھی ۔ ہمیں کلام پاک کی تلاوت سے روکنے کی بھی کسی کو جرأت نہ ہو سکی ۔ یہ میلہ تین دن لگتا تھا ۔ ہم مسلسل تین دن تک ایسا ہی کرتے رہے ۔ اس خیال سے کہ رات کے وقت مزار کے منتظمین یا ٹھیکیدار اس جگہ پر اپنے آدمی نہ بٹھا دیں ، ہم نے وہاں تین دنوں کے لئے مستقل پڑاؤ ڈال دیا کہ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری ۔ رات کو ہم سب وہیں رہتے اور علاقے کے بڑے بوڑھے ہماری حفاظت اور حوصلہ افزائی کے لئے کافی دیر تک وہاں موجود رہتے کہ کہیں ٹھیکیدار یا اس کے آدمی جگہ خالی کرانے کے لئے کوئی شرارت نہ کریں ۔ تین دن وہاں میلہ لگتا تھا اور ہم لوگ

تینوں دن ایسا ہی کرتے رہے ۔ چنانچہ اس سال وہاں رنڈیوں کا ناچ نہ ہو سکا اور اس طرح یہ قبیح اور مذموم رسم ہمیشہ کے لئے بند ہو گئی ۔

ایک اور اہم معرکہ

اسلامیہ مڈل اسکول کے احاطے میں ایک فرضی قبر تھی جس پر جاہل مسلمان مرد اور عورتیں نذرانے چڑھایا کرتے ، منتیں مانا کرتے اور سجدے کیا کرتے تھے ۔ چوہدری صاحب مرحوم نے شرک و کفر کے اس مرکز کو بھی ختم کرنے کا فیصلہ کیا ۔ چنانچہ انہوں نے ایک رات طلباء کی ایک جماعت کو ساتھ لے کر اس فرضی قبر کو ایسا مسمار کیا کہ اس کا نام و نشان باقی نہ رہنے دیا ۔ بعض گمراہ لوگوں نے جنہیں مفاد پرست اور زر پرست لوگوں کی پشت پناہی حاصل تھی اسے قبر کے بے حرمتی کا رنگ دیا جس کی وجہ سے کچھ لوگوں ہیں اشتعال پیدا ہوا ۔ اس میں ان ہندو تاجروں اور ٹھیکے دار کا ہاتھ تھا جنہیں میلے میں مسلمانوں کی دکانیں کھل جانے کی وجہ سے اور رنڈیوں کا ناچ بند ہونے سے مالی نقصان پہنچا تھا ۔ قبل اس کے کہ معاملہ طول پکڑتا مشتعل لوگوں کو یقین دلایا گیا کہ یہ قبر فرضی تھی جو خود غرض لوگوں نے کمزور عقیدے اور ان پڑھ لوگوں کو دونوں ہاتھوں ۔ سے لوٹنے کے لئے بنائی تھی ، جس کا ثبوت یہ ہے کہ قبر سے ایک ہڈی تک برآمد نہیں ہوئی ۔ اگر واقعی اس میں کوئی بزرگ دفن ہوئے ہوتے تو قبر مسمار کرنے والوں پر عتابِ الہٰی نازل ہوتا لیکن کسی کا بال تک بیکا نہیں ہوا ۔ اس طرح ان پڑھ لوگوں کو مطمئن کر دیا گیا ۔

درختوں کی پوجا کا انسداد

گراؤنڈ میں جنڈی کے دو تین درخت بھی لگے ہوئے تھے ۔ ہندو عورتیں ان جنڈی کے درختوں کو دیوتا مان کر ان کی پوجا کرتی تھیں ۔ ان پر سیندور لگاتی تھیں ۔

مالھا لیپتی تھیں ۔ صرف یہی نہیں بلکہ دودھ ، چاول ، دہی ، سویاں اور دوسرے کھانے درخت کے تنے کے چاروں طرف ڈالتی تھیں ۔ اس طرح کی مشرکانہ حرکتیں کیا کرتی تھیں ۔ یہ کوئی ایک دو دن کی بات نہیں تھی ۔ بلکہ ہر ہفتے ان کا یہی معمول رہتا تھا ۔ ہندوؤں کی نوجوان لڑکیاں بھی پوجا پاٹ کے لئے بہت زیادہ تعداد میں آتی تھیں اس طرح ہر ہفتے یہاں ایک چھوٹے سے میلے کا سماں بندھ جاتا تھا ۔ لڑکوں کے اسکول میں ہندو لڑکیوں کے جمع ہونے سے طلباء کے اخلاق پر بہت برا اثر پڑنے کا اندیشہ تھا بلکہ پڑنا شروع ہو گیا تھا ۔ چوہدری صاحب نے متوقع خطرات کو بہت جلد بھانپ لیا لڑکوں کا اخلاق خراب ہونے کے علاوہ یہاں فرقہ وارانہ کشیدگی بڑھنے بلکہ فرقہ وارانہ فساد کا بھی شدید اندیشہ تھا ۔ یہ خدشہ بھی بڑھ رہا تھا کہ اگر اسکول کے لڑکے نہ سہی دوسرے اوباش لوگوں نے ان لڑکیوں سے چھیڑ چھاڑ کی تو صورتِ حال بڑی نازک ہو سکتی تھی ۔ علاوہ بریں اس قبیح رسم اور مشرکانہ حرکات کی تشہیر ہوتی تھی ۔ یہ بات چوہدری صاحب کو قطعی ناپسند تھی ۔ وہ یہ سوچتے رہے کہ کیا ترکیب کی جائے کہ سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے کیونکہ اگر وہ علانیہ اس مشرکانہ رسم کی مخالفت کرتے تو مذہبی معاملات میں مداخلت کا سوال پیدا ہو جاتا اور شرپسند عناصر اسے خوب ہوا دیتے ۔ اس لئے انہوں نے خاموشی سے چند ہوشیار لڑکوں کی ڈیوٹی لگائی کہ وہ ان جنڈیوں کو رات کی تاریکی میں جڑ سے اس طرح اکھاڑ پھینکیں کہ ان کا نام و نشان تک باقی نہ رہے ۔ چنانچہ ہم چند لڑکوں نے کلہاڑیوں سے ان " دیوتاؤں کا صفایا کر دیا ۔ اس طرح ہندو عورتوں اور لڑکیوں کا اسکول کے احاطے میں آنا جانا مکمل طور پر بند ہو گیا اور درخت پرستی کا خاتمہ بھی ہو گیا ۔

طلباء کے لئے جسمانی تربیت کا انتظام

انسان کے کردار کی تعمیر میں اچھی تعلیم اور اعلیٰ اخلاق کے ساتھ ساتھ جسمانی

صحت بھی نہایت ضروری ہے ۔ ہمارے ہیڈ ماسٹر کی نظر اس پہلو پر بھی ہمیشہ رہی ۔ وہ صرف زبانی جمع خرچ کے قائل نہیں تھے بلکہ اس پر عمل بھی کرتے تھے ۔ غالباً اسی وجہ سے طلباء میں جسمانی تربیت کے ذوق و شوق کو بڑھانے کے لئے اسکول کے گراؤنڈ میں کبھی کبھی کبڈی بھی کھلایا کرتے تھے اور خود بھی اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے ۔ کبڈی کھلانے سے ان کا مقصد ہمیں دوڑنے اور سانس روکنے کی مشق کرانا تھا نہ صرف حریف کو چھونا ہوتا تھا ، پکڑنا ممنوع تھا ۔ چوہدری صاحب مرحوم جب ہماری طرف کبڈی ڈالنے آتے تھے تو وہ عام طور پر مجھے نشانہ بناتے تھے ۔ چونکہ میں بہت تیز دوڑتا تھا اور سانس روکنے کی بھی مجھے کافی مشق تھی اس لئے میں عام طور پر ان کے ہاتھ نہیں آتا تھا ۔ وہ میری تیز دوڑ پر بہت خوش ہوتے تھے ۔

غیب سے امداد

میں ساتویں جماعت سے ترقی پا کر آٹھویں جماعت میں آگیا ۔ میں سالانہ امتحان میں اول آیا تھا اس لئے جلسۂ تقسیم انعامات کے موقعے پر مجھے معقول انعام ملا جس سے میری مزید حوصلہ افزائی ہوئی ۔ اس کامیابی کی وجہ سے میں ہیڈ ماسٹر صاحب کی نظروں میں اور زیادہ عزیز ہو گیا ۔ انہوں نے میری تعلیم و تربیت پر اور زیادہ توجہ دینا شروع کر دی ۔ اسی دوران میں انعام کریم کے والد کا تبادلہ ہو گیا اور میں ایک سہارے سے محروم ہو گیا لیکن میں مایوس نہیں ہوا ۔ میں بچپن سے سنتا آیا تھا کہ ایک در بند ہزار در کھلے ، مجھے یقین کامل تھا کہ اللہ تعالیٰ بڑا مسبب الاسباب ہے وہ میری کفالت کی کوئی اور سبیل نکالے گا اور ایسا ہی ہوا ۔ ہماری جماعت میں ایک لڑکا محمد ایوب خاں تھا ۔ وہ جماعت میں بہت کمزور تھا ۔ اس کے والد قصور کے ایک پٹھان تھے اور ایس ڈی او کی عدالت میں اہلمد تھے ۔ محمد ایوب خاں مجھے اپنے گھر لے گیا ۔ اپنے والد سے میرا تعارف کریا غالباً اس سے پہلے وہ اپنے والد سے میرا ذکر کر چکا

تھا ۔ اس کے والد مجھ سے بہت اچھی طرح پیش آئے ۔ مجھ سے بات چیت کرنے کے بعد انہوں نے محمد ایوب خاں اور اس کے چھوٹے بھائی رحمت خاں دونوں کو ٹیوشن پڑھانے کی ذمے داری سونپ دی اور اس طرح مجھے کچھ سہولت مہیا ہو گئی ۔

میری عمر اس وقت چودہ پندرہ سال تھی ۔ میں نے اس کم عمری میں ایک مسجد کی امامت سنبھال لی تھی ۔ ہیڈ ماسٹر صاحب مرحوم مجھے جمعے کا خطبہ پڑھنے کی ٹریننگ دیا کرتے تھے ۔ ان کا طریقہ یہ تھا کہ ایک جمعے کو خود آکر خطبہ پڑھتے تھے اور مجھے تاکید کرتے تھے کہ میرا خطبہ غور سے سنا کرو ۔ اسی وجہ سے میں ہمیشہ اگلی صف میں بیٹھا کرتا تھا اور پھر دوسرے جمعے کو وہ اپنی موجودگی میں مجھ سے خطبہ پڑھواتے تھے ۔ بعد میں گھر پر میری فرد گذاشتوں کی نشاندہی کرتے اور میری اصلاح فرمایا کرتے تھے ۔ ان کی نگرانی اور تربیت کی وجہ سے میں کافی منجھ گیا ۔ اس طرح میری آمدنی کا یہ بھی ایک ذریعہ پیدا ہو گیا اور میری ہر دلعزیزی اور مقبولیت میں بھی اضافہ ہوا ۔ امام مسجد ہونے اور خطبہ دینے کی وجہ سے میں زیادہ بردبار ، محتاط اور ذمے دار بن گیا ۔ مارچ سنہ ۱۹۲۷ء میں ، میں نے مڈل کا امتحان امتیازی حیثیت سے پاس کیا ۔ یہاں یہ ذکر کرنا نامناسب نہ ہو گا کہ ہیڈ ماسٹر صاحب کے علاوہ چوہدری علی محمد صاحب ایس ۔ وی (ٹیچر) اور چوہدری پیر حمایت علی شاہ ایس ۔ وی بھی میرے ہمدرد ، مشفق اور مجھ پر بہت مہربان تھے ۔ حقیقت یہ ہے کہ ان محسن اور ہمدرد اساتذہ کی بدولت ہی میں مڈل تک امتیاز کے ساتھ تعلیم حاصل کرنے میں کامیاب رہا ۔

**

تعلیمی سفر کا نیا مرحلہ

حالات کی ستم ظریفی کہئے یا میری بد قسمتی کہ ہیڈماسٹر صاحب کی انجمن کی انتظامیہ کے ممبروں سے نہیں بنی ۔ وہ لوگ چوہدری صاحب کی اصلاحی ، مجلسی ، مذہبی اور سیاسی تحریکوں کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے تھے اور ان کی ایسی تمام سرگرمیوں پر پابندی عائد کرنا چاہتے تھے ۔ لیکن بقول علامہ اقبالؒ ؎ " اللہ کے شیروں کی آتی نہیں روباہی " بھلا وہ کیسے یہ پابندیاں قبول کرلیتے ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ مستعفی ہو کر فیروز پور واپس چلے گئے اور اس طرح میں ایک عظیم مدرس اور مربی کی ہدایت اور رہنمائی سے محروم ہو گیا ۔ لیکن جب بھی ان کی یاد آتی تو بے ساختہ مجھے یہ شعر یاد آجاتا

تری نظر ، ترا حسنِ عمل ، ترے افکار
بنیں گے مشعلِ راہِ عمل جہاں کے لئے

بہرحال ؎ آں ساغر بشکست و آں قدح نہ ماند ۔ اب مجھے اپنے تعلیمی سفر کو جاری رکھنے کے لئے بالکل نئی صورتِ حال کا سامنا تھا ۔ میرے ہمدرد ، مونس اور محسن اساتذہ مجھ سے جدا ہو چکے تھے اور مجھے بالکل نئے ماحول کا سامنا تھا ۔

فاضلکا میں صرف ایک گورنمنٹ ہائی اسکول تھا جو شہر سے باہر، ریلوے لائن کے پار ہماری قیامگاہ سے تقریباً ایک ڈیڑھ دو میل دور واقع تھا ۔ اس اسکول کا اسٹاف زیادہ تر ہندو اور سکھ اساتذہ پر مشتمل تھا ۔ مسلمان اساتذہ آٹے میں نمک کے برابر تھے ۔ طلباء میں بھی بھاری اکثریت ہندو اور سکھ طلباء کی تھی ۔ مسلمان طلباء خال خال نظر آتے تھے ۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ غیر مسلم اساتذہ جبلی طور پر تنگ دل ، تنگ نظر اور متعصب تھے ۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ مسلمان لڑکے تعلیم حاصل

کریں اس لئے وہ مسلمان طلباء کے ساتھ غیر ہمدردانہ رویہ رکھتے تھے ۔ انہیں بے حوصلہ کرنے اور تعلیم سے بددل کرنے کی ہر امکانی کوشش کرتے تھے ۔ معمولی معمولی فروگذاشت پر مسلمان طلباء کو سخت سزا دینا ان کا روز کا معمول تھا ۔ ان کے رویے کی وجہ سے بہت سے طالبِ علم تعلیم ہی سے توبہ کرلیتے ۔ صرف مجھ جیسے چند ڈھیٹ طالبِ علم دسویں جماعت تک پہنچ پاتے ۔ اکثر مسلمان طلباء بے جا زدوکوب کی وجہ سے نچلی جماعتوں ہی سے اسکول چھوڑ بھاگتے ۔ ہندو مسلم اساتذہ میں بھی کشیدگی رہتی تھی ۔ قصہ مختصر اپریل سنہ ۱۹۲۷ء میں میں نے گورنمنٹ ہائی اسکول فاضلکا میں داخلہ لے لیا ۔ اس وقت لالہ کرم چند بی ۔ اے ، بی ۔ ٹی ، پی ای ایس اسکول کے ہیڈماسٹر تھے ۔ انہوں نے میرا معمولی سا ٹیسٹ لے کر نویں جماعت میں داخلے کی اجازت دے دی اور ساتھ ہی میری فیس بھی معاف کردی ۔ کتابوں اور کاپیوں کا انتظام چوہدری عبدالستار صاحب کر گئے تھے ۔ جماعت نہم میں دو سکشن تھے ہر سکشن میں پچاس پچاس طالبِ علم تھے ۔ لیکن کسی سکشن میں مسلمان طلباء کی تعداد آٹھ سے زیادہ نہیں تھی ۔ اسلامیہ مڈل اسکول میں مقابلہ محدود طلباء میں تھا ۔ پھر وہاں اساتذہ کا رویہ جانبدارانہ اور متعصبانہ نہیں تھا لیکن گورنمنٹ اسکول میں یہ دائرہ نسبتاً بہت وسیع ہو گیا تھا ۔ طلباء اور اساتذہ میں ہندوؤں اور سکھوں کا تناسب بھی بہت زیادہ تھا وہاں صرف تیس طلباء میں مقابلہ تھا جب کہ گورنمنٹ اسکول میں سو طلباء کے درمیان مقابلہ تھا ۔ اس کے علاوہ ہندو اور سکھ طلباء میں بعض تو واقعی آفت کے پرکالے تھے ۔ بڑے محنتی اور ذہین تھے ۔ ہندو اور سکھ اساتذہ اپنی قوم کے طلباء کی جا اور بے جا حوصلہ افزائی اور ان کی رہنمائی بھی کرتے تھے ۔ اپنے گھروں پر بلا کر انہیں وقت دیا کرتے تھے اور مسلم طلباء کو بددل کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے ۔ تیس اساتذہ کے اسٹاف میں صرف تین یا چار مسلمان ٹیچر تھے ۔ وہ بڑے دبے دبے اور سہمے سہمے رہتے تھے ۔ ہمیں اسکول کی چار دیواری کے اندر ظہر کی نماز پڑھنے

کی اجازت نہیں تھی اس لئے تفریح کے وقت باہر جا کر نماز ادا کیا کرتے تھے ۔ چونکہ تفریح کا وقت صرف نصف گھنٹے کا ہوتا تھا اس لئے بعض دفعہ مسلم طلباء دو چار منٹ دیر سے کلاسوں میں پہنچتے تو ہیڈ ماسٹر صاحب انہیں سزا دیا کرتے تھے ۔

ایک سہارا اور ملا

اس زمانے میں ایک مسجد کا انتظام و انصرام، امامت اور خطابت اور چھوٹی بہن کی کفالت میرے ذمے تھی ۔ مسجد کے قریب ہی حکیم ظہورالدین خاں کا مکان تھا ۔ وہ قوم کے میو تھے ۔ تعلیمیافتہ اور آسودہ حال تھے ۔ انہوں نے مجھے اپنے بچوں کا اتالیق مقرر کر لیا؛ اور اپنے مکان میں ایک بیٹھک دے دی ۔ اس بیٹھک میں میں نے اپنا ڈیرہ جما لیا ۔ خاں صاحب کے بچوں کو بھی وقت دیتا، خود بھی پڑھتا اور مسجد کے فرائض بھی انجام دیتا تھا ۔ اس کے علاوہ میرا معمول تھا کہ شام کے وقت اکھاڑے میں چلا جاتا وہاں پہلوانی سیکھتا ۔ مجھے اتنی مشق ہو گئی کہ اپنے سے دگنے حریف کو گرا لیتا تھا ۔ اب میری صحت بہت اچھی ہو گئی تھی ۔ مجھے اپنی صحت کا خاص طور سے اس لئے خیال تھا کہ ہندو اور سکھ طلباء سے صرف تعلیمی مقابلہ نہیں تھا بلکہ بعض اوقات تصادم کی صورت میں زور آزمائی بھی کرنا پڑ جاتی تھی ۔ اسی غرض سے میں نے گتکا بھی سیکھ لیا تھا ۔ وار کرنے اور دشمن کے حملے سے بچاؤ کی خوب مشق کی تھی ۔

میں ہمیشہ اگلی ڈیسک میں سیٹ لینے کی کوشش کرتا ۔ میرا ڈیسک فیلو ایک ہندو لڑکا کیول کرشن تھا ۔ آفت کا پرکالا تھا ۔ ایک وکیل کا بیٹا تھا ۔ بلا کا ذہین اور بڑا محنتی تھا ۔ میرا اور اس کا ہمیشہ مقابلہ رہتا ۔ کبھی وہ نمبر زیادہ لے جاتا تو کبھی میں ۔ سالانہ امتحان میں ہم دونوں کے نمبر برابر رہے ۔ ہم دونوں کو جلسۂ تقسیم انعامات کے موقعے پر انعام ملا ۔ میں تعلیمی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ اسکاؤٹنگ اور کھیلوں میں بھی حصہ لیتا رہا ۔

ہندو مسلم فساد ہوتے ہوتے رہ گیا

اسی زمانے میں شہر میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں کشیدگی پیدا ہو گئی ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مسلمان یہاں گائے اور بھینس کا مذبح کھولنا چاہتے تھے ۔ ہندو اس کے مخالف تھے ۔ شہر میں ہندوؤں کی اکثریت تھی ۔ مسلمان اقلیت میں تھے ۔ آبادی میں مسلمانوں کا تناسب ایک تہائی تھا ۔ ہندو مالی حیثیت سے بہت پوڑھے تھے ۔ صنعت و تجارت پر ان کی اجارہ داری تھی ۔ مسلمانوں کی اکثریت غریب اور مزدور پیشہ تھی، لیکن لڑائی جھگڑے میں مسلمانوں کا پلڑا بھاری رہتا تھا اس لئے پوری آبادی پر مسلمانوں کا رعب تھا ۔ ضلع فیروزپور کے ڈپٹی کمشنر نے مسلمانوں کو یہاں مذبح کھولنے کی اجازت دے دی تھی ۔ اس لئے وہ مذبح کھولنے کی تیاریاں کر رہے تھے ۔ ہندوؤں میں بہت زیادہ اشتعال تھا ۔ مہاسبھائی اور جن سنگھی مقابلے کی زبردست تیاریاں کر رہے تھے ۔ وہ ہندو نوجوانوں کو پہلوانی، گتکا اور تیغ زنی کی تربیت دے رہے تھے ۔ ہندو مسلمانوں کے درمیان کشیدگی اور فرقہ وارانہ منافرت بڑھتی جا رہی تھی ۔ مسلمانوں میں قصاب اور اوڈ قوم بھی آباد تھی ۔ یہ دونوں قومیں نڈر اور جنگجو تھیں ۔ پورے علاقے میں سخت خوں ریزی کا خطرہ بڑھتا جا رہا تھا ۔ قصبے میں سید عبداللطیف شاہ نے ایک ہوٹل کھولا ہوا تھا ۔ اسی عرصے میں اس نے ایک دن پلاؤ کی دیگیں پکائیں جن میں گائے کا گوشت تھا ۔ یہ دیگیں خیرات کے طور پر پکائی گئیں تھیں ۔ مسلمانوں نے پلاؤ کھا کر بڑے بڑے ہڈے بازار میں سڑک پر پھینک دیئے پھر کیا تھا ۔ ہندوؤں کا ایک جم غفیر مسلح ہو کر ہوٹل کے سامنے جمع ہو گیا ۔ یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح مسلمان محلوں میں پھیل گئی ۔ یہ خبر سنتے ہی سینکڑوں مسلمان نوجوان جن میں اکثریت اوڈوں اور قصابوں کی تھی چھرے اور لٹھ لئے ہوئے اور نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے برق رفتاری سے ہوٹل پر پہنچ گئے ۔ فریقین نے

باقاعدہ مورچے بنائے تھے ۔ صرف جنگ کا بگل بجنے کی دیر تھی لیکن قبل اس کے کہ پورا علاقہ میدان کارزار بنتا اور زبردست خوں ریزی ہوتی قصبے کے انچارج ایس ۔ ڈی ۔ او اور پولیس کپتان ، پولیس کی بھاری جمعیت لے کر موقعے پر پہنچ گئے ۔ مجسٹریٹ نے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر فریقین کو منتشر ہونے کا حکم دیا اور حکم عدولی کی صورت میں گولی چلانے کی دھمکی دی ۔ مجسٹریٹ کی دھمکی کارگر ثابت ہوئی ، ہندو فوراً ، منتشر ہو گئے اور مسلمان نعرے لگاتے ہوئے اور لاٹھیوں کو ہوا میں لہراتے ہوئے واپس ہو گئے اس طرح زبردست خوں ریزی کا خطرہ ٹل گیا ۔ اس کے باوجود دونوں فرقوں کے درمیان کشیدگی جوں کی توں برقرار رہی ۔ روزانہ رات کے وقت بڑے بڑے جلسے ہونے لگے ہندو لیڈر اشتعال انگیز تقریریں کر کے ہندوؤں کو مشتعل کیا کرتے تھے اور مسلمان لیڈر مسلمانوں کو خطرے سے آگاہ کرتے ہوئے انہیں مقابلہ کرنے کے لئے ہمہ وقت چوکس اور مستعد رہنے کی تلقین کیا کرتے تھے ۔ رفتہ رفتہ جلسوں کا سلسلہ بھی ختم ہو گیا ۔ بالآخر مسلمانوں نے مذبح تعمیر کر لیا اور وہاں دھڑلے سے گائے کا گوشت بیچنا شروع کر دیا ۔

اسکول میں فرقہ وارانہ کشیدگی کا ردِعمل

فرقہ وارانہ کشیدگی کا اثر اسکول پر بھی پڑا ۔ ہندو اساتذہ ہندو سکھ طلباء کو مسلم طلباء کے خلاف بھڑکاتے اور اکسایا کرتے تھے ۔ ہمارے ایک ٹیچر لہب سنگھ تھے جو سائنس اور ریاضی پڑھاتے تھے ۔ وہ نہایت تنگ دل ، تنگ نظر اور سخت متعصب تھے ۔ ایک دن سائنس کے پیریڈ میں کسی معمولی فروگذاشت پر مجھے اور ذوالفقار علی خاں کو سخت جسمانی سزا دی میں تو مصائب کی بھٹی سے نکلا تھا اس لئے میں اس سزا کو برداشت کر گیا ، البتہ ذوالفقار بہت ناز و نعم میں پلا تھا اور نہایت نرم و نازک طبیعت کا لڑکا تھا ، وہ روتا رہا ۔ اسکول میں طلباء کی تعداد سات سو کے لگ

بھگ تھی جس میں مسلمان طلباء تقریباً چالیس تھے ۔ فرقہ وارانہ کشیدگی کے دوران سارے مسلمان متحد ہو گئے اور انہوں نے بالاتفاق مجھے اپنا لیڈر منتخب کر لیا ۔ جہاں کہیں کسی مسلمان طالب علم کے ساتھ کسی قسم کی بدسلوکی ہوتی ہم وہاں پہنچ جاتے اور ان کی مدد کرتے ۔ جب ذوالفقار نے اپنی سزا کو بہت زیادہ محسوس کیا تو میں پیریڈ ختم ہونے کے بعد اسے ہیڈ ماسٹر صاحب کے دفتر لے گیا ۔ ہم نے ان سے ماسٹر لہب سنگھ کی زیادتی کی شکایت کی اور اپنے زخموں کے نشان بھی انہیں دکھائے ۔ ہم نے ان سے بلا جھجک صاف صاف کہہ دیا کہ اگر اسکول میں کوئی فرقہ وارانہ فساد ہوا تو اس کی ساری ذمے داری ایسے اساتذہ پر ہو گی جو غیر مسلم طلباء کو ہمارے خلاف بھڑکاتے ہیں اور ہمارے ساتھ ناروا سلوک روا رکھتے ہیں ۔ ہیڈ ماسٹر صاحب پہلے ہی اس اندیشے سے خوف زدہ تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اسکول میں بھی فرقہ وارانہ فساد کی آگ بھڑک اٹھے ۔ انہوں نے ہماری شکایت نہایت توجہ سے سنی اور ہمیں دلاسا دیا ۔ ماسٹر لہب سنگھ سے بھی جواب طلبی کی اور آئندہ کسی طالب علم کو جسمانی سزا دینے سے بالکل منع کر دیا ۔ اس کے باوجود ہندو اساتذہ ہندو سکھ طلباء کو ہمارے خلاف مشتعل کرتے رہے اور ہمیں زدوکوب کرنے پر انہیں اکساتے رہے ۔

پہلا کامیاب مورچہ

ہماری جماعت میں ایک لڑکا لبھورام تھا ۔ وہ بڑا قدآور اور جسیم تھا ۔ تقریباً چار من کی زندہ لاش تھی ۔ وہ اتنے بھاری بھرکم جسم کا تھا کہ اگر کسی پر گر پڑے تو اس کا کچومر نکل جائے ۔ وہ مسلمان لڑکوں پر بڑا رعب جماتا تھا ۔ میں نے اسے اپنا بیلی بنا لیا اور بعض دفعہ مذاق ہی مذاق میں اسے اپنی آغوش میں لے لیتا اور دونوں ہاتھوں سے اس زور سے بھینچتا کہ اس کی بڑھی ہوئی توند پچک جاتی اور وہ بے ساختہ چیخ اٹھتا ایسا عمل دو چار مرتبہ کرنے سے میں نے اسے مرعوب کر لیا اور وہ مجھ سے خوف

کھانے لگا ۔ ایک دن ہندو سکھ طلباء نے اسکول کے ہوسٹل میں میٹنگ کی اور یہ فیصلہ کیا کہ مسلم طلباء کے لیڈروں کو پکڑ کر اتنا مارا پیٹا جائے کہ وہ اسکول چھوڑ جائیں ۔ انہوں نے سب سے پہلے مجھے ، نذیر احمد اور ذوالفقار علی کو نشانہ بنانے کا فیصلہ کیا ۔ جب چار بجے چھٹی ہوئی تو اسی پچاسی ہندو اور سکھ طلباء لاٹھیوں اور ہاکیوں سے مسلح ہو کر ریلوے اسٹیشن پر پہنچ گئے ۔ ہم سڑکوں ، گلیوں اور بازاروں سے گذرتے ہوئے اپنے گھر پہنچا کرتے تھے جو اسکول سے تقریباً میل ڈیڑھ میل کے فاصلے پر تھا ۔ ہمیں بروقت ان کے فیصلے کا علم ہو گیا ۔ ہم نے دوسرا راستہ اختیار کرنے کی بجائے اسی راستے کو اختیار کرنے کا فیصلہ کیا اور مرنے مارنے پر تل گئے ۔ نذیر احمد ایک زمیندار کا بیٹا تھا ، وہ قوی ہیکل بھی اور دلیر بھی تھا ۔ ذوالفقار دبلا پتلا اور نسبتاً کم عمر تھا لیکن بلند حوصلہ تھا ۔ ہم تینوں ایک قطار میں اسکول سے نکلے ۔ میں آگے تھا ۔ بیچ میں ذوالفقار تھا اور سب سے پیچھے نذیر تھا تاکہ عقب مضبوط رہے ۔ ہمارے پاس ایک ہی ہتھیار تھا جو چمڑے کا بنا ہوا ایک سونٹا تھا جسے میں نے کمر سے باندھ رکھا تھا ۔ اللہ کے بھروسے پر ہم تینوں ایک قطار میں اسکول سے روانہ ہوئے ۔ یہ راستہ تقریباً ایک فرلانگ کھیتوں کے بیچ سے گذرتا ہوا اسٹیشن پر پہنچتا تھا ہمیں اس دروازے سے گذرنا تھا جہاں مسافر گاڑی سے اترنے کے بعد بابو کو ٹکٹ دے کر باہر جایا کرتے ہیں ۔ ہم بڑے رعب داب کے ساتھ اکڑتے ہوئے اسٹیشن پر پہنچے ۔ ہمارے چہروں پر گھبراہٹ ، پریشانی یا خوف کے آثار بالکل نہ تھے بلکہ ہمارے چہرے پررعب اور آنکھیں سرخ تھیں دل جذبہ جہاد سے سرشار تھے ۔ ہم نے دیکھا گیٹ پر تین ہندو طلباء کھڑے ہیں اور انہوں نے گیٹ کو روکا ہوا ہے اور باقی ستر اسی لڑکے مسافر خانے سے باہر سڑک کے کنارے ہاکیاں لئے ہوئے قطار بنائے کھڑے ہیں ۔ ہم بالکل خوف زدہ نہ ہوئے بلکہ اسی طرح دندناتے اور مارچ کرتے ہوئے تینوں نوجوانوں کے بالمقابل پہنچ گئے ۔ ہماری فارمیشن میں کوئی فرق نہیں آیا ۔ میں

چونکہ سب سے آگے تھا اس لئے میں نے گیٹ پر پہنچتے ہی درمیان والے ہندو لڑکے کے سینے پر اس زور سے گھونسہ مارا کہ وہ زمین پر گر پڑا ۔ اس کے گرتے ہی اس کے دونوں ساتھی بھی گیٹ چھوڑ کر بھاگ گئے ۔ اور ہم تینوں قطار بنائے ہو گرے ہوئے لڑکے لچھمن داس کو روندتے ہوئے گیٹ پار کر گئے ۔ باہر جس سڑک سے ہمیں گذرنا تھا وہاں ستر اسی ہندو تھے ۔ ہم نے اسی حالت میں جبکہ ہماری کل تعداد تین تھی اور ہمارے حریف ستر اسی کے لگ بھگ تھے بھڑوں کے اس چھتے کو چھیڑنا قرین مصلحت نہیں سمجھا حالانکہ میرے دونوں ساتھی میرے اشارے کے منتظر تھے ۔ غیر مسلم لڑکے اپنے لیڈر یا یوں کہئے اپنی فوج کے سردار کے گرجانے اور روندے جانے سے اس قدر مرعوب ہوئے کہ انہیں ہم پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں ہوئی ۔ ہم دندناتے ہوئے اور نہایت پروقار اور فاتحانہ انداز میں مارچ کرتے ہوئے ان کے سامنے سے گذر گئے ۔ اسٹیشن سے کوئی ڈیڑھ فرلانگ کے فاصلے پر پولیس اسٹیشن تھا ، اب ہم محفوظ تھے لہذا وہاں جا کر رک گئے ۔ ہم نے دیکھا کہ سب لڑکے منتشر ہو رہے ہیں اور ایک دوسرے کو موردِ الزام ٹھہرا رہے ہیں ۔ ان لڑکوں میں اکثریت بورڈرز کی تھی وہ بورڈنگ ہاؤس کی طرف چلے گئے ۔ ان میں سے پندرہ بیس طلباء شہر کے رہنے والے تھے ۔ ان کا راستہ گھاس منڈی سے گذرتا تھا ۔ ہم نے منصوبہ بنایا کہ دوڑ لگا کر ان لڑکوں کو گھاس منڈی میں گھیر لیا جائے اور انہیں مسلم طلباء کے خلاف نبرد آزمائی کی سزا دی جائے ۔ چنانچہ ہم تینوں دوڑتے ہوئے دوسرے راستے سے گھاس منڈی پہنچ گئے ۔ ان میں ایک لڑکا گنگا رام بڑا جسیم اور قدآور تھا وہ جن سنگھ کے اکھاڑے میں ورزش کیا کرتا تھا ۔ میرے ساتھیوں نے مجھ سے کہا کہ اس لڑکے کو آپ قابو کر لیں اور باقیوں کو ہم سنبھال لیں گے ۔ چنانچہ جونہی ہندو لڑکے گھاس منڈی سے گذرنے لگے ہم ان پر پل پڑے ۔ گنگا رام کو میں نے پیچھے سے آدبوچا اور اڑنگی لگا کر زمین پر دے مارا ۔ اس کے سینے پر سوار ہو گیا ۔ میرا ایک ہاتھ اس کے سینے

پر تھا اور دوسرے ہاتھ سے چہرے پر گھونسے مار رہا تھا۔ نذیر میرا ساتھ لیے ہوئے تھا اور ذوالفقار علی گنے والے کی دکان سے ایک گنا اٹھا لایا تھا۔ وہ دونوں ہندو لڑکوں کو پیٹ رہے تھے۔ گنگا رام نیچے پڑا ہوا چلا رہا تھا۔ اتنے میں لوگ جمع ہو گئے۔ انہوں نے ہمیں الگ کر کے ہماری لڑائی ختم کرادی۔ ہم فتح کا پرچم اڑاتے ہوئے خوشی خوشی گھر آگئے۔ یہ بہت بڑا معرکہ تھا جو ہم نے سر کیا۔ اگلے روز ہندو طلباء نے ہیڈ ماسٹر صاحب سے شکایت کی کہ فلاں فلاں لڑکوں نے انہیں پیٹا ہے۔ چنانچہ ہیڈ ماسٹر صاحب کے پاس ہماری پیشی ہوئی۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا "مولوی صاحب کل تو آپ مجاہد بن گئے۔ سنا ہے بڑا جہاد کیا۔" میں نے نہایت ادب سے عرض کیا کہ "جناب اس میں ہماری کوئی زیادتی نہیں تھی۔ اسی پچاسی ہندو سکھ لڑکے ہاکیوں سے مسلح ہو کر ہم پر حملہ آور ہوئے ان میں اکثریت بورڈرز کی تھی یہ لڑکے اسٹیشن پر ہمارا راستہ روک کر کھڑے ہوئے۔ آپ خود ہی غور فرمائیے کہ تین نہتے لڑکے ستر پچھتر مسلح لڑکوں پر کیسے حملہ آور ہو سکتے ہیں۔ ہم بھلا انہیں کیا پیٹتے۔ ہمیں تو خود اپنی جانوں کے لالے پڑے ہوئے تھے۔ ہمیں اپنی جانیں بچانے کے لئے اس وقت جو بھی طریقہ سمجھ میں آیا اختیار کیا اور بڑی مشکل سے اپنی جانیں بچا کر نکل گئے۔ جو لڑکے ہم پر حملہ آور ہوئے تھے ہم ان سب لڑکوں کے نام بتا سکتے ہیں۔ آپ ان سے خود تصدیق کر لیجئے۔" جب ہیڈ ماسٹر صاحب نے یہ سنا کہ ستر پچھتر ہندو سکھ طلباء کو جو ہاکیوں سے مسلح تھے تین مسلمان لڑکے بھگا کر خود صحیح سلامت نکل گئے تو وہ خود ہماری جرأت اور دلیری پر حیران و ششدر رہ گیا اور اپنی قوم کے نوجوانوں کی بزدلی پر دل ہی دل میں شرمندہ ہوا۔ انہوں نے ہمیں معمولی سی سرزنش کے بعد کلاسوں میں واپس بھیج دیا۔ اور ان ہندو سکھ طلباء کو بلا کر نہ صرف بہت شرمندہ کیا بلکہ خوب ڈانٹا پھٹکارا۔ اس واقعے کے بعد کسی ہندو، سکھ لڑکے یا استاد کی کسی مسلمان لڑکے کو ناجائز طور پر تنگ کرنے کی پھر ہمت نہ ہوئی۔ اس سارے

واقعے کی تفصیلات سن کر مسلم اساتذہ بہت خوش ہوئے اور انہوں نے ہمیں گھر بلا کر خوب داد دی۔

ایک چوہے نے ہندوؤں کا جلسہ درہم برہم کر دیا

اسی فرقہ وارانہ کشمکش کے دوران ایک بڑا دلچسپ واقعہ رونما ہوا جس کا یہاں ذکر کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ ایک دن رات کے آٹھ بجے چوک بازار میں ہندوؤں کا بہت بڑا جلسہ منعقد ہو رہا تھا۔ جلسہ گاہ میں تقریباً چار پانچ ہزار ہندو جمع تھے۔ ہندو نیتا دھواں دھار تقریریں کر رہے تھے جن میں ہندوؤں کو مذبح تعمیر کرنے کے سوال پر مرنے مارنے کے لئے اکسایا جا رہا تھا۔ بڑے زور دار نعرے بلند کئے جا رہے تھے۔ پرتھوی راج اور دوسرے ہندو راجاؤں اور حکمرانوں کی بہادری کی داستانیں بیان کر کے یہ ثابت کیا جا رہا تھا کہ ہندو قوم بڑی دلیر اور بہادر قوم ہے۔ ان کے سورماؤں نے بڑے بڑے یدھ فتح کئے ہیں۔ میں بھی چند ساتھیوں کے ساتھ بھیس بدل کر اس جلسے میں شریک تھا تا کہ ہندوؤں کے اصل عزائم کا پتہ لگ سکے ایک ہندو لیڈر بڑی جوشیلی تقریر کر رہا تھا۔ وہ مقرر ابھی ہندو جاتی کے بہادری کے کارنامے بیان کر رہا تھا کہ ساتھ والی دکان سے ایک موٹا سا چوہا نکل کر مجمع میں گھس گیا۔ لوگ بدکے۔ کچھ لوگ گھبراہٹ میں کھڑے ہو گئے۔ جب اگلے حصے کے لوگ کھڑے ہوئے تو پیچھے کے لوگوں کو تشویش ہوئی کہ جما جمایا مجمع آخر کیوں کھڑا ہو گیا عوامی نفسیات کے زیر اثر وہ بھی گھبراہٹ میں کھڑے ہو گئے اور بلند آواز سے کہہ دیا۔ حملہ ہو گیا ہے۔ مسلمانوں نے حملہ کر دیا ہے۔ حملے کا نام سنتے ہی بھگدڑ مچ گئی۔ افراتفری کے عالم میں کسی کی ٹوپی گر گئی، کسی کی چپل یا جوتا پاؤں سے نکل گیا۔ اس بھگدڑ میں متعدد بوڑھے اور کمزور افراد نیچے گر کے کچل گئے۔ آناً فاناً پورا جلسہ تتر بتر ہو گیا۔ جب چوک خالی ہو گیا تو چند ایک سنجیدہ قسم کے لیڈروں نے تحقیقات کی

تو پتہ چلا کہ حملہ وملہ کچھ بھی نہیں ہوا۔ ایک موٹا سا چوہا اچانک دکان سے نکل کر جلسہ گاہ میں آگیا تھا۔ اس چوہے کی وجہ سے سارا جما جمایا مجمع درہم برہم ہو گیا۔ وہ لوگ بڑے نادم ہوئے اور جب ہم نے اس واقعے کی رپورٹ مسلمانوں کو پہنچائی تو وہ بہت خوش ہوئے۔ ہندوؤں کی بزدلی اور بدحواسی کی یہ داستان مسلمانوں میں مشہور ہو گئی۔ اس واقعے سے مسلمانوں کے حوصلے بہت بلند ہو گئے۔

میری مالی امداد اور حوصلہ افزائی

سالانہ امتحان ہوا۔ میری محنت پھل لائی۔ میں اچھے نمبروں سے کامیاب ہوا۔ دونوں سکشنوں کے اٹھارہ مسلم طلباء میں سے صرف بارہ مسلم طلباء کامیاب ہوئے۔ کل بیاسی ہندو مسلم طلباء میں سے صرف پچھتر پاس ہوئے۔ میں ترقی پا کر دسویں جماعت میں آگیا۔ دسویں جماعت میں آنے کے بعد میں مسجد کی ذمے داریوں سے سبکدوش ہو گیا اپنا زیادہ وقت اور توجہ تعلیم پر مرکوز کردی۔ البتہ اخراجات پورے کرنے کے لئے تعطیلات کے دوران کبھی کبھی مزدوری کر لیتا تھا لیکن کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانا پسند نہیں کرتا تھا۔ میں نے یتیمی کے زمانے میں سنتِ انبیاءؑ کے مطابق لوگوں کی بکریاں چرانا پسند کیا، کبھی مزدوری کرلی، کبھی جھاڑی لگالی لیکن بھیک مانگنا گوارا نہ کیا۔

دسویں جماعت نہایت سکون اور خوش اسلوبی سے پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ کوئی ہنگامہ یا ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا۔ شہر اور اسکول کی فضا بھی پرسکون ہو چکی تھی۔ البتہ اس زمانے میں مالی دشواریوں کا سامنا ضرور رہا۔ اسی دوران میں چوہدری عبدالستار صاحب مرحوم (اللہ انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے) اسلامیہ مڈل اسکول میں شرکت کے لئے فاضلکا تشریف لائے اور میری رہنمائی اور حوصلہ افزائی فرماگئے۔ انہوں نے اپنے دوستوں کو مشورہ دیا کہ جو چندہ ہمیں جلسے میں اسکول کے

لئے دینا ہے اسے اسکول میں دینے کی بجائے عطاالٰہی کو دے دیا جائے تاکہ اس کی دسویں جماعت کا سال سکون و اطمینان سے گذر جائے اور مالی پریشانیوں سے محفوظ ہو کر وہ اپنا سارا وقت یکسوئی سے تعلیم حاصل کرنے پر صرف کرکے امتحان میں نمایاں کامیابی حاصل کرے۔ چنانچہ سارے دوستوں نے ان کا یہ مشورہ مان لیا جس کی وجہ سے میری اتنی مالی امداد ہو گئی کہ مجھے محنت مزدوری پر وقت صرف کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور چوہدری عبدالستار کی بدولت میٹرک کے امتحان منعقدہ مارچ سنہ ۱۹۲۹ء میں اچھے نمبروں سے کامیاب ہوا۔

ہیڈ ماسٹر کے بارے میں میرا تصور

جب میں اسکول کا طالبِ علم تھا تو ہیڈ ماسٹر کو ایک بڑا آدمی تصور کرتا تھا۔ ان کے مقابلے میں سارے افسروں کو حقیر سمجھتا تھا۔ میری نظر میں ہیڈ ماسٹری کا منصب معزز ترین منصب تھا۔ چنانچہ میں نے اپنے دل میں پختہ ارادہ کر لیا کہ تعلیم مکمل کرنے کے بعد میں ہیڈ ماسٹر بنوں گا۔ میں نے اس منصب کے حصول کے لئے اپنے آپ کو اہل بنانے کے لئے ساری مطلوبہ قابلیت اور اہلیت اپنے اندر پیدا کرنے کا مصمم ارادہ کرلیا۔

میں میٹرک کے بعد تعلیم کا سلسلہ جاری رکھنا چاہتا تھا حالانکہ بے سر و سامان بے سہارا اور بے وسیلہ تھا۔ ظاہری اسباب و وسائل سے محروم تھا لیکن میرا ارادہ غیر متزلزل، یقین پختہ اور عزم پیہم تھا۔ مجھے اس بات پر پورا یقین تھا کہ جس کارساز نے میٹرک تک وسائل مہیا کئے ہیں، اسباب پیدا کئے ہیں اور راہیں کھول دی ہیں، شدائد و مشکلات پر قابو پانے کی صلاحیت، ہمت اور عزم و حوصلہ بخشا ہے۔ وہ حی و قیوم ہے، زندہ ہے، زندگی بخشنے والا ہے، قائم و دائم ہے اور نظامِ کائنات چلانے والا

اور برقرار رکھنے والا ہے ، وہ اعلیٰ تعلیم کے لئے یقیناً راہ ہموار کرے گا ، مجھے روشنی دکھائے گا اور میری راہبری فرمائے گا ۔ دن رات انہیں خیالات میں غرق رہتا ۔ بالآخر ایک روز اپنا بوریا بستر باندھ کر اور چھوٹی بہن کو ساتھ لے کر اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر جو بڑا مسبب الاسباب ہے عزم صمیم کے ساتھ فیروزپور روانہ ہو گیا کیونکہ اس زمانے میں فاضلکا میں کوئی کالج نہیں تھا ۔

تحصیلی مرکز سے نکل کر ضلعی مرکز میں داخل ہوا ۔ تنگ فضا سے نکل کر وسیع فضا میں سانس لی ۔ بستی دہاڑیاں والی میں اپنے مربی و محسن چوہدری عبدالستار صاحب سابق ہیڈ ماسٹر اسلامیہ مڈل اسکول فاضلکا کی قدم بوسی کی ۔ وہ بڑی شفقت سے مجھ سے بغل گیر ہوئے ۔ سر پر دستِ شفقت پھیرا ۔ چھوٹی بہن کو بیگم صاحبہ کے سپرد کیا اور مجھے اپنی تربیت میں لے لیا ۔

موپلا قوم کے مصیبت زدگان کے لئے امدادی ادارے

جنوبی ہند میں ایک صوبہ مالابار ہے ۔ کسی زمانے میں عرب تاجر اسی علاقے سے تجارت کیا کرتے تھے ۔ یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث پر عمل کرتے تھے ۔ بلغو عنی ولوکان ایۃ اگر میری طرف سے ایک آیت بھی تمہاری طرف پہنچے تو اسے آگے پہنچادو ۔ لوگوں میں پھیلا دو ۔ چنانچہ یہ عرب تاجر مبلغ بھی تھے یہ لوگ تجارت کے ساتھ اسلام کی تبلیغ بھی کرتے تھے کچھ عرب تاجر مالابار میں آباد ہو گئے اور خاموشی سے تبلیغ بھی کرتے رہے ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مالابار کی کثیر آبادی نے اسلام قبول کر لیا ۔ چونکہ ہندوستان پر انگریزوں کے غلبے اور تسلط سے پہلے ہندوستان کے مختلف علاقوں پر مسلمان حکمران تھے نیز ہندوستان کے مشرق میں مسلمان ممالک افغانستان ، ایران ، ترکی اور عربستان وغیرہ واقع تھے اس لئے انگریزوں کو یہ خدشہ تھا کہ ہندوستان کے مسلم حکمرانوں کی پسپائی کے باوجود مسلم عوام انگریزوں کی غلامی کا طوق پہننا پسند نہیں کریں گے آج نہیں تو کل وہ ان کے خلاف علم بغاوت بلند کرتے رہیں گے ۔ اس کے برعکس ہندوستان کی ہندو آبادی نے جو بھاری اکثریت میں تھی اور اس نے انگریزی تعلیم حاصل کرنا اور ان کے طور طریقے اختیار کرنا شروع کر دیئے تھے ، انگریز حکمرانوں سے میل جول بڑھایا یوں کہئے کہ انگریزوں اور ہندوؤں نے مسلمانوں کے خلاف گٹھ جوڑ کر لیا ۔ مالابار میں عرب تاجروں کی تبلیغی کوششوں کے نتیجے میں ہندوؤں کی بہت بڑی تعداد دائرۂ اسلام میں آجانے کی وجہ سے ، انگریزوں اور ہندوؤں کو اپنے اپنے مفادات خطرے میں نظر آنے لگے اور ان دونوں نے مل کر مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کرنا شروع کر دیا ۔ جب انگریزوں اور ہندوؤں کی مسلمانوں کے خلاف سرگرمیاں حد سے بڑھ گئیں بلکہ ناقابل برداشت ہو گئیں تو وہاں کی موپلا قوم نے تنگ آمد بجنگ آمد کے مصداق

علم بغاوت بلند کر دیا ۔ انہوں نے دشمن کو کافی نقصان پہنچایا مگر وسائل اور افرادی قوت کی کمی کی وجہ سے بالآخر مغلوب ہو گئے ۔ بیشتر نوجوانوں نے جام شہادت نوش کیا ۔ سینکڑوں بچے یتیم اور لاوارث ہو گئے ۔ جب یہ بغاوت دب گئی اور صوبے میں امن و امان قائم ہو گیا تو ہندوستان کے مختلف صوبوں سے اسلام کے شیدائی مسلمان وہاں پہنچے ۔ موپلا قوم کی تباہی اور بربادی کا منظر دیکھ کر ان کے دل خون کے آنسو رونے لگے ۔ انہوں نے بدحال موپلا قوم کے مسلمانوں ، لاوارث اور یتیم بچوں اور بیوگان کی امداد اور بحالی کے لئے ادارے قائم کئے ، مدرسے اور یتیم خانے کھولے ۔ پنجاب سے بھی مسلم مشنری وہاں پہنچے ۔

عبدالقادر بیرسٹر کے خاندان کی ملی خدمات

قصور میں حضرت مولانا عبدالقادر صاحب بیرسٹر کا خاندان آباد تھا ۔ ان کے پاس دنیا کا جاہ و حشم بھی تھا اور یہ دین کی دولت سے بھی مالا مال تھا ۔ حضرت مولانا عبدالقادر ، ہندوستان کے چوٹی کے وکلاء میں شمار ہوتے تھے ۔ تبلیغ کا سلسلہ بھی جاری تھا اور ملکی سیاست میں بھی بھرپور حصہ لیتے تھے ۔ ملک کو انگریز کی غلامی سے آزاد کرانے کی ہر تحریک میں نہ صرف پیش پیش رہے بلکہ ہمیشہ قائدانہ کردار ادا کیا ۔ پنجاب کانگریس کے صدر رہے ۔ مولانا کے چار بیٹے تھے اور چاروں خداداد قابلیت کے مالک تھے ۔ یہ خاندان عقیدے کے لحاظ سے اہلحدیث تھا ۔ مولانا کے سب سے بڑے بیٹے مولوی محمد علی کینٹب تھے ۔ کراچی میں وکالت کے ساتھ ساتھ قرآن حکیم کا بھی درس دیا کرتے تھے ۔ دوسرے بیٹے کا نام محمد عبداللہ تھا ۔ وہ عالم فاضل ہونے کے ساتھ ساتھ تاجر چرم بھی تھے اور امرتسر میں رہائش پذیر تھے ۔ درس قرآن و حدیث ان کا محبوب مشغلہ تھا ۔ تیسرے بیٹے کا نام محی الدین تھا ، یہ بھی پائے کے عالم تھے ۔ ان کی سورۂ فاتحہ کی تفسیر پڑھنے کے قابل ہے ۔ اصلاح اور دعوتِ اسلام ان کی زندگی

کا خاص مشن تھا اور چوتھے بیٹے کا نام محمود علی قصوری ہے جو آج کل پاکستان کے مانے ہوئے بیرسٹر ہیں ۔ ان میں سے حضرت مولانا محی الدین صاحب مالابار تشریف لے گئے ۔ انہوں نے وہاں ایک مدرسہ قائم کیا ۔ یتیم خانہ کھولا ۔ چونکہ یتیم اور لاوارث بچوں کی تعداد بہت زیادہ تھی ۔ اس لئے ہندوستان کے دیگر صوبوں کے یتیم خانوں میں بھی موپلا یتیم بچے بھجوائے ۔ لاہور میں انجمن حمایت اسلام کے یتیم خانے میں کافی تعداد میں یتیم بچے بھجوانے کا انتظام کیا ۔ علاوہ ازیں متمول اور دردِ دل رکھنے والے مسلمان زمینداروں ، کارخانہ داروں اور سرمایہ داروں کے پاس بھی دو دو چار چار یتیم بچے تعلیم اور پرورش کے لئے بھیجے گئے ۔ چنانچہ انہوں نے موپلا قوم کے تین یتیم بچے چوہدری عبدالستار صاحب سابق ہیڈ ماسٹر کے پاس بھی بھیجے ۔ ان میں سے ایک کا نام محمد حسن تھا ، دوسرے کا نام محمد عبداللہ اور تیسرے بچے کا نام غالباً عبدالرزاق تھا ۔ تینوں بچے مڈل پاس تھے ۔ چوہدری صاحب نے انہیں پہلے تو اردو لکھنا ، پڑھنا اور بولنا سکھایا اور پھر انہیں گورنمنٹ ہائی اسکول فیروز پور میں نویں جماعت میں داخل کرا دیا ۔ یہ بچے بڑے ذہین تھے اس لئے جلد ہی اپنی صلاحیتوں کے جوہر دکھانے لگے ۔ چوہدری صاحب نے انہیں اپنی بیٹھک میں ٹھہرایا ہوا تھا ۔ ان کے تمام اخراجات کے خود کفیل تھے ۔ مجھے بھی ان کے ساتھ ٹھہرا دیا گیا ۔

فیروز پور میں صرف ایک انٹر کالج تھا ۔ یہ کالج وہاں کی دیو سماج جماعت کے زیر انتظام تھا ۔ کالج کے پرنسپل پی ۔ وی کنل تھے جو دیو سماج کے صدر بھی تھے ۔ میں نے چند دنوں ہی میں اپنی لگاتار محنت اور قابلیت سے پرنسپل صاحب کو عملاً یقین دلا دیا کہ میں کالج کی طرف سے ہر رعایت کا مستحق ہوں ۔ چنانچہ میری پوری فیس معاف کر دی گئی ۔ میرے ضمیر نے یہ بھی گوارا نہ کیا کہ میں چوہدری صاحب پر مستقل بار بنا رہوں ۔ اس لئے میں نے ان سے درخواست کی کہ وہ مجھے کوئی جزو وقتی کام دلا دیں ۔ چوہدری صاحب پورے شہر میں نہایت معزز ، باثر اور ہر دلعزیز تھے

اسی لئے ان کی وجہ سے مجھے ایک بنک میں جزووقتی کلرک کی جگہ مل گئی ۔ میں وہاں بالعموم دو گھنٹے روزانہ اور کبھی کبھی ایک ہی گھنٹے میں اپنا کام مکمل کر لیتا تھا ۔ اس کام کے مجھے پچاس روپے ماہانہ ملتے تھے ۔ اس رقم میں سے دس روپے اپنے پاس رکھ لیتا تھا اور باقی رقم چوہدری صاحب کے حوالے کر دیتا تھا ۔ اس طرح فیروز پور آکر بھی میں خود کفیل ہو گیا ۔

ریٹائرمنٹ کے بعد چوہدری صاحب کی ملی خدمات

عام طور سے لوگ ملازمت سے ریٹائر ہونے کے بعد بقیہ زندگی آرام و سکون سے گذارنے کی کوشش کرتے ہیں ۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں دل بیدار اور دیدۂ بینا دیا تھا ۔ ملک و ملت کی خدمت کا جذبہ ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا ۔ ملازمت کے فرائض سے بحسن و خوبی سبکدوش ہونے کے بعد وہ پہلے سے زیادہ فعال اور سرگرم عمل ہو گئے ۔ اب وہ آزادی سے قومی و ملی خدمات انجام دینے میں مصروف ہو گئے ۔ انہوں نے بڑے جوش و خروش اور سرگرمی سے اصلاحی ، سماجی ، تبلیغی اور سیاسی تحریکیں شروع کیں ۔ وہ مجھے ان تمام تحریکوں میں ساتھ رکھتے تھے ۔ وہ ہم چاروں طلباء کو قرآن مجید کا ترجمہ بتایا کرتے تھے ۔ سب سے پہلے انہوں نے ہمیں سورۂ فاتحہ ، سورۂ بقرہ ، سورۂ المفلحون اور سورۂ لقمان کا ترجمہ پڑھایا اور ان کے مطالب ذہن نشین کرائے ۔ اس کے علاوہ وہ ہمیں مشاہیر اسلام اور دنیا کے بڑے بڑے قائدین کے حالاتِ زندگی اور ان کے کارناموں پر مبنی کتابیں مطالعے کے لئے فراہم کیا کرتے تھے ۔ سیرت کے جلسوں کا اہتمام کیا کرتے تھے ۔ مسلمانوں کو تجارت کا شوق دلا کر قوم کی اقتصادی حالت سدھارنے کی عملی کوشش کرتے تھے ۔ ان کی زندگی کے اہم مقاصد میں آئمۂ مساجد کی اصلاح ، مشرکانہ رسوم کی بیخ کنی ، تعلیم نسواں کا فروغ ، مسلمانوں میں سیاسی بیداری اور انگریزوں اور ہندوؤں کی غلامی سے آزادی شامل تھے ۔ ان

مقاصد کے حصول کے لئے وہ ہمیں بطور رضاکار اور کارکن استعمال کیا کرتے تھے ۔

کالج میں میری سرگرمیاں

رام سکھ داس کالج میں پرنسپل صاحب پہلا پیریڈ نیتی کا لیا کرتے تھے ۔ اس پیریڈ میں وہ اپنے مشن کی تبلیغ کیا کرتے تھے ۔ دیو سماج خدا کو نہیں مانتے اس لئے اس پیریڈ میں وہ طلباء کو اللہ تعالیٰ کے وجود سے منحرف کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتے تھے ۔ مجھے کفر و الحاد کی تبلیغ سخت ناگوار گذرتی ۔ میں ان کی تقریر کے دوران میں اعتراضات کی بوچھاڑ شروع کر دیتا ۔ میں نے بعض ہندو اور سکھ طلباء کو بھی اپنا ہمنوا بنالیا تھا اور اس طرح ہم نے ایک محاذ بنا لیا تھا ۔ وہ جب بھی اللہ تعالیٰ کے وجود کے خلاف اپنی تقریر شروع کرتے ، ہم چاروں طرف سے ان کے دلائل کو رد کرنا شروع کر دیتے اور اس طرح سارا پیریڈ بحث مباحثے ہی میں ختم ہو جاتا ۔ پرنسپل صاحب کی عمر پچاس سال سے زیادہ تھی ۔ داڑھی اور مونچھیں بھی تھیں ۔ وہ اپنے مذہب کے زبردست پرچارک تھے ۔ ہمیں فلسفہ اور نفسیات (سائیکالوجی) بھی پڑھاتے تھے ۔ وہ میری محنت اور صلاحیتوں کی بہت زیادہ تعریف و توصیف کرتے تھے ۔ خدا جانے وہ میری تعریف دل سے کرتے تھے یا مجھے رام کرنے اور اپنا ہمنوا بنانے کے لئے کرتے تھے ۔ وہ چاہتے تھے کہ میں نیتی کے پیریڈ میں اعتراضات کرنے سے باز رہوں اور اس مقصد کے لئے وہ ترغیب و ترہیب کے حربے استعمال کیا کرتے تھے لیکن وہ اپنی اس کوشش میں کبھی کامیاب نہ ہو سکے ۔

ہمارے اساتذہ میں قاضی احمداللہ صاحب ، جو ہمیں عربی پڑھایا کرتے تھے ، بڑے عالم فاضل پروفیسر تھے ۔ کالج میں درس و تدریس کے علاوہ مسجدِ اہلحدیث میں قرآن کریم کا درس بھی دیا کرتے تھے اور اپنے شاگردوں میں اسلامی روح اور جذبہ پیدا کرنے کی سعیٔ بلیغ فرماتے تھے ۔ اب وہ مرحوم ہو چکے ہیں اللہ تعالیٰ جنت الفردوس

میں ان کو بلند درجات عطا فرمائے۔

اسٹوڈنٹس یونین کے اجلاس میں میری پہلی تقریر

چونکہ مجھے ریاضی سے دلچسپی نہیں تھی اس لئے ایک مہینے بعد میں نے یہ مضمون تبدیل کرلیا تھا۔ اب عربی، تاریخ اور فلسفہ میرے اختیاری مضامین تھے اور اردو اضافی مضمون تھا۔ کالج اسٹوڈنٹس یونین کا اجلاس مہینے میں ایک مرتبہ کالج ہال میں منعقد ہوتا تھا۔ پرنسپل صاحب خود اس اجلاس کی صدارت فرمایا کرتے تھے۔ کالج کو تعصب، تنگ دلی اور فرقہ وارانہ منافرت کی مسموم فضا سے پاک صاف کرنے کے لئے میں نے یونین کے دوسرے اجلاس میں ایک پرجوش اور ولولہ انگیز تقریر کی جسے بے حد پسند کیا گیا۔ میں نے اپنی تقریر میں اس حقیقت کو اجاگر کیا کہ "ہندوستان ہم سب کا وطن عزیز ہے۔ ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی اور پارسی سب ہندوستان کے باشندے ہیں اور مدت مدید سے اس ملک میں ایک دوسرے کے ساتھ رہتے چلے آرہے ہیں۔ یہی سرزمین ہمارا مسکن ہے اور اسی سرزمین کے لہلہاتے ہوئے کھیت، سرسبز و شاداب باغا[illegible] سب کو خوراک اور انواع و اقسام کے ثمرات فراہم کرتے ہیں۔ اسی مقدس دھرتی سے ہم سب اپنا تن ڈھانپتے اور خوش پوشاکی کے لئے حسب حیثیت رنگارنگ ملبوسات اور پارچہ جات حاصل کرتے ہیں۔ سرد و گرم زمانہ سے بچنے کے لئے، گرمیوں، سردیوں اور برسات میں آرام و سکون سے شب و روز گذارنے کے لئے مکانات تعمیر کرتے ہیں۔ اسی مقدس سرزمین کی فضا میں ہم آزادی سے سانس لیتے ہیں، یہاں پرورش پاتے اور پل کر جوان ہوتے ہیں ور مرنے کے بعد اسی سرزمین کا حصہ بن جاتے ہیں۔ پھر کیوں نہ ہم سب مل کر آپس میں بھائی بھائی بن کر رہیں۔ اپنے عزیز وطن کی ترقی اور خوشحالی کے لئے مل جل کر کام کریں۔ اسے دشمنوں کے دست برد سے محفوظ رکھیں۔ غیر ملکی لوٹ کھسوٹ سے

بچائیں۔ باہمی تعاون سے اپنے بے وسیلہ ہم وطنوں، غربت، افلاس، بیروزگاری، بھوک عریانیت، بیماریوں اور جہالت سے نجات دلائیں۔ انسان خواہ وہ ہندو ہو یا مسلمان، سکھ ہو یا پارسی، عیسائی ہو یا لامذہب ایک ہی طرح کا جسم لے کر، ایک ہی جیسے اعضاء لے کر عالم وجود میں آتا ہے۔ سب کو بھوک لگتی ہے، سب کو نیند آتی ہے اور سب کو چوٹ لگتی ہے تو تکلیف ہوتی ہے۔ قدرت نے پیدائشی لحاظ سے انسان انسان میں کوئی فرق نہیں رکھا۔ پھر یہ نفرت کیسی۔ پھر ہم نے تفریق کی بناوٹی دیواریں کیوں کھڑی کردی ہیں۔ آؤ تفریق کی بناوٹی دیواروں کو مسمار کردیں اور اپنے وطن میں شیر و شکر ہو کر زندگی گذاریں۔ ہندو اور مسلمان اپنی مادر وطن کے دو بڑے بیٹے ہیں۔ دنوں بھائی اپنی مادر وطن کی خدمت کرکے سپوت بن کر دکھائیں۔ محض مذہب کے اختلاف پر ایک دوسرے کے خلاف تلواریں سونت لینا کہاں کی دانشمندی ہے۔ کوئی مذہب عداوت نہیں سکھاتا، فتنہ و فساد پسند نہیں کرتا قتل و غارت اور لوٹ مار کی اجازت نہیں دیتا۔ بندوں کے حقوق غصب کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ بلکہ ہر مذہب امن و آشتی چاہتا ہے۔ پیار و محبت کے نغمے سناتا ہے انسانی خون کو مقدس جانتا ہے، رواداری، بردباری اور عفو و درگذر کی تعلیم دیتا ہے آؤ ہم اس تفریق کو ختم کرنے کا عہد کریں۔ اختلافات کو جڑ بنیاد سے مٹانے کا عزم کریں، حقارت و نفرت کی بجائے دلوں میں پیار و محبت اور امن و آشتی کا بیج بو کر اپنے ہم وطنوں کو پھر سے بھائی بھائی بنادیں"۔

میری تقریر کو پورے مجمع نے ہمہ تن گوش ہو کر سنا اور جب میں نے تقریر ختم کی تو پورا ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔ مجھ پر ہر طرف سے تعریف و تحسین کے ڈونگرے برسنے لگے۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس خراج تحسین کے جواب میں کیا کروں۔ ہمارے پرنسپل صاحب اتنا متاثر ہوئے کہ انہوں نے مجھے ہندو مسلم اتحاد کا علمبردار قرار دیا۔

سلطنتِ مغلیہ کازوال اور انگریزوں کی ریشہ دوانیاں

چوہدری عبدالستار صاحب مرحوم کی محبت اور رہنمائی نے مجھے اسلام کا شیدائی حضرت محمد صلعم کا پروانہ ، مطالعۂ اسلام کا شوقین ، امتِ مسلمہ کا ہمدرد اور تمام اصلاحی و فلاحی تحریکوں کا سرگرم موید بنا دیا تھا۔ میرے دل و دماغ میں آزادیٔ وطن کا جذبہ موجزن کردیا تھا۔ تاریخ کے مطالعے اور قومی و ملی جذبے کی بیداری کی وجہ سے میرے دل میں انگریزوں سے سخت نفرت پیدا ہو چکی تھی۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ ہندوستان کے مختلف علاقوں میں مسلمان حکمرانوں نے اپنے تقریباً ایک ہزار سالہ دورِ اقتدار میں نہ صرف ہندوستان کے مختلف علاقوں میں ترقی کی راہ ہموار کی ، زراعت و تجارت کو فروغ دیا ، بیابانوں اور صحراؤں کو زرخیز زرعی پیداوار کے علاقوں میں تبدیل کیا۔ تاج محل ، جامع مسجد دہلی ، دہلی کا لال قلعہ جیسی شاندار اور عجوبۂ روزگار عمارات تعمیر کیں ، لاہور کے شالیمار گارڈن جیسے باغات ملک کے مختلف علاقوں میں قائم کئے اور ہندوستان جو چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹا ہوا تھا ، عہدِ مغلیہ میں ایک متحد وسیع و عریض ملک بن گیا جس کی سرحدیں مشرق میں آسام سے لے کر مغرب میں افغانستان تک اور شمال میں کوہ ہمالیہ کے دامن سے لے کر جنوبی ہند تک پھیلی ہوئی تھیں۔ انگریزوں نے ، جو شہنشاہ جہانگیر کے دور میں تجارت کرنے کی غرض سے یہاں آئے تھے اور مغل شہنشاہوں نے انہیں تجارت کرنے کی اجازت دے دی تھی تجارت کے ساتھ ملک کی اس وقت کی سیاسی ، سماجی اور مذہبی صورتِ حال کا جائزہ بھی لیا۔ آخری مغل بادشاہوں کی نااہلی ، نااتفاقی ، درباری سازشوں اور ریشہ دوانیوں کا مطالعہ کیا اور ہندوستان میں تجارت کے بہانے اپنے قدم جمانے اور اپنی حکومت قائم کرنے کی سازشیں اور درپردہ کوششیں شروع کردیں۔ انگریزوں کی دیکھا دیکھی دوسری یوروپی اقوام جیسے فرانس ، پرتگال اور ہالینڈ وغیرہ نے تجارت

کے بہانے اپنے دامِ تزویر پھیلانا شروع کردیئے۔ ہندوستان کی آبادی کی اکثریت ہندوؤں پر مشتمل تھی انہوں نے بھی سر اٹھانا شروع کردیا۔ مغل شہنشاہیت کا شیرازہ بکھرتا دیکھ کر ہندوستان کے مختلف صوبیداروں نے دہلی کی حکومت سے آزادی حاصل کرنے کے لئے اپنے اپنے صوبوں میں اپنا اقتدار مستحکم کرنا اور مطلق العنان حکمران بننے کا تہیہ کر لیا۔ انگریز دوسری یوروپی قوموں کے مقابلے میں زیادہ چالاک اور عیار تھے اس لئے انہوں نے ہندوستان کے مختلف صوبوں کے خودسر حکمرانوں اور ہندو خودسر طالع آزماؤں کی کہیں درپردہ اور کہیں کھل کر حمایت کی اور اس طرح مغل شہنشاہیت کا شیرازہ بکھرا اور اس کے اقتدار کا سورج غروب ہونے لگا۔ انگریزوں کی ایسٹ انڈیا کمپنی اب صرف ایک تجارتی کمپنی نہیں رہ گئی تھی بلکہ ہندوستان میں اپنی حکومت قائم کرنے کے لئے کھل کر سرگرمِ عمل ہو گئی تھی۔ رفتہ رفتہ مغل شہنشاہ کی حکومت قلعۂ معلی تک محدود ہو کر رہ گئی اور بالآخر پورے ہندوستان پر انگریزوں کا تسلط ہو گیا۔ ہندوستان کے بعض صوبوں کے مسلمان حکمرانوں نے انگریزوں کے عزائم کا پوری طرح اندازہ کر لیا تھا اور انہوں نے انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگادی مگر مرہٹوں اور بعض مسلم حکمرانوں نے انگریزوں کا ساتھ دے کر مغل شہنشاہیت کے ٹمٹماتے ہوئے چراغ کو ہمیشہ کے لئے گل کردیا۔ جن مسلمان حکمرانوں نے انگریزوں کو ملک بدر کرنے کا بیڑا اٹھایا تھا ان میں میسور کے شیردل حیدر علی اور اس کے اولوالعزم بیٹے سلطان ٹیپو اور بنگال کے نواب سراج الدولہ کا سنہرے حروف میں نام لکھا جائے گا۔ حیدر علی نے جو ایک ان پڑھ لیکن نہایت جری اور ہوشمند حکمران تھا اور اس کے بیٹے سلطان ٹیپو نے انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے اور برصغیرِ ہند میں اسلامی سلطنت سنبھالا دینے کی مردانہ وار کوشش کی مگر نظام دکن اور مرہٹوں نے ان کا ساتھ نہ دیا اس کے برعکس انہوں نے انگریزوں کی حمایت و معاونت کی۔ میر صادق نے

انگریزوں سے ساز باز کر کے ٹیپو سلطان کی ساری مجاہدانہ کوششوں پر پانی پھیر دیا۔ بقول کسے " اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے "۔ جنوبی ہند کے شیر دل اور ہوشمند فرماں روا ٹیپو سلطان کو نظام دکن اور اس کے اپنے سپہ سالار نے غداری کر کے اور انگریزوں سے مل کر شہید کرا دیا۔ سلطان ٹیپو کا یہ قول بھی تاریخ میں سنہرے حروف سے لکھا ہوا ہے کہ " شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سو سال کی زندگی سے بدرجہا بہتر ہے "۔

ادھر بنگال میں بھی کچھ ایسا ہی واقعہ ہوا۔ بنگال میں مجاہدِ اسلام شیر بنگال نواب سراج الدولہ کو میر جعفر نے جو غالباً سراج الدولہ کا قریبی رشتے دار ہونے کے علاوہ اس کی فوج کا سپہ سالار بھی تھا انگریزوں سے مل کر غداری کی اور نواب سراج الدولہ کو شکست دلانے میں کلیدی کردار ادا کیا۔ ان دونوں غداروں کے بارے میں کسی شاعر نے یہ شعر کہا تھا

جعفر از بنگال و صادق از دکن
تنگِ ملت ، تنگِ دیں ، تنگِ وطن

چونکہ یہ شعر ہندوستان کے تمام محبِ وطن شہریوں کے دل کی ترجمانی کرتا تھا اس لئے زباں زدِ خاص و عام ہو گیا اور ضرب المثل کی حیثیت اختیار کیا گیا اور آج بھی ہر غدار ملک و ملتِ دیں کے خلاف یہ شعر بار بار دہرایا جاتا ہے۔ جب میں تاریخ میں مسلمانوں کے خلاف انگریزوں کی سازشوں ، ریشہ دوانیوں اور چیدہ دستیوں کی داستان پڑھتا تو ان کے خلاف میرا جذبۂ نفرت اور ابھرتا جاتا تھا۔ اس لئے برصغیر میں انگریز کے خلاف جو تحریک بھی اٹھتی تھی میں اس میں گہری دلچسپی لیتا تھا۔ آزادی کی جتنی تحریکیں شروع ہوئیں میں ان کا بغور مطالعہ کرتا۔ ہندوستان میں مسلم حکومت کے ختم ہونے کے بعد سے مسلم عوام و خواص میں احساسِ زیاں بیدار ہوا بلکہ بڑھنے

لگا۔ یہی وجہ تھی کہ مسلم حکومت کے خاتمے کے بعد سے کوئی نہ کوئی مسلم رہنما جماعت یا تحریک ، علی الاعلان یا زیرِ زمین سرگرمیوں کے ذریعے مسلمانوں کے کھوئے ہوئے وقار کو بحال کرنے میں سرگرم عمل رہی۔

سلطنتِ مغلیہ کے زوال کے اسباب

ایف ۔ اے میں تاریخ میرا اختیاری مضمون تھا ۔ چونکہ تاریخ میرا پسندیدہ موضوع تھا اس لئے میں نے تاریخ کی درسی کتابوں کے علاوہ خارج سے بھی تاریخ کا مطالعہ کرنا شروع کیا ۔ کتابوں کے علاوہ علمی جرائد میں جو تاریخی مضامین خاص طور سے مسلمانوں کی عمومی تاریخ اور برصغیر میں مسلم حکومتوں کی تاریخ کے بارے میں شائع ہوتے ہیں ان کا ضرور مطالعہ کرتا ۔ مجھے برصغیر میں مسلمانوں کے عروج و زوال کے اسباب و علل معلوم کرنے میں بہت زیادہ دلچسپی تھی ۔ چنانچہ تاریخ کی ورق گردانی کرنے کے بعد مجھے ہندوستان میں مسلمانوں کے زوال کے مندرجۂ ذیل اسباب معلوم ہوئے ۔

اورنگ زیب کی وفات کے بعد شاہی خاندان جانشینی کی جنگ میں الجھ کر کمزور ہو گیا ۔ شاہی خاندان کے بہت سے لائق اور قابل افراد ان جنگوں میں مارے گئے ۔ ان کے علاوہ بے شمار آزمودہ کار سپاہی بھی انہیں خانہ جنگیوں کا شکار ہوئے ۔ ملک کا نظم و نسق درہم و برہم ہو گیا ۔ اخلاقی انحطاط شروع ہو گیا ۔ امرائے سلطنت اور کار پردازان حکومت فرائض منصبی کی انجام دہی سے غافل ہوگئے ۔ رشوت کا بازار گرم ہو گیا ، نظام عدل و انصاف کے تار و پوز بکھر گئے اور نظم و ضبط مفقود ہو گیا ۔ جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا نظریہ سکۂ رائج الوقت بن گیا ۔ معاشرے میں ابتری پھیل گئی ۔ فتنہ و فساد عام ہو گیا ، امن و امان غارت ہو گیا اور مرکز روز بروز کمزور سے کمزور تر ہوتا چلا گیا ۔ صوبے دار خود سر اور مطلق العنان بنتے چلے گئے ، مرکز سے ان کی وابستگی برائے نام رہ گئی ۔ لوگ محنت سے جی چرانے لگے اور عیش و عشرت میں ڈوب گئے ۔ کسی زمانے میں حکمرانوں کی جفاکشی کا یہ عالم تھا کہ سلطنتِ مغلیہ کے بانی بابر نے تمام دریاؤں کو تیر کر عبور کیا تھا اور اس کے پوتے اکبر اعظم نے

گجرات کی شورش کو دبانے کے لئے راجپوتانہ کے لق و دق صحرا کو اونٹنی پر بیٹھ کر عبور کیا تھا اور اب تن آسانی اور عیش کوشی کا یہ عالم تھا کہ سپہ سالار پالکیوں میں بیٹھ کر میدان جنگ میں جانے لگے ع

ببیں تفاوتِ رہ از کجا ست تا بکجا

رفتہ رفتہ جفاکشی ، جانبازی اور جہاد کا جذبہ روز بروز سرد پڑتا گیا ۔ کام کرنے کی لگن کم ہوتی چلی گئی ، لیاقت اور محنت سے کام کرنے کا جذبہ مفقود ہو گیا ۔ بادشاہ ، وزراء و دیگر امراء و اعیان سلطنت عیش پسند ہوتے چلے گئے ۔ عمائدین سلطنت و اعیان مملکت نیز وزراء اور دیگر اعلیٰ عہدیداروں حتیٰ کہ سپہ سالاران فوج کی صلاحیتوں اور اعلیٰ کارکردگی کو سامان تعیش کی فراوانی اور عیش و عشرت کی عادتوں کی وجہ سے زنگ لگتا چلا گیا ۔ سپاہی سے لے کر سالارِ لشکر تک سبھی لڑائیوں سے گھبرانے لگے ۔ بڑھتے ہوئے معیارِ زندگی کو برقرار رکھنے بلکہ اس میں مزید اضافہ کرنے کے لئے امراء و عمائدین سلطنت بدعنوانیوں کے مرتکب ہونے لگے ۔ ان سے کوئی پوچھ گچھ کرنے والا یا ان کا احتساب کرنے والا باقی نہ رہا ۔ بدعنوانیاں اور خود غرضیاں اتنی بڑھ گئیں کہ ملک و ملت سے غداری امراء ، رؤسا اور عمائدین سلطنت و اعیان ریاست کا شیوہ بن گیا ۔ خواص سے لے کر عوام تک اسلامی جذبے اور روح سے عاری ہوتے چلے گئے ۔ نتیجتاً ہندوانہ رسوم مسلم معاشرے میں گھر کرتی چلی گئیں ۔ مسلم معاشرے سے اسلامی روح مفقود ہو گئی ۔ جہاد ، ایثار اور جاں فشانی کی جگہ تن آسانی جاہ و منصب پرستی اور دونوں ہاتھوں سے دولت سمیٹنے کی خواہش نے لے لی ۔ کسی بھی قوم و ملک کی تباہی کا بنیادی سبب اسی قسم کا طرزِ فکر و عمل ہوتا ہے ۔

مغلوں کے آخری دور میں فوج کے افسروں اور سپاہیوں میں عیاشی اور کاہلی عام ہو گئی تھی ۔ وہ سختیاں جھیلنے اور سخت کوشی کے عادی نہ رہے تھے ۔ مزید برآں

مغلوں نے سپاہیوں کو توپ خانے کے استعمال سے بے خبر رکھا لہذا عسکری قوت کمزور ہوتی چلی گئی ۔چونکہ مغل حکمرانوں کا سمندر پار کے ملکوں پر فوج کشی کرنے یا ان پر قبضہ کرنے کا ارادہ نہیں تھا اور نہ انہیں اب تک کسی بحری طاقت کی طرف سے بڑے خطرے کا اندیشہ تھا اس لئے انہوں نے بحری قوت بننے کی کبھی کوشش نہیں کی ۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ انہوں نے اس سلسلہ میں غفلت برتی جب کہ تاجروں کے روپ میں آنے والی یورپی طاقتیں نہ صرف جدید ترین ہتھیاروں سے لیس تھیں بلکہ بحری طاقتیں بن چکی تھیں ۔ علاوہ ازیں مسلمانوں میں علمی ترقی مسدود ہو کر رہ گئی ۔ وہ لکیر کے فقیر بنے رہے ۔ سائنس کے نئے نئے انکشافات اور ایجادات سے انہوں نے فائدہ نہیں اٹھایا اور نہ ان شعبوں میں کسی قسم کی پیش رفت کی ۔جب کہ یورپ صنعتی دور میں داخل ہو چکا تھا جس کی وجہ سے زندگی کے دوسرے تمام شعبوں کے علاوہ فنونِ جنگ اور آلاتِ حرب و ضرب میں انقلابی تبدیلیاں اور ایجادات و اختراعات ہونا شروع ہو گئی تھیں ۔نئے نئے آلاتِ حرب و ضرب وجود میں آ چکے تھے لیکن مسلمانوں کی فوج جدید سامانِ جنگ سے قطعی ناآشنا تھی ۔ دنیا کے دوسرے چھوٹے بڑے سمندروں کے علاوہ بحرِ ہند پر بھی یورپی ممالک کی بحریہ کا غلبہ تھا ۔

ان اسباب کی بنا پر برِ صغیر پاک و ہند میں اسلامی سلطنت پر زوال آتا چلا گیا اور انگریزوں کا تسلط برابر بڑھتا چلا گیا ۔ مختصر الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ نہ صرف مسلمان حکمران بلکہ بالعموم مسلمان عوام بھی عیش و عشرت کے عادی اور سخت کوشی ، جفاکشی اور جذبۂ جہاد سے عاری ہوچکے تھے ۔ حکیم الامت علامہ اقبالؒ نے اقوام و ملل کے عروج و زوال کے اسباب و عوامل کو کس خوبصورتی سے اس ایک [illegible] ہے ۔

میں تم کو بتاتا ہوں تقدیرِ امم کیا ہے
تلوار و سناں اول ، طاؤس و رباب آخر

ہندوستان میں مسلمانوں کے عروج و زوال پر حکیم الامت کا یہ شعر حرف بحرف صادق آتا ہے ۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ جہاد میں بقا اور عیاشی میں فنا کا راز مضمر ہے ۔یہی قرآن کریم کا اصول ہے اور یہی اسلام کی تعلیم کی روح ہے ۔

شاہ ولی اللہ کی تحریک

تاریخ کے مطالعے سے مجھ پر یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہوئی کہ اٹھارویں صدی میں پاک و ہند کے مسلمان ہر لحاظ سے کمزور ہو چکے تھے ۔ ان کا سیاسی اقتدار ختم ہو چکا تھا ۔ دوسرے مذاہب والوں سے میل جول سے مسلمانوں میں انواع و اقسام کی برائیاں اتنی نمایاں طور پر پیدا ہو چکی تھیں کہ اربابِ علم و فکر کو ان برائیوں کو مسلم معاشرے سے دور کرنے اور مسلمانوں کو ان سے بچانے کی فکر دامنگیر ہوئی ۔ اس سلسلے کی سب سے پہلی تحریک شاہ ولی اللہؒ کی کوششوں سے شروع ہوئی ۔

شاہ ولی اللہ کا خاندانی پس منظر

شاہ ولی اللہؒ کا خاندان اپنے علم و فضل کی وجہ سے برِصغیر میں بڑی شہرت کا مالک تھا ۔ ان کے والد شاہ عبدالرحیم نے دہلی میں مدرسۂ رحیمیہ قائم کیا ۔ شاہ عبدالرحیم کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے شاہ ولی اللہؒ نے مدرسے کے درس و تدریس کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا ۔ انہوں نے ہندوستانی مسلمانوں کے لئے ایک ایسا اسلامی پروگرام پیش کیا جس پر عمل کرنے سے ان کی حالت دوبارہ بہتر ہو سکتی تھی۔ آپ کے بعد اس مدرسے میں آپ کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز درس دینے لگے ۔ سید احمد بریلوی انہی کے شاگرد تھے ۔ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ ، شاہ ولی اللہؒ کے خاندان کے چشم و چراغ تھے ۔ ان دونوں بزرگوں نے اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر مجاہدوں کی ایک جماعت تیار کی ۔ مجاہدین کی یہ جماعت اپنی بے مائیگی کے باوجود راستے کی صعوبتیں برداشت کرتی ہوئی جنوبی پنجاب سے ہوتی ہوئی سندھ اور بلوچستان کے راستے سے قندھار پہنچی ۔ قندھار سے غزنی اور کابل ہوتی ہوئی آخرکار

سرحد کے علاقے میں داخل ہو گئی ۔

حکومت کے خلاف جہاد کا آغاز

مجاہدین کی اس جماعت نے اسلام کی سربلندی اور آزادی کے لئے حکومت کے خلاف جہاد کا آغاز کیا ۔ اس وقت پنجاب میں سکھوں کی حکومت تھی ۔ اس وقت سکھ حکومت کی طرف سے مسجدوں سے اذان دینے پر پابندی عائد تھی ۔ ان کا عقیدہ تھا کہ اذان سے بچے بانگے ہو جاتے ہیں ۔ رنجیت سنگھ نے اپنے جرنیل بدھ سنگھ کو مجاہدین کے خلاف تازہ دم فوج دے کر بھیجا ۔ مجاہدین نے اس فوج کو شکست فاش دی ۔ مفتوحہ علاقے میں مجاہدین نے شرعی حکومت کی داغ بیل ڈال دی اور پٹھانوں میں غیر شرعی رسوم ختم کرنے کی مہم شروع کر دی ۔ سنہ ۱۸۳۱ء میں بالاکوٹ کے مقام پر سکھوں سے آخری جنگ ہوئی ۔ مجاہدین نے بڑی بے جگری سے مقابلہ کیا لیکن سامانِ جنگ کی کمی کی وجہ سے شکست کھا گئے ۔ اس معرکے میں سید احمد شہید اور شاہ اسمٰعیل دونوں نے جام شہادت نوش کیا ۔ بانیانِ تحریک کی شہادت کے باوجود مجاہدین کے دلوں میں جہاد اور قربانی کا جذبہ ترقی کرتا گیا ۔ پنجاب میں سکھوں کی حکومت ختم ہوئی تو وہاں انگریزی راج قائم ہو گیا ۔ مجاہدین نے انگریزوں کے خلاف بھی جہاد جاری رکھا اور سنہ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں بھرپور حصہ لیا ۔ جنگِ آزادی کی ناکامی کے نتیجے میں پھانسی ، کالے پانی اور عمر قید کی سنگین سزائیں بھی مجاہدین کے جذبۂ جہاد کو ختم نہ کر سکیں ۔ انگریز حکومت نے مجاہدین پر خفیہ پولیس مسلط کی ہوئی تھی جو ان کی نقل و حرکت کی نگرانی کرتی تھی ۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب میں اسلامیہ اسکول فاضلکا میں زیرِ تعلیم تھا تو اس زمانے میں ایک بزرگ جن کا نام صوفی ولی محمد تھا ، کبھی کبھی چوہدری عبدالستار صاحب ہیڈ ماسٹر اسکول کے پاس خفیہ خفیہ آیا کرتے تھے اور ان سے مشورہ کر کے چلے جاتے تھے ۔ پولیس ان کا کھوج نکالتی پھرتی تھی ۔

انگریزوں سے نفرت اور سنہ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی

ایسٹ انڈیا کمپنی کے دور ہی سے انگریزوں سے نفرت پیدا ہونا شروع ہو گئی تھی ۔ کیونکہ انگریزوں نے بے حد ظلم و ستم ڈھائے اور دونوں ہاتھوں سے دولت سمیٹ سمیٹ کر انگلستان بھیجنا شروع کر دی تھی ۔ ریاستوں کو یکے بعد دیگرے ختم کر کے اپنی مملکت میں شامل کرنا شروع کر دیا تھا ۔ ہندوستانی کاریگروں کی انگلیاں کاٹ کر صنعت و حرفت کو تباہ و برباد کر رہے تھے جس کی طرف جوش ملیح آبادی نے اپنی مشہور نظم ایسٹ انڈیا کمپنی کے فرزندوں سے خطاب میں یوں اشارہ کیا ہے : ۔

صنعتِ ہندوستاں پر موت تھی چھائی ہوئی
موت بھی کیسی تمہارے ہاتھ کی لائی ہوئی
دست کاروں کے انگوٹھے کاٹتے پھرتے تھے تم
سرد لاشوں سے گڑھوں کو پاٹتے پھرتے تھے تم
صنعتِ ہندوستاں پر موت تھی چھائی ہوئی
موت بھی کیسی تمہارے ہاتھ کی لائی ہوئی

پادریوں نے کھلم کھلا مذہبی مداخلت اور عیسائیت کی تبلیغ شروع کر دی تھی ۔ اس طرح برصغیر کی تمام قومیں ، انگریزی حکومت کے رویے سے سخت بیزار تھیں ۔ لوگوں میں انگریزوں سے بد دلی اور نفرت روز بروز بڑھتی جا رہی تھی ۔ آخری مغل بادشاہ کو لال قلعہ دہلی میں مقید کر دیا گیا تھا ۔ شاہِ اودھ واجد علی شاہ کو معزول کر کے مٹیا برج (کلکتہ) میں نظر بند کر دیا گیا تھا ۔ فوج میں نظم و ضبط کا فقدان تھا ۔ سپاہیوں کی تنخواہیں کم کر دی گئیں تھیں ملک سے باہر جنگی خدمات انجام دینے پر مجبور کیا جاتا تھا ۔ ہندو سپاہی سمندر پار بھیجے جانے کو مذہبی مداخلت تصور کرتے تھے ۔ اسی زمانے میں

فوج میں ایک نئی ساخت کی بندوق رائج کی گئی جس کے کارتوسوں پر چربی چڑھی ہوتی تھی ۔ کارتوس کو بندوق میں بھرنے سے پہلے ضروری تھا کہ کارتوس کا سرا دانتوں سے کاٹا جائے ۔ ان کارتوسوں کے بارے میں مشہور ہو گیا کہ ان پر گائے اور سؤر کی چربی چڑھی ہوتی ہے ۔ اس خبر کے عام ہوتے ہی ہندو اور مسلمان سپاہیوں نے ان کارتوسوں کو استعمال کرنے سے انکار کر دیا ۔ اس پر انہیں سخت سزائیں دی گئیں ۔ ان میں سے بعض کو پھانسی بھی دی گئی ۔ اس پر فوج میں شورش بھڑک اٹھی ۔ میرٹھ کی چھاؤنی میں سپاہی اپنے انگریز افسروں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ۔ ان میں سے کئی ایک کو قتل بھی کر دیا ۔ اس کے بعد انہوں نے دہلی کی طرف پیش قدمی کی اور چند گھنٹوں کے اندر دہلی پر بھی قبضہ کر لیا ۔ آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ کو محل سے باہر نکال کر اس کے شہنشاہ ہونے کا اعلان کر دیا ۔ شمالی اور وسطی علاقوں میں دوسری رجمنٹوں نے بھی اعلان جنگ کر دیا اور پھر اس جنگ میں عوام بھی شامل ہو گئے ۔

کمپنی کی فوجوں اور ہندوستانی سپاہیوں کے درمیان دہلی ، کانپور ، جھانسی اور لکھنؤ میں خوں ریز معرکے ہوئے ۔ آزاد فوجوں کا چھ ماہ تک دہلی پر قبضہ رہا ۔ بخت خاں کی سرکردگی میں مجاہدین نے انگریزی فوج کا بڑی بے جگری سے مقابلہ کیا ۔ احمد اللہ شاہ کی رہنمائی میں مجاہدین نے لکھنؤ پر بھی قبضہ کر لیا ۔ جنگِ آزادی میں علماء اور عوام نے بھرپور حصہ لیا اور بڑی قربانیاں دیں ۔

قصبہ تھانہ بھون میں ہمارے راجپوت خاندان نے بھی جنگِ آزادی میں بھرپور حصہ لیا ۔ مجاہدین کے شانہ بشانہ انگریزی دستوں سے دست بدست جنگ کی ۔ یہی وجہ ہے کہ انگریزوں نے اپنا تسلط بحال کرنے کے بعد ہمارے خاندان کی املاک اور جائیدادیں ضبط کر لیں ۔

جنگِ آزادی کے شروع میں مجاہدین کا پلہ بھاری رہا لیکن بعد میں انگریزوں

کی مدد کے لئے کلکتہ ، مدراس اور پنجاب سے کمپنی کی وفادار فوجیں پہنچ گئیں ۔ گورکھے اور سکھ سپاہی بھی انگریزوں کی طرف سے لڑے ۔ دہلی کا محاصرہ کر لیا گیا اور بالآخر دہلی فتح ہو گیا ۔ انگریزوں نے اپنے مخالفین کو بدترین سزائیں دیں ۔ دہلی فتح ہونے کے بعد دوسرے مقامات پر حریت پسندوں کا زور ٹوٹ گیا اور سنہ ۱۸۵۸ء تک انگریزی حکومت بحال ہو گئی ۔

یہ حقیقت ہے کہ اگر پنجاب کے سکھ ، نیپال اور بھوٹان کے گورکھے اور دیسی ریاستوں کی فوجیں انگریزوں کا ساتھ نہ دیتیں تو برِصغیر انگریزوں کی غلامی سے کب کا آزاد ہو چکا ہوتا ۔ سنہ ۱۸۵۸ء کے بعد انگریزوں نے مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کرنا شروع کر دیا کیونکہ جنگِ آزادی میں یہی پیش پیش تھے ۔ انہیں سیاسی طور پر ، اقتصادی طور پر اور تعلیمی طور پر بہت پست کر دیا ۔ سرکاری ملازمتوں کے دروازے ان پر بند کر دیئے گئے ۔ جنگِ آزادی میں حصہ لینے والے مسلمانوں کی املاک ضبط کر لی گئیں ۔ انہیں پھانسی ، ملک بدری اور قید و بند کی سزائیں دی گئیں ۔

اس قسم کے تمام تاریخی واقعات پڑھ کر میرے دل میں انگریزوں سے شدید نفرت پیدا ہو گئی ۔ طلباء نے کالج کے ہندو ، سکھ اور مسلمان محبِ وطن لڑکوں کی ایک یونین بنائی جس کا مجھے کنوینر منتخب کیا گیا ۔ اس یونین کے زیر انتظام گوکھلے ہال فیروز پور میں رات کے وقت ہر اس لیڈر کو خطاب کرنے کے لئے مدعو کیا جاتا تھا جو تحریکِ آزادی کا حامی ہوتا تھا ۔ اجلاس بالعموم میری صدارت میں ہوا کرتے تھے ۔

اسمبلی ہال اور انگریز گورنر پر بم سے حملے

اس وقت انگریزوں کی غلامی سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے برِصغیر ہند میں بہت سی جماعتیں سرگرم عمل تھیں ۔ ان میں کانگریس ، جمعیت العلماءِ ہند ،

احرار اور تحریکِ خلافت خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔ یہ جماعتیں عدم تعاون اور عدم تشدد کی حامی تھیں ۔ مسلم لیگ آئینی حدود کے اندر رہ کر آزادی کے لئے کوشاں تھی ان کے علاوہ ایک اور جماعت خفیہ طور پر کام کر رہی تھی ۔ وہ انقلابی جماعت تھی اور تشدد کی حامی تھی ۔ اس جماعت نے ایک بم تو دہلی کے اسمبلی ہال میں اس وقت پھینکا جب اجلاس ہو رہا تھا اور دوسرا بم انگریز گورنر پر اس وقت پھینکا جب کہ وہ جلسۂ تقسیم انعامات کی صدارت کر رہا تھا ۔ اس جماعت کے تین لیڈر بھگت سنگھ ، بی کے دت اور محمد امین تھے ۔ اس انقلابی جماعت میں ہندو ، مسلمان اور سکھ تینوں قوموں کے محب وطن نوجوان شامل تھے ۔ تینوں لیڈروں پر مقدمہ چلایا گیا اور انہیں پھانسی کی سزا سنائی گئی ۔ محبِ وطن نوجوانوں کو پھانسی کی سزا دینے پر پورے ملک میں زبردست احتجاج ہوا ۔ میں نے فیروز پور میں طلباء کی یونین کے زیرِ انتظام شہر میں ایک زبردست جلوس نکالا اور انقلابی جماعت کے لئے چندہ جمع کیا ۔ رات کو گوکھلے ہال میں بہت بڑا جلسہ منعقد کیا گیا جس میں انگریزوں کے خلاف پرجوش تقریریں کی گئیں ۔ بعض مقررین نے اپنے خطابت کے جوہر کھل کر دکھائے ۔ آتش نوا تقریروں سے نہ صرف پورا ہال گونج اٹھا بلکہ حاضرین کے دلوں میں آزادی کا ولولہ اور نیا جوش و جذبہ موجزن ہو گیا ۔

پولیس تھانے میں میری طلبی

اگلے روز مجھے پولیس تھانے میں طلب کیا گیا ۔ میرے کوائف دریافت کئے گئے ۔ خاندانی حالات پوچھے گئے ۔ ڈرایا دھمکایا گیا ۔ مجھ سے پوچھ گچھ اور ڈرانے دھمکانے کے بعد مجھے پولیس حراست سے رہائی تو مل گئی لیکن پولیس تھانے میں میرے فائل کھول دی گئی اور خفیہ پولیس میری نقل و حرکت کا باقاعدہ ریکارڈ رکھنے اور میری نگرانی کرنے لگی نیز " دفترِ شہریار میں سرخ حروف میں میری جنوں کی داستاں

لکھی جانے لگی " ۔ اس واقعے کے بعد سے میرے اثر و رسوخ میں اضافہ ہوا اور اب میں سیاسی تحریکوں میں زیادہ کھل کر حصہ لینے لگا ۔ میری سرگرمیوں کی وجہ سے کالج کے پرنسپل صاحب مجھ سے کچھ خائف رہنے لگے ۔ اکثر مجھے اپنے گھر بلا کر نیک و بد سمجھاتے تھے اور یہ نصیحت کیا کرتے تھے کہ دوران تعلیم میں عملی سیاست میں حصہ نہ لوں بلکہ اپنی ساری توجہ تعلیم پر مرکوز کروں ۔ میری تعلیمی ضروریات کے سلسلے میں میری مدد کرتے تھے ۔ کالج کے تمام واجبات ادا کرتے تھے ۔ کبھی کوئی جرمانہ نہیں ہوتا تھا ۔ قصہ مختصر مجھے کالج میں پرنسپل صاحب اور اساتذہ سمیت تمام طالب علم بڑی عزت کی نظر سے دیکھتے تھے ۔ سیاسی تحریکوں میں حصہ لینے کے باوجود میں کبھی کسی " ہوم ایگزامنیشن " میں فیل نہیں ہوا ۔

چوہدری عبدالستار کے انتخاب کے لئے جد و جہد

اسی عرصے میں چوہدری عبدالستار ڈسٹرکٹ بورڈ کی ممبری کے لئے کھڑے ہوئے ۔ کینوسنگ اور پروپیگنڈے کے لئے قرعۂ فال بنام من دیوانہ زد ند ۔ چنانچہ میں نے کچھ ماٹوز اور ایک جھنڈا تیار کیا ۔ انتخاب سے پہلے چوہدری صاحب کے حق میں کینوسنگ کرتا ، ان کی تعلیمی خدمات گنواتا اور متعلقہ لوگوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کرتا کہ اگر ایک مخلص ، صاحب دل اور تعلیم یافتہ شخص منتخب ہو گا تو وہ ڈسٹرکٹ بورڈ کی اور اس کے توسط سے عوام کی بہتر انداز میں خدمت کر سکے گا ۔ عین انتخاب کے دن میں اپنے ساتھیوں کو ساتھ لے کر ان کے حلقے میں پہنچ گیا ۔ جھنڈے اور ماٹوز کے ساتھ جلوس نکالا ۔ چوہدری صاحب کے اوصاف حمیدہ اور ان کی علمی خدمات جگہ جگہ بیان کیں ۔ ہم لوگ زور دار نعرے لگاتے رہے اور لوگوں کو چوہدری صاحب کے حق میں ووٹ دینے کی ترغیب دیتے رہے ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چوہدری صاحب بھاری اکثریت سے ڈسٹرکٹ بورڈ کے ممبر منتخب ہو گئے ۔ اور حق یہ ہے کہ چوہدری

صاحب نے منتخب ہو کر اپنے حلقے کی نمائندگی کا حق ادا کر دیا ۔ اگرچہ ڈسٹرکٹ بورڈ میں ہندو اور سکھوں کی اکثریت تھی اور ڈپٹی کمشنر جو بورڈ کا چیرمین بھی تھا ، سکھ تھا پھر بھی چوہدری صاحب " آئین جوان مردان حق گوئی و بیباکی " کی زندہ مثال بن کر مسلمانوں کے حقوق کا جرأت و پامردی سے تحفظ کرتے رہے ۔

چوہدری صاحب مرحوم نے مسلمانوں کو تجارت کا شوق دلانے کے لئے اپنی عملی مثال پیش کی ۔ ان کی تقلید میں ان کے ایک نہایت ہی مخلص رفیق کار نے بھی ملازمت سے استعفیٰ دے کر بڑے بازار میں کتابوں اور اسٹیشنری کی دکان کھول لی ۔ مجھے بھی اس دکان پر بٹھا کر تجارت کے گر سکھایا کرتے تھے ۔ ان کی دیکھا دیکھی چند ایک مسلمانوں نے بھی تجارتی کاروبار شروع کر دیا ۔

شدھی سنگھٹن کی تحریک اور مجلسِ احرار

اس عرصے میں یہاں ہندوؤں کی کئی تنظیمیں بن گئیں ۔ یہ ساری تنظیمیں انتہائی متعصب اور مسلمانوں کی جانی دشمن تھیں ۔ ان تنظیموں میں ایک تنظیم شدھی کی وجود میں آئی اس کا مقصد مسلمانوں کو ہندو بنانا تھا ۔ دوسری تنظیم سنگھٹن کی تھی ۔ یہ تنظیم ہندوؤں کو عسکری تربیت دیتی تھی ۔ ایک اور تنظیم جن سنگھ تھی جو ہندوؤں کو چاقو ، چھری ، تلوار اور لاٹھی چلانے کے کرتب سکھاتی تھی اور مسلمانوں پر حملہ کرنے کے منصوبے تیار کرتی تھی ۔ اسی طرح ہندو مہاسبھا بھی بڑی تنگدل اور متعصب جماعت تھی ۔ یہ جماعتیں فرقہ وارانہ فسادات کراتی تھیں ۔ ان مسلم دشمن جماعتوں کا مقابلہ کرنے کے لئے مسلمان نوجوانوں کو اپنے تحفظ اور بقا کی فکر ہوئی ۔ انہوں نے بھی جسمانی صحت بنانے کے لئے کسرت کرنا ، فنونِ حرب سیکھنا اور ان کی مشق کرنا شروع کر دی ۔ میرا بھی یہی معمول تھا کہ مسلم احباب کو ہمراہ لے کر بعد نمازِ فجر باہر سیر کو نکل جاتا ۔ تین چار میل سیر کرتا ۔ ہم کسرت بھی کرتے ، دوڑتے ، لاٹھی چلانا بھی سیکھتے پھر باہر کسی رہٹ پر نہا کر گھر واپس آتے ۔

مجلسِ احرار کے بانی چوہدری افضل حق

چوہدری افضل حق مرحوم مجلس احرارِ اسلام کے بانی مبانی تھے ۔ چوہدری صاحب شکر گڑھ تحصیل کے ایک راجپوت زمیندار تھے ۔ پولیس میں ملازم تھے ۔ سب انسپکٹر پولیس تھے ۔ لیکن وہ فطرتاً نیک طبع ، مخلص اور دیانت دار تھے ۔ بڑے ذہین اور اعلیٰ درجے کے مدبر تھے ۔ جذبہ اسلام و قومیت سے سرشار تھے ۔ تھانے داری انہیں راس نہ آئی ۔ محکمۂ پولیس کو قریب سے دیکھنے کے بعد بلکہ اس میں شامل ہونے کے بعد محکمۂ پولیس سے ان کی نفرت بڑھتی چلی گئی تاآنکہ انہوں نے

استعفیٰ دے کر لاہور میں مستقل ڈیرہ جمالیا ۔ دہلی دروازے کے باہر سرکلر روڈ پر ایک مکان کرائے پر لے کر اسے اپنا دفتر بنالیا ۔ انہوں نے اپنی بقیہ عمر قوم کی اصلاح اور خدمت میں صرف کر دی ۔ انہوں نے بڑے حسن تدبر کے ساتھ اپنے گرد نورتن جمع کر لئے جو میرے خیال میں شہنشاہ اکبر کے نورتنوں سے کہیں زیادہ قابل ، مخلص ، آزادی کے پروانے اور اسلام کے شیدائی تھے ۔ انہوں نے اپنے ساتھی اور رفقائے کار علماء میں سے بھی ، انگریزی تعلیم یافتہ نوجوانوں میں سے بھی اور عوام میں سے بھی چنے ۔ ان میں حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری ، حضرت مولانا محمد داؤد غزنوی ، قاضی احسان احمد شجاع آبادی ، مولانا عنایت اللہ ، پیرزادہ فیض الحسن ، شیخ حسام الدین بی ۔ اے ، مولانا مظہر علی اظہر وکیل ، چوہدری عبدالستار صاحب بی ۔ اے ، بی ۔ ٹی ، مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی ، ماسٹر تاج الدین انصاری ایسے چند ایک مرکزی لیڈروں کے نام مجھے یاد رہ گئے ۔ یہ جماعت نہ انگریز سے ڈرتی تھی اور نہ ہندوؤں اور سکھوں سے ٹکرانے سے دریغ کرتی تھی ۔ ملک و ملت کی عظمت اور مسلمانانِ برصغیر کے حقوق کی حفاظت کے لئے ہمیشہ سینہ سپر رہتی تھی ۔ انگریز ان سے اتنا خائف تھا کہ اکثر و بیشتر انہیں قید و بند میں رکھتا ۔

فیروز پور میں مجلسِ احرار کا قیام

فیروز پور میں چوہدری عبدالستار صاحب نے مجلس احرار قائم کی اور اپنے گرد چند ایک پروانے جمع کر لئے ۔ ان میں نمایاں طور پر خان عبدالعظیم خاں ، حکیم احمد علی اور مولوی محمد عبیداللہ ، ماسٹر محمد حسین ، مستری نظام الدین اور ماسٹر عبدالکریم شامل تھے اور میں بطور رضاکار کام کرتا تھا ۔ اس جماعت نے معاشرتی اور اصلاحی کام کے علاوہ سیاسیات میں بھی خوب حصہ لیا ۔ کشمیر اور مسجد شہید گنج کی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ۔ انگریز کے کاشتہ پودے مرزائیت کے دجل و فریب سے عام

مسلمانوں کو خبردار کیا۔

سیکنڈایر میں پہنچا تو انعام کریم کے والد کا تبادلہ بھی فیروز پور چھاؤنی میں ہو گیا۔ انعام کریم میٹرک پاس کر چکا تھا۔ مجھ سے ایک سال پیچھے رہ گیا تھا۔ اس کے والد نے اسے اسی کالج میں فرسٹ ایر میں داخل کرادیا۔ چونکہ وہ کم عمر اور جسمانی طور پر دھان پان تھا اس لئے اس کے والد نے اس کا خیال رکھنے کی مجھے خاص طور سے تاکید کی اور گھر پر کچھ وقت دینے کی خواہش کا بھی اظہار کیا۔ چنانچہ میں فیروز پور چھاؤنی جا کر اس کو ٹیوشن پڑھایا کرتا تھا۔ اس طرح میری کچھ مالی امداد ہوتی رہی۔

خفیہ پولیس میرے تعاقب میں

بستی دہاڑیاں میں میرا ایک ہم جماعتی عبدالکریم رہتا تھا۔ اس کے والد انسپکٹر ڈاک خانہ جات تھے۔ نہایت شریف الطبع اور رحمدل انسان تھے۔ وہ اخبار ٹریبون کا مطالعہ کرنے کے عادی تھے۔ میں انہیں انگریزی میں اخبار پڑھ کر سنایا کرتا تھا۔ انہوں نے مجھ سے اپنے لڑکے عبدالکریم کے ساتھ مل کر امتحان کی تیاری کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ وہ انگریزی میں کچھ کمزور تھا۔ میں نے ان کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے چوہدری عبدالستار صاحب کی اجازت سے عبدالکریم کے ساتھ امتحان کی تیاری شروع کردی۔ چونکہ امتحان جون میں ہونا تھے اور اس مہینے میں موسم گرما اپنے پورے شباب پر ہوتا ہے اس لئے ہم دونوں نے ایک مہینہ کسی خوشگوار پہاڑی مقام پر گذارنے کا فیصلہ کیا۔ عبدالکریم کے چچا دھرم سالہ میں سرکاری وکیل کی حیثیت سے متعین تھے اس لئے ہم دونوں وہاں چلے گئے اور امتحان کی تیاری زور شور سے شروع کردی۔ اسی اثنا میں میرے متعلق فیروزپور پولیس کی خفیہ رپورٹ دھرم سالہ پولیس کو پہنچ گئی۔ خفیہ پولیس نے میری نگرانی شروع کردی۔ عبدالکریم کے چچا محکمۂ پولیس میں سرکاری وکیل تھے۔ جب انہیں خبر ہوئی تو انہوں نے مجھے دھرم

سالہ کی سرائے میں منتقل ہونے کا مشورہ دیا۔ میں نے ان کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے سرائے میں ایک کمرہ کرائے پر لے کر وہاں رہنے لگا۔ خفیہ پولیس کے آدمی مختلف بھیس بدل بدل کر سرائے میں آتے رہتے اور میرے کمرے کے ارد گرد منڈلاتے رہتے۔ چونکہ امتحان سر پر تھا اور میں سکون سے امتحان دینا چاہتا تھا اس لئے اس عرصے میں کسی سیاسی تحریک میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ امتحانات شروع ہوگئے اور کم و بیش دو ہفتے جاری رہے۔ سب پرچے اچھے ہوگئے۔ میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ امتحان کے خاتمے پر فیروزپور واپس چلا آیا اب میں فارغ تھا اس لئے میں نے اپنی چھوٹی بہن کو تھانہ بھون میں چچا کے پاس چھوڑنے کا فیصلہ کیا اور اسے اپنے ساتھ لے کر تھانہ بھون پہنچا۔ اب چچا کا سلوک پہلے جیسا نہیں تھا بلکہ وہ اپنے سابق سلوک پر نادم تھے۔ ہمشیرہ کی شادی کے متعلق میں نے ان سے مشورہ کیا۔ ان کی مرضی سے برادری ہی میں اس کی شادی کردی گئی۔ اب میں ایک بہت بڑی ذمے داری سے سبکدوش ہو چکا تھا۔ فہمیدہ کی شادی علی نواز خاں سے ہوئی۔ وہ ہمارے دور کے رشتے دار بھی تھے اور ضلع کرنال کے ایک گاؤں ڈھیکہ کلاں میں ایک زمیندار تھے۔ منشی خاں ان کا چھوٹا بھائی تھا۔ قیام پاکستان کے بعد وہ سب مسلم راجپوت زمیندار پاکستان آگئے اور غالباً سرگودھا ضلعے کے کسی چک میں آباد ہوگئے۔ مجھے آج تک ان کی رہائش کا پتہ نہیں چلا۔

تھانہ بھون میں ہماری کچھ زمین تھی۔ جیسا کہ میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ ہماری تمام املاک انگریزوں نے جنگِ آزادی میں حصہ لینے کے جرم میں ضبط کر لی تھی اس لئے ہمارے اسلاف کے پاس بہت کم زمین کاشت کے لئے رہ گئی تھی۔ وہ دوسرے زمینداروں سے زمین پٹے پر لے کر گذارا کیا کرتے تھے۔ ملکیتی اراضی پر بمشکل تمام صرف ایک ہی کنبہ پل سکتا تھا اس لئے والد صاحب مرحوم نے اپنا حصہ بھی چچا نور علی خاں کو دے دیا تھا تا کہ گذر اوقات کر سکیں۔ میں نے بھی کبھی ان سے

پیداواری حصے کا مطالبہ نہیں کیا او نہ ہی اپنے حصۂ اراضی کو پاکستان میں منتقل کرانے کی درخواست گذاری ۔ اگر میں ایسا کرتا تو چچا بہت زیادہ تنگدست ہو جاتے ۔ بہرحال بہن کی شادی سے فارغ ہونے کے بعد میں پھر فیروز پور واپس چلا آیا اور چوہدری عبدالستار صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا ۔

لاہور میں اعلی تعلیم کا سلسلہ

امتحان کا نتیجہ آ گیا تھا ۔ میں اچھے سیکنڈ ڈویژن میں کامیاب ہو گیا تھا ۔ رام سکھ داس کالج ابھی ڈگری کالج نہیں ہوا تھا ۔ اس لئے لاہور اسلامیہ کالج ریلوے روڈ میں داخلہ لینے کا فیصلہ کیا ۔ چوہدری عبدالستار مرحوم مجھے کالج میں داخل کرانے کے لئے خود اپنے ساتھ لے گئے ۔ اس زمانے میں پروفیسر غنی صاحب کالج کے پرنسپل تھے ۔ پروفیسر غنی صاحب ڈگری کلاسز کو ڈرامہ پڑھایا کرتے تھے ۔ وہ ڈرامے کی تدریس میں اس قدر مشہور تھے کہ لاہور کے دوسرے کالجوں کے طلباء بھی ان کے پیریڈ میں شریک ہوتے تھے ۔ وہ ڈرامے کی تدریس کے دوران عملی طور پر کرداروں کی ایکٹنگ کیا کرتے تھے جس سے ان کا پیریڈ بہت زیادہ دلچسپ بن جاتا تھا ۔ چوہدری صاحب نے ان سے میرا تعارف کرایا اور کالج فیس سے مستثنیٰ کرنے کی سفارش کی جو منظور کر لی گئی ۔ چوہدری صاحب مجھے اسلامیہ کالج لاہور میں داخلہ دلا کر فیروز پور واپس تشریف لے گئے ۔

مردے از غیب بروں آید و کارے بکند

داخلے اور فیس کا مسئلہ تو چوہدری صاحب کی وجہ سے بحسن و خوبی طے ہو گیا ۔ اب کتابوں کی خریداری ، رہائش اور خوراک کا مسئلہ درپیش تھا ۔ میرے پاس بچت کی ہوئی کچھ رقم موجود تھی ۔ اس میں سے ضرورت کے مطابق کتابیں خرید لیں اور کلاس میں جانے لگا ۔ البتہ رہائش کا مسئلہ ابھی حل طلب تھا ۔ ہوسٹل کے اخراجات کے متحمل ہونے کی صلاحیت نہیں تھی ۔ اسلامیہ کالج کے قریب بلکہ اس سے ملحق مسجد مبارک ہے ، عارضی طور پر اس مسجد میں ڈیرہ جمایا ۔ وہیں رات کو [illegible]ں پر سو رہتا تھا اور مسجد کے چراغ کی روشنی میں مطالعہ کرتا تھا ۔ جب بھوک

محسوس ہوتی تو ساتھ کے ہوٹل سے دو پیسے کے دو پھلکے اور ایک پیسے کی دال لے کر پیٹ کی آگ بجھا لیتا ۔ تقریباً ایک ماہ تک یہی سلسلہ جاری رہا ۔ اسی اثناء میں میرے ایک مخلص دوست ماسٹر عبدالغفور کسی کام کے سلسلے میں لاہور آئے اور مجھ سے ملنے کے لئے کالج آئے ۔ جب انہوں نے میرا حال احوال دریافت کیا تو میں نے سب حالات کسی لگی لپٹی کے بغیر صاف صاف بیان کر دیئے ۔ میرے حالات سن کر وہ بہت زیادہ متفکر ہوئے ۔ کہنے لگے یکسوئی سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے یہ حالات انتہائی ناسازگار ہیں ۔ پھر مجھ سے کہنے لگے پریشان نہ ہو ، اللہ بڑا مسبب الاسباب ہے دیکھو میں اپنی بساط بھر کچھ کوشش کرتا ہوں ۔ یہ کہہ کر اور دوبارہ آنے کا وعدہ کر کے وہ رخصت ہو گئے ۔

پیسہ اخبار اسٹریٹ میں ان کے پھوپھا سیٹھ عبدالصمد رہتے تھے ۔ ان کا گٹس کا کاروبار تھا ۔ کارخانے میں مختلف رنگوں کے گٹ تیار کر کے وہ یوروپی ملکوں کو بھیجا کرتے تھے یہ گٹ ٹینس اور ڈکٹینس وغیرہ کے بلوں میں استعمال ہوتی ہے ۔ سیٹھ صاحب خود ان پڑھ تھے ۔ انہوں نے ایک منشی رکھا ہوا تھا ۔ وہ کام میں تو بہت ہوشیار تھا لیکن انگریزی سے نابلد تھا ۔ اس لئے انہیں کسی انگریزی داں کی بھی ضرورت تھی ۔ کچھ دن بعد ماسٹر عبدالغفور صاحب تشریف لائے اور مجھے ان کے پاس لے گئے ۔ میرا ان سے تعارف کرایا ۔ انہوں نے بڑی توجہ سے ساری باتیں سننے کے بعد فرمایا اگر یہ بابو صاحب ہمیں یوروپ کی فرموں سے خط و کتابت کرنے کے لئے روزانہ ایک گھنٹہ باقاعدگی سے دیں تو ہم ان کی رہائش کا معقول انتظام کر سکتے ہیں ۔ اندھا کیا چاہے دو آنکھیں ۔ میں نے خوشی خوشی پیشکش قبول کر لی اور ان کے پاس رہائش اختیار کر لی ۔

یہاں یہ بتانا نامناسب نہ ہوگا کہ ماسٹر عبدالغفور صاحب کون تھے ۔ وہ فاضلکا کے رہنے والے تھے ۔ چوہدری کرم دین صاحب کے صاحبزادے تھے ۔ مڈل

سکشن میں میرے ہم جماعت تھے اور میرے مخلص دوست تھے ۔ مڈل پاس کرنے کے بعد انہوں نے جے وی کی ٹریننگ حاصل کی اور ڈسٹرکٹ بورڈ کے پرائمری اسکول میں مدرس لگ گئے ۔ عالمِ شباب میں اللہ کو پیارے ہو گئے ۔ اللہ مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا ۔

شادی کی پرکشش پیشکش

پیسہ اخبار اسٹریٹ میں ایک اور صاحبِ ثروت شخص رہتے تھے ۔ ان کا نکل کا کارخانہ تھا ۔ وہ کشمیری الاصل تھے ۔ ان کا ایک بچہ ساتویں جماعت میں زیرِ تعلیم تھا ایک روز اپنے بچے کو میرے سپرد کر گئے اور اس کی تعلیمی کمزوریوں کو دور کرنے کی استدعا کر گئے ۔ پچاس روپے ماہوار ٹیوشن فیس ادا کرنے کا وعدہ بھی کر گئے ۔ چند دن گذرنے کے بعد انہوں نے اپنی لڑکی کی ٹیوشن بھی مجھے دے دی ۔ لڑکی خاصی سیانی اور خوش شکل و خوش اندام تھی ۔ میں دونوں بہن بھائیوں کو روزانہ ایک گھنٹے پڑھاتا تھا ۔ ایک مہینے بعد انہوں نے لڑکی کی کڑھائی ، سینے پرونے اور خانگی امور میں مہارت کا تذکرہ شروع کر دیا نیز اس کے حسن و اخلاق ، عادات و اطوار وغیرہ کی تعریف کے پل باندھنے لگے ۔ کبھی کبھی وہ مختلف موضوعات پر گفتگو بھی کرتے لیکن انہوں نے کبھی میرے حسب نسب یا خاندانی حالات معلوم کرنے کی بالواسطہ یا بلاواسطہ کوئی کوشش نہیں کی ۔ مجھ سے بڑے اخلاق سے پیش آتے ۔ میری مالی اور سماجی حالت ان پر روزِ روشن کی طرح واضح تھی ۔ لڑکی کی والدہ بھی اب میرے پاس آ کر بڑی ہمدردی کا اظہار کرتیں ۔ اکثر و بیشتر بڑی آؤ بھگت کرتیں ۔ میں ان دونوں میاں بیوی کے رویے کو بڑی قدر سے دیکھتا تھا ۔ شروع شروع میں تو دونوں بہن

بھائی ایک ساتھ پڑھنے آتے اور ایک ساتھ واپس جاتے ۔ کچھ دن بعد لڑکا پندرہ بیس منٹ پہلے آتا اور لڑکی بن سنور کے اس کے بعد آتی ۔ ظاہر ہے کہ لڑکے کو میں پہلے چھٹی دے دیا کرتا تھا اور لڑکی بعد تک پڑھتی تھی ۔ ایک روز اس کی ماں نے لڑکی کی تعلیمی حالت کے بارے میں پوچھا تو میں نے کچھ ازراہِ اخلاق ان سے کہا کہ ماشاءاللہ بڑی ذہین ہے اور بڑی توجہ سے پڑھتی ہے ۔ پھر انہوں نے خود ہی کہا کہ مجھے معلوم ہے آپ بہت مصروف ہیں ، پھر بھی اگر اسے زیادہ وقت دیں تو بڑی عنایت ہو گی کیونکہ اس کی اور ہماری بھی خواہش ہے کہ یہ ڈاکٹر بنے ۔ خواہ اسے زیادہ وقت دینے کی وجہ سے آپ لڑکے کو کم وقت دیا کریں ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا کیونکہ ابھی تو وہ ابتدائی جماعت میں ہے ۔ اب میں اس پر زیادہ توجہ دینے لگا ۔ جیسا کہ میں نے پہلے لکھا ہے کہ لڑکی واقعی پرکشش ، خوش اندام اور خوش شکل تھی ۔ نسلاً کشمیری تھی اور خوشحال گھرانے سے تعلق رکھتی تھی ۔ لڑکی کی ذہانت کے بارے میں میرے ریمارکس اور اسے پڑھائی میں زیادہ وقت دینے کی وجہ سے اس کے والدین کو یہ غلط فہمی پیدا ہوئی کہ شاید میں اس لڑکی میں دلچسپی لینے لگا ہوں ۔ غالباً اسی غلط فہمی یا خوش فہمی کی وجہ سے لڑکی کی ماں نے ایک روز اس کے رشتے کے لئے سلسلہ جنبانی شروع کی ۔ وہ سمجھتے ہوں گے کہ شاید میں اپنی مفلوک الحالی اور بے سہارا اور بے وسیلہ ہونے اور ان لوگوں کے تمول اور خوشحالی نیز لڑکی کے حسن اور پرکشش شخصیت کی وجہ سے ان کی یہ پیشکش قبول کرلوں گا ۔ ایک روز لڑکی کے والد نے تبادلہ خیالات کے دوران مجھے اپنا مستقبل سنوارنے کی تلقین کرتے ہوئے اپنی لڑکی سے میری شادی کرنے کی تلقین کی ۔ وہ سمجھتے تھے کہ اندھا کیا چاہے دو آنکھوں کے مصداق میں اس پرفریب پیشکش کو قبول کرلوں گا کیونکہ اس طرح مجھے دولت ، خوشحال مستقبل اور ایک حسین بیوی مل جائے گی اور پھر رفتہ رفتہ ان کے رنگ میں رنگ جاؤں گا ۔ واقعی یہ پرفریب پیشکش بڑی دلکش تھی ۔ میں سخت ذہنی الجھن میں گرفتار

ہو گیا ۔ اگر پیشکش قبول کرتا ہوں تو پھر شادی کے بعد تعلیم کا سلسلہ جاری رکھنا میرے لئے ناممکن نہ سہی بہت مشکل ضرور ہو جائے گا اور اگر پیشکش کو ٹھکرادوں تو یہ کاروباری لوگ اور صنعت کار بڑے آفت کے پرکالا ہوتے ہیں ، خدا جانے کیا گل کھلا کر مجھے آزمائشوں اور پریشانیوں کی بھٹی میں جھونک دیں اور بالآخر مجھے ان کا حلقہ بگوش بننا پڑے سوچتا تھا کیا کروں اور کیا نہ کروں ۔ کسی شاعر کا یہ شعر بے اختیار زبان پر آگیا

ایک مشکل سے تو مر مر کے ہوا تھا جینا
ڈال دی ایک نئی یہ میرے اللہ کیسی

میں پیشکش پر سر تسلیم خم کرنے یا حقارت سے اسے ٹھکرانے کے بارے میں سخت ذہنی الجھن میں تھا ۔ پوری رات اسی مسئلے پر سوچتا رہا ۔ کئی بار نفس امارہ نے پیشکش قبول کرنے کی ترغیب دی لیکن دوسرے ہی لمحے خیالات کی نئی لہر نے یہ کہہ کہ اس کی تردید کی کہ آخر تم میں کون سے سرخاب کے پر لگے ہیں کہ ایک صنعتکار اپنی ماہ پارہ کمسن لڑکی کو عمر بھر کے لئے تمہارے حوالے کرنے کے لئے تیار ہے جب کہ نہ تو تم برسرروزگار ہو اور اس کسمپرسی کے عالم میں تعلیم حاصل کر رہے ہو نہ سر چھپانے کی کوئی جگہ ہے ۔ دور دور تک کوئی عزیز یا رشتے دار نظر نہیں آتا ۔ ضرور اس پیشکش کے پیچھے کوئی اہم منصوبہ ہے ۔ میں نے فیصلہ کیا کہ کھل کر انکار نہ کروں بلکہ کوئی معقول بہانہ تلاش کر کے ٹیوشن چھوڑدوں تا کہ میرے خلاف کوئی پھڈا نہ بنا سکیں ۔ قصہ کوتاہ میں نے عدیم الفرصتی کا بہانہ بنا کر ٹیوشن چھوڑدی اور اس طرح سانپ بھی مر گیا اور لاٹھی بھی نہیں ٹوٹی ۔

مولانا احمد علی لاہوری اور میں

لاہور عرصۂ دراز سے تعلیم کا مرکز رہا ہے ۔یہاں بے شمار ادارے ، لائبریریاں اور ریڈنگ روم ہیں ۔یہاں طالب علم نہ صرف علم کی پیاس بجھا سکتا ہے بلکہ چھک کے سیراب ہو سکتا ہے ۔ یہ شہر دینی اور دنیوی ہر قسم کے علوم و فنون کا گہوارہ ہے ۔ تقریری مقابلے ، مشاعرے اور ادبی مجالس و محافل کا سلسلہ پورے سال جاری رہتا ہے ۔ یہ شہر تہذیب و تمدن کا بھی مرکز ہے ۔یہاں سیاسی ، سماجی اور اصلاحی تحریکیں ابھرتی رہتی ہیں ۔ میں ہر تحریک کا مطالعہ تو گہری نظر سے کرتا رہا لیکن لاہور آکر کسی سیاسی تحریک میں پرجوش حصہ نہیں لیا بلکہ مطالعہ ہی کرتا رہا ۔ عملی سیاسیات میں سرگرمی سے حصہ لینے کے باعث طالب علم کا گوہر مقصود ہاتھ سے نکل جاتا ہے کیونکہ بعض سیاسی جماعتیں نوجوان طلباء کو جو نسبتاً زیادہ پرجوش ہوتے ہیں آلۂ کار بنا کر اپنے سیاسی مقاصد حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہیں ۔ میرے خیال میں سیاسی پارٹیوں کا یہ رویہ غیر مستحسن ہے ۔ بہرحال میری سوچ صحیح ہو یا غلط میں نے کسی بھی سیاسی پارٹی کا آلۂ کار بننا پسند نہیں کیا بلکہ صرف ان کی تحریکات کا بغور مطالعہ کرتا رہا۔

چوہدری عبدالستار مرحوم نے میرے دل میں دین کی شمع روشن کردی تھی اس لئے میں ایک ایسی ہستی کی تلاش میں سرگرداں تھا جو اس شمع کی روشنی کو جلا بخشتی رہے چنانچہ شیرانوالہ دروازے کی لائن مسجد میں ایسی ہستی مل گئی جس کا نام نامی اور اسم گرامی حضرت مولانا احمد علی لاہوری قدس سرہ العزیز تھا ۔ بقول غالب

زباں پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لئے

یہ عالم بے بدل اس مسجد میں درس دیا کرتے تھے ۔ میں ان کے درس قرآن اور خطبات سے بہت متاثر ہوا ۔ ان کے مواعظ حسنہ سے دل خشیت الہیٰ سے معمور ہوجاتے ۔ اس اولوالعزم مرد مومن نے اسلام کی سربندی ، ناموس رسولؐ کی حفاظت اور ملک و قوم کی آزادی کے لئے بارہا قید و بند کے شدائد برداشت کئے ۔ اللہ

کے سوا وہ کسی طاقت یا فرد کے خوف سے آشنا نہ تھے ۔ سچی بات کہنا ان کا شعار تھا ۔ صحیح معنوں میں عالم باعمل تھے مجاہد فی سبیل اللہ تھے ۔ عابد و زاہد ، پاک نفس و پاک طینت اور علوم قرآن کے معلم و مبلغ تھے ۔ جب تک یہاں انگریز رہا آپ نے انگریز کے خلاف جہاد جاری رکھا ۔ آپ جماعت مجاہدین کے سرگرم رکن تھے ۔ حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے تربیت یافتہ تھے ۔ اخلاق حسنہ کے پیکر تھے ۔ جمال و جلال کے مظہر تھے ۔ جب آپ لاہور تشریف لائے تھے تو یہاں چند ایک نفوس کے سوا ان سے کوئی واقف نہ تھا ۔ لیکن جب اس دنیا سے رخصت ہوئے تو تقریباً دو لاکھ افراد نے ان کے جنازے میں شرکت کی ۔ لاہور کی تاریخ میں چشم فلک نے مشکل سے ہی ایسا جنازہ دیکھا ہوگا ۔ میں ان سے بیعت ہونا چاہتا تھا لیکن حجاب مانع رہا ۔ اظہار تمنا کی جرأت نہیں ہوئی ۔ جب وہ اللہ کو پیارے ہوگئے تو بہت پچھتایا ۔ بالآخر آپ کے خلف الرشید مولانا حضرت عبیداللہ صاحب سے بیعت ہوا ۔ حضرت مولانا لاہوری کی صحبت کا یہ اثر ہوا کہ میں نے بھی اپنے پڑوس کی ایک چھوٹی سی مسجد میں نماز فجر کے بعد لوگوں کو قرآن مجید کا ترجمہ سنانا شروع کردیا جو لاہور کے قیام کے دوران کافی عرصے تک جاری رہا ۔ اس دوران میں چوہدری عبدالستار صاحب جب کبھی لاہور تشریف لاتے تو میرے پاس ہی قیام فرماتے اور میری سرگرمیوں کی روداد سن کر بہت خوش ہوتے ۔

اسلامیہ کالج لاہور میں ہمارے اساتذہ

ہمیں انگلش پوئٹری پروفیسر تاثیر مرحوم پڑھاتے تھے ۔ تدریس کے دوران میں اپنے خاص انداز سے بڑی دلچسپی پیدا کردیا کرتے تھے ۔ کچھ عرصے بعد انہوں نے پرنسپل کے فرائض انجام دیئے ۔ پروفیسر فیاض محمود ہمیں انگریزی کمپوزیشن کروایا کرتے تھے ۔ وہ ہماری کاپیاں دیکھنے اور حسب ضرورت ان میں اصلاح کرنے کے لئے

گھر لے جایا کرتے تھے اور آیندہ جب ان کا پیریڈ آتا تو طلباء کی چیدہ چیدہ غلطیوں کی نشان دہی کرتے ۔ اس وقت جماعت میں سو سے زیادہ طلباء ہوتے تھے ۔ ایک مرتبہ حسبِ معمول میرا مضمون ہدفِ تنقید بنا ۔ کاپی اٹھا کر فرمانے لگے ، دیکھئے اس لڑکے نے کتنا لمبا فقرہ لکھا ہے ۔ فقرہ اتنا طویل کردیا کہ اسے اصل فعل (Finite Verb) لگانا یاد ہی نہیں رہا ۔ جب تقریباً سات آٹھ سطریں پڑھ چکے تو فرمانے لگے ، دیکھا آپ نے کہیں Finite Verb نظر آیا ۔ میں فوراً کھڑا ہو گیا اور ان سے نہایت ادب سے درخواست کی کہ مہربانی فرما کر آگے پڑھتے جایئے ابھی فقرہ ختم نہیں ہوا ہے ۔ چنانچہ جب انہوں نے دو سطریں مزید پڑھیں تو Finte Verb آگیا پھر فرمانے لگے فقرہ تو ٹھیک ہے ، میرا خیال غلط نکلا لیکن یہ صحافیانہ انداز ہے ۔ ہر ایک لڑکا یہ اسٹائل اختیار نہیں کرسکتا ۔ یہ کام خاصا قابلیت و مہارت طلب ہے ۔ سب لڑکے میری طرف دیکھنے لگے اور جب پروفیسر صاحب نے میری کاپی واپس کی تو بہت سے طلباء نے میرا مضمون پڑھنے کی خواہش کا اظہار کیا ۔

بی ۔ اے میں میرا دوسرا مضمون عربی تھا ۔ یہ مضمون پہلے پروفیسر روحی پڑھایا کرتے تھے ۔ ان کے ریٹائرمنٹ کے بعد ڈاکٹر برکت علی صاحب پڑھانے لگے ۔ انہوں نے جرمنی سے عربی میں پی ایچ ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی تھی ۔ وہ بھی بڑی محنت اور جانفشانی سے عربی کا درس دیا کرتے تھے ۔ وہ کچھ عرصے کے لئے عارضی طور پر کالج کے پرنسپل بھی رہے ۔ دراصل علامہ عبداللہ کیتنب کے بعد کالج کو مستقل پرنسپل کافی عرصے تک نصیب نہیں ہوا ۔ خواجہ دل محمد صاحب ریاضی پڑھاتے تھے ۔ پروفیسر غلام حسین صاحب اکنامکس (اقتصادیات) پڑھاتے تھے لیکن وہ ناکام پروفیسر تھے ۔ پرفیسر باسط صاحب اردو کے پروفیسر تھے ۔ لڑکے ان کے پیریڈ میں بہت شور مچاتے اور جا و بیجا اعتراضات کی بوچھاڑ کرتے تھے ۔ پروفیسر نظامی صاحب اسلامیات پڑھاتے تھے لیکن حاضری لگانے کے دوران میں بیشتر طلباء بھاگ جاتے تھے ۔ صرف میرے

جیسے چند ایک طلباء کمرے میں رہ جاتے تھے ۔ لیکن وہ حاضری کی پروا کیئے بغیر ترجمہ اور تفسیر جاری رکھتے تھے ۔

ہر ماہ کے آخر میں طلباء کالج کے ہال میں جمع ہوا کرتے تھے ۔ اس اجتماع میں قرأت اور تقریریں ہوتیں نیز انگریزی اور اردو میں مقالات پڑھے جاتے تھے ۔ ایک اجلاس میں قرأت کے لئے میں نے اپنا نام دے دیا ۔ پہلے عام دستور یہ تھا کہ جو طالبِ علم قرأت کے لئے اپنا نام دیتا تو وہ کسی سورت کی بعض آیات کی قرأت کرجاتا لیکن میں نے قرأت کے بعد خلافِ دستور آیات کا ترجمہ اور تفسیر بھی بیان کی ۔ جن آیات کی میں نے قرأت کی تھی وہ جہاد کے بارے میں تھیں ۔ میں نے اس انداز میں تشریح کی کہ ہال میں جوش و خروش پیدا ہو گیا اور نعرہ ہائے تکبیر سے ہال گونج اٹھا ۔

لاہور میں قیام کے دوران پریشانیوں کا سلسلہ

لاہور میں قیام کے دوران افلاس و تنگدستی سے میری جنگ جاری رہی لیکن میں کبھی مفلوک الحالی سے مغلوب نہ ہوا بلکہ پامردی اور مستقل مزاجی سے اس کا مقابلہ کرتا رہا البتہ سادہ زندگی بسر کرتا رہا ۔ یہ نہ کرتا تو اور کیا کرتا ۔ ایک قمیض ، پاجامہ اور دیسی جوتا پہن کر کالج جاتا رہا لیکن صفائی کو اپنا شعار بنائے رکھا ۔ اکثر اوقات خود ہی کپڑے دھولیتا ۔ ٹیوشن کرکے اور جزوقتی کلرکی کرکے اپنے اخراجات پورے کرتا رہا لیکن کسی کے آگے دستِ سوال دراز کرنے کا خیال تک دل میں نہ آیا ۔ البتہ رات کی تاریکیوں میں اس مسبب الاسباب کے سامنے سجدہ ریز ہو کر جو بے سہاروں کا سہارا ہے ، ضرور گڑگڑا کر دستِ سوال دراز کرتا رہا اور میں کبھی اس کے در سے بے نیل و مرام واپس نہیں لوٹا ۔

چوہدری عبدالستار صاحب کی وفات

سنہ ۱۹۳۲ء میں میرے محسن اور مربی چوہدری عبدالستار صاحب بیمار ہو کر علاج معالجے کے لئے لاہور آ گئے ۔ مجھے تیمارداری کے لئے ان کی خدمت میں ہمہ وقت حاضر رہنا پڑتا ۔ عیادت کرنے والوں کا تانتا بندھا رہتا ۔ ادھر ڈگری امتحانات شروع ہو گئے ۔ مجھے امتحان کی تیاری کے لئے قطعی کوئی وقت نہیں ملتا تھا ۔ جس روز انگریزی کا پرچہ تھا چوہدری صاحب کی طبیعت زیادہ بگڑ گئی ۔ میری مصروفیات میں مزید اضافہ ہو گیا ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رات کو بہت تیز بخار ہو گیا ۔ دو گھنٹے بھی سونے کا موقع نہ ملا ۔ صبح بستر سے اٹھا تو سر میں شدید درد تھا ۔ درجۂ حرارت بھی زیادہ ہو گیا تھا ۔ چوہدری صاحب کی حالت زیادہ تشویشناک ہو گئی انہیں واپس فیروز پور لے جانا پڑا ۔ ان حالات میں انگریزی کا پرچہ نہ دے سکا اور چوہدری صاحب بھی اللہ کو پیارے ہو گئے ۔ مجھے بہت زیادہ صدمہ ہوا ۔ ایک تو محسن ، مربی اور مخلص کا سایہ سر سے اٹھنے کا اور دوسرے امتحان میں عدم شرکت کا ۔ بہت دل برداشتہ ہوا ۔ آخر صبر و تحمل سے کام لے کر پھر اللہ تعالیٰ کے حضور سربسجود ہو کر رہنمائی کے لئے ملتجی ہوا ۔ سجدہ سے سر اٹھایا تو دل کو ڈھارس بندھ چلی تھی ۔

فیروز پور میں دوبارہ واپسی

اسی اثناء میں فیروز پور کا رام سکھ داس کالج ڈگری کالج بن چکا تھا ۔ میں نے اس کالج میں دوبارہ داخلہ لینے کا فیصلہ کیا ۔ پی ۔ ڈی کنل صاحب بدستور کالج کے پرنسپل تھے ۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی ساری رودادِ غم انہیں سنائی ۔ وہ نہایت ہمدردی سے پیش آئے مجھے بخوشی نہ صرف کالج میں داخلہ دے دیا بلکہ تمام مراعات بھی دے دیں ۔ ساتھ میں یہ مشورہ دیا کہ ڈگری امتحان پاس کرنے سے قبل عملی سیاسیات میں حصہ لینے سے گریز کرو اور اپنا سارا وقت اور صلاحیتیں اپنی تعلیم پر مرکوز کرو ۔ میں نے ان کا مخلصانہ مشورہ خلوصِ دل سے قبول کرتے ہوئے عملی

سیاست سے کنارہ کشی کر کے اپنی ساری توجہ مطالعے پر مرکوز کر دی ۔

چوہدری عبدالستار صاحب مرحوم فیروز پور شہر میں ایک اسلامیہ مدرسۃ البنات قائم کرنا چاہتے تھے ۔ چنانچہ انہوں نے اپنی اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کی غرض سے شیخ غلام حیدر صاحب ایڈوکیٹ کے مکان کا ایک کمرہ حاصل کر لیا تھا ۔ سب سے پہلے انہوں نے وہاں طالبات کی ایک جونیئر کلاس جاری کی ۔ کچھ مسلمان لڑکیاں ورنیکلر مڈل پاس کر کے سلسلۂ تعلیم ختم کر چکی تھیں ان کی تعداد تقریباً دس تھی ، وہ لڑکیاں اس کلاس میں داخل ہو گئیں ۔ چوہدری صاحب نے مشکل سے ابھی دو ماہ تک تدریس کا کام کیا تھا کہ وہ بیمار پڑ گئے ۔ بیماری شدت اختیار کرتے کرتے مرض الموت بن گئی ۔ بالآخر ماہِ جولائی سنہ ۱۹۳۲ء میں اللہ کو پیارے ہو گئے ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ مدرسۃ البنات کی اسکیم بھی ان کے ساتھ ختم ہو گئی ۔

چوہدری صاحب کا مشن جاری رکھنے کی کوششیں

مولوی محمد عبیداللہ صاحب سے تعارف بھی چوہدری صاحب مرحوم کی معرفت ہوا تھا وہ الحاج میاں نور محمد صاحب صراف کے صاحبزادے تھے ۔ صاحبِ موصوف جماعتِ مجاہدین کے سرگرم رکن تھے اور وہ جماعتِ مجاہدین کو سرمایہ مہیا کرتے تھے ۔ اسی تحریک کے سلسلے میں وہ بارہا قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کر چکے تھے ۔ مولوی عبیداللہ صاحب کو جذبۂ جہاد اور خدمتِ ملک و ملت ورثے میں ملا تھا ، اسی وجہ سے وہ چوہدری عبدالستار صاحب کے حلقۂ عقیدت میں شامل ہو چکے تھے اور مجلس احرار اسلام فیروز پور کے روحِ رواں تھے ۔ ان کی شریکِ حیات زینب بی بی اور ہمشیرہ امت اللطیف اسی جونیئر کلاس کی طالبات تھیں جسے چوہدری صاحب مرحوم تیار کر رہے تھے ۔ مولوی عبیداللہ صاحب اسی عرصے میں میرے مخلص اور

بے تکلف دوست بن چکے تھے ۔ ہم سب ایک ہی مقصد کے لئے کام کر رہے تھے ۔

چوہدری صاحب اپنے پیچھے ایک بیوہ اور تین بیٹیاں چھوڑ گئے تھے ۔ ان کی بیگم محترمہ غلام جنت بہت سمجھدار خاتون تھیں اور ایک معزز زمیندار مہر محبت علی صاحب کی صاحبزادی تھیں ۔ میرے ساتھ حقیقی والدہ کا سا سلوک کرتی تھیں ۔ وہ بھی اپنے شوہر ذی وقار کی طرح قومی و ملی جذبات سے سرشار تھیں ۔ وہ پنجاب اسمبلی کے لئے امیدوار تھیں ۔ انہوں نے اپنے حلقۂ انتخاب کے شہروں کے دورے کئے اور متعدد جلسوں سے خطاب کیا لیکن سرمائے کی قلت کی وجہ سے کامیاب نہ ہو سکیں ۔ محترمہ بیگم صاحبہ نے چوہدری صاحب کی وفات کے بعد اپنی سکونت بستی دھاڑیاں والی سے ترک کر کے فیروز پور شہر میں اختیار کر لی تاکہ بچیوں کی تعلیم کا خاطر خواہ انتظام ہو سکے ۔ میں بھی ان کے ہمراہ شہر آگیا اور ان کے پاس ہی رہنے لگا ۔ محترمہ والدہ صاحبہ نے بڑی محنت و جانفشانی اور قربانیوں کے ساتھ بچیوں کی تعلیم کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا ۔ بڑی لڑکی کا نام شمس التوحید ہے وہ ایم ۔ بی ۔ بی ۔ ایس کرنے کے بعد آج کل گجرانوالہ میں پریکٹس کر رہی ہیں ۔ ان کی شادی چوہدری محمد علی صاحب بی ۔ اے کے ساتھ ہوئی جو آج کل اے ۔ جی کے دفتر میں بڑے عہدے پر فائز ہیں ۔ قیام پاکستان کے بعد محترمہ بیگم صاحبہ بچیوں کو لے کر گجرانوالہ میں آباد ہو گئیں اور اسی جگہ اراضی الاٹ کرا لی ۔

دگر از سر گرفتم قصۂ زلف پریشاں را ۔ اب میں پھر چوہدری صاحب کے مشن کی طرف آتا ہوں ۔ مولوی عبیداللہ صاحب نے اصرار کیا کہ طالبات کی وہ جماعت جسے چوہدری صاحب تیار کر رہے تھے میں سنبھال لوں چنانچہ میں نے ان کا مشورہ قبول کر لیا اور چاروں لڑکیوں کو پڑھانا شروع کر دیا ۔ ٹیوشن کی جو رقم وصول ہوتی تھی اس سے میں اپنی ضروریات پوری کرتا باقیماندہ محترمہ والدہ صاحبہ کے حوالے کر دیتا کچھ عرصے بعد مولوی عبیداللہ صاحب مجھے اپنے دوست کدے پر لے گئے اور وہاں میری

رہائش اور خوراک کا بندوبست کر دیا ۔ اس طرح سے میں ان کے خاندان کا ایک ممبر بن گیا ۔ اس کے باوجود میں نے محترمہ والدہ صاحبہ کے ساتھ میل جول قائم رکھا اور بچیوں کو تعلیم کے لئے وقت دیتا رہا امت اللطیف اور زینب بی بی میری بڑی خدمت کرتی رہیں ۔ میرے کپڑے دھوتی رہیں ۔ ان کی بدولت میں صاف ستھرے کپڑے زیب تن کر کے کالج جاتا تھا نیز میرے کھانے پینے کا خاص طور سے بڑے اہتمام کے ساتھ خیال رکھتی تھیں ۔ میں کالج میں فورتھ ایر کی تیاری بھی کرتا تھا اور ساتھ ہی ساتھ ان لڑکیوں کو امتحان کی تیاری بھی کراتا تھا ۔ چاروں لڑکیاں بڑے اچھے نمبروں سے کامیاب ہوئیں ۔

میں نے بھی بی ۔ اے کا امتحان نہایت سکون اور دلجمعی کے ساتھ دیا اور بہت اچھے نمبر حاصل کر کے سیکنڈ ڈویژن میں کامیاب ہو گیا ۔ لڑکیوں کو دیو سماج گرلز ہائی اسکول فیروز پور میں جماعت نہم میں داخل کرا دیا گیا ۔

علی گڑھ میں تعلیم حاصل کرنے کا عزم

میں نے سن رکھا تھا کہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ پورے ایشیاء میں مسلمانوں کا ایک عظیم الشان تعلیمی ادارہ ہے جس میں بڑے بڑے نوابوں ، جاگیرداروں اور صنعت کاروں کے بچے تعلیم حاصل کرتے ہیں اس لئے میں نے اپنی بے مائیگی اور بے بضاعتی کے باوجود یہ پختہ عزم کر رکھا تھا کہ پنجاب سے گریجویٹ ہونے کے بعد مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں مزید اعلیٰ تعلیم حاصل کروں گا ۔ اس عظیم مقصد کے حصول کے لئے میں بمشکل صرف دو سو روپے پس انداز کر سکا جنہیں میں نے بڑی احتیاط سے سنبھال کر رکھا تھا ۔ میں نے اپنے اس ارادے کا اظہار مولوی عبیداللہ صاحب سے کیا تو وہ بہت خوش ہوئے ۔ ان سے میرے تعلقات اب صرف دوستانہ ہی نہیں تھے بلکہ برادرانہ نوعیت اختیار کر چکے تھے ۔ وہ میرے عادات و اطوار سے اچھی طرح واقف ہو چکے تھے اور اپنے خاندان کا مجھے مستقل ممبر بنانا چاہتے تھے ۔ چنانچہ میرے علی گڑھ روانہ ہونے سے پہلے انہوں نے میری نسبت اپنی ہمشیرہ سے کر دی ۔

علی گڑھ روانگی

میں اپریل سنہ ۱۹۳۴ء علی گڑھ روانہ ہو گیا ۔ دہلی میں ہماری ٹرین تبدیل ہوئی ۔ دو گھنٹے دہلی گھوم گھام کر پھر اسٹیشن پر پہنچ گیا ۔ علی گڑھ کے لئے ٹرین تیار تھی ۔ جس ڈبے میں میں بیٹھا تھا وہاں چند ایک نوجوان اور آ بیٹھے ۔ سب کے سب مسلم یونیورسٹی میں داخلہ لینے جا رہے تھے ۔ یہ سب امیر گھرانوں کے چشم و چراغ تھے ۔ ان سب کے ساتھ کافی ساز و سامان تھا ۔ اس زمانے میں غریب گھرانے کے لڑکے علی گڑھ کا رخ کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے ۔ ہم سب گپ شپ کرتے

اور مسلم یونیورسٹی کے بارے میں باتیں کرتے ہوئے جا رہے تھے ۔ دو اسٹیشن گذر گئے ۔ پھر ایک لڑکے نے سب ساتھیوں کا جائزہ لینا شروع کر دیا ۔ ہر ایک سے باری باری پوچھنے لگا کہ تم کتنی رقم گھر سے لے کر آئے ہو ۔ کسی نے پانچ ہزار ، کسی نے سات ہزار اور کسی نے تین ہزار بتلائے ۔ جب میری باری آئی تو میں نے بتایا کہ میرے پاس تو صرف دو سو روپے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر گھر سے نکل پڑا ہوں تو ساتھیوں نے کہا ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ محض علی گڑھ یونیورسٹی کی دیواروں کی زیارت کرنے یا بہت سے بہت انہیں چھونے جا رہے ہیں ۔ میں نے کہا ، کوئی بات نہیں ۔ چلو سیر ہی ہی اس عظیم الشان مسلم ادارے کی زیارت تو ہو جائے گی ۔ دوسرے روز میں علی گڑھ یونیورسٹی پہنچ گیا ۔ ایک ہوٹل میں جا کر چائے پی اور ناشتہ کیا ۔ میرے ساتھ سامان بہت ہی مختصر تھا ، ایک بیگ اور تن ڈھانپنے کے لئے چند جوڑے ۔ بیگ ہوٹل کے مالک کے پاس بطورِ امانت رکھا اور خود یونیورسٹی چلا گیا ۔ وہاں کی مسجد میں دو رکعت نمازِ نفل ادا کی اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی ۔ پھر سرسید ہال کا چکر لگاتا ہوا پرو وائس چانسلر صاحب کے دفتر پہنچا ۔ دفتر کے باہر جگہ جگہ نوٹس آویزاں تھے ۔ میں نے ان نوٹسوں کو بغور پڑھا ۔ نوٹسوں کو پڑھنے کے بعد دفتر سے پراسپکٹس حاصل کیا ۔ پراسپکٹس کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوا کہ سر راس مسعود یونیورسٹی کے وائس چانسلر اور بی ۔ اے حلیم پرو وائس چانسلر ہیں ۔ پروفیسر منظور انگریزی ڈیپارٹمنٹ کے ، پروفیسر حبیب شعبۂ تاریخ کے ، پروفیسر ظفرالحسن شعبۂ فلسفہ کے ، ڈاکٹر عبدالجبار جرمن زبان کے اور ڈاکٹر اسپلیس شعبۂ عربی کے سربراہ ہیں ۔ شعبۂ اسلامیات ، ایم ۔ اے میں عربی اور اسلامیات لینے والوں کو پچیس روپے ماہانہ وظیفہ ملتا تھا ۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ ایم ۔ اے کے طالبِ علم ساتھ ہی ساتھ ایل ۔ ایل ۔ بی میں بھی داخلہ لے سکتے ہیں ۔ اس طرح وہ دو سال کے عرصے میں ایم ۔ اے اور ایل ایل ۔ بی بھی پاس کر سکتے ہیں ۔ میں نے ایم ۔ اے (عربی)

اور ایل ایل۔بی میں داخلہ لینے کا فیصلہ کر لیا۔ میں نے ایل ایل۔بی کو اصل مقصد اور مدعا بنایا جب کہ عربی کو ایک اضافی مضمون کی حیثیت سے اختیار کیا اس طرح مجھے مالی امداد کا فائدہ حاصل ہو گیا۔

ڈیوٹی سوسائٹی سے قرضِ حسنہ

یونیورسٹی میں ایک ڈیوٹی سوسائٹی تھی جو مستحق طلباء کو قرضۂ حسنہ دیا کرتی تھی۔ یہ قرضہ بلاسودی ہوتا تھا اور طالب علم کو برسرِ روزگار ہوجانے کے بعد آسان قسطوں میں ادا کرنا ہوتا تھا۔ چنانچہ اس سوسائٹی سے مجھے بھی پچاس روپے ماہوار قرضۂ حسنہ مل گیا۔ اس کے علاوہ امرتسر میں انجمن ترقی تعلیم مسلمانان ہند بھی مستحق طلباء کو قرضِ حسنہ دیا کرتی تھی۔ چنانچہ میں نے اس انجمن سے بھی پچیس روپے ماہوار کا قرضۂ حسنہ حاصل کر لیا۔ اس طرح میرے ماہانہ اخراجات کا بندوبست ہو گیا۔ یہ تمام اسباب اللہ تعالیٰ کی عنایت سے پیدا ہوئے۔ وہ ایسے تمام لوگوں کے لئے دروازے کھول دیتا ہے جو اپنے نیک مقاصد کے لئے خلوصِ دل، سچی لگن اور بلند ہمتی سے کارزارِ حیات میں قدم رکھتے ہیں۔

یونیورسٹی کا نظم و نسق اور مثالی تدریسی عملہ

یونیورسٹی میں ایک دوسرے سے کافی فاصلے پر آٹھ ہوسٹل تھے۔ ہر ہوسٹل کو ہال کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ ہر ہال بانی لیڈروں میں سے کسی ایک اعلیٰ لیڈر کے نام سے موسوم تھا۔ ہر ہال میں طلباء کی تعداد ہزار بارہ سو کے لگ بھگ ہوگی۔ یونیورسٹی کا کل رقبہ تیس مربع میل کے لگ بھگ تھا۔ یونیورسٹی میں ہر قسم کے علوم و فنون کی درس و تدریس کا بہت اعلیٰ انتظام تھا۔ آرٹس کے علاوہ سائنس، ٹیکنالوجی، میڈیکل، نان میڈیکل اور انجینئرنگ کی تعلیم کا بہترین بندوبست تھا۔

یورپ اور ایشیا میں جہاں بھی کوئی سائنس یا آرٹس کا ماہر تعلیم ملتا اسے معقول مشاہرہ اور سہولتیں دے کر یونیورسٹی میں بلا لیا جاتا اور متعلقہ شعبے کا انچارج بنادیا جاتا۔ ہر شعبہ بہترین فرنیچر، سامان تدریس اور اعلیٰ قابلیت کے پروفیسروں سے مزین تھا۔ کمرے نہایت شاندار تھے۔ یونیورسٹی کا ہر ہال ایک مکمل ادارہ تھا۔ ہر ایک میں ریڈنگ روم، لائبریری، کامن روم، مسجد، گھانس کے پلاٹ، پھلواری اور جگہ جگہ سائے دار درخت تھے۔ ورزش کے لئے سارا ضروری سامان موجود تھا۔ ہر ہال میں شاندار ڈائننگ ہال اور کچن ہوتا تھا۔ رہائشی کمرے کشادہ، ہوادار اور روشن تھے۔ دماغی اور جسمانی تربیت کی ہر سہولت مہیا تھی۔ ہر ہال کا ایک وارڈن ہوتا تھا جو اس ہال کا منتظم و منصرم ہوتا تھا۔ ہندوستان کے تمام صوبوں سے مسلم طلباء یہاں آکر تعلیم حاصل کرتے تھے۔ یونیورسٹی کا ریڈنگ روم بہت وسیع تھا اور اس کی لائبریری بہت بڑی تھی جن میں بیشتر علوم و فنون کی معیاری کتابوں کے علاوہ نایاب اور کمیاب قلمی نسخے بھی بڑی تعداد میں تھے۔ بیرونی ملکوں کے اخبارات اور رسالے بھی یہاں دستیاب تھے۔ ساری دنیا میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ مسلمانوں کا ایک اعلیٰ قسم کا جدید ترین تعلیمی ادارہ تھا۔

یونیورسٹی کا مختصر تعارف

سرسید احمد خاں اس یونیورسٹی کے بانی تھے ۔ سنہ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد انگریز فاتح اور مسلمان مفتوح ہوگئے تھے لیکن مسلمانوں نے اس شکست کو دل سے تسلیم نہیں کیا تھا ۔ انگریزوں کو بھی اس بات کا علم و ادراک تھا اس لئے انہوں نے پوری مسلم قوم کو پوری طرح کچلنے کی بھرپور کوشش کی تا کہ مسلمان کبھی سر نہ اٹھا سکیں ۔ مسلم عوام و خواص کو بھی انگریزی تہذیب اور انگریزی زبان سے نفرت پیدا ہوگئی ۔ ہندوؤں نے اس صورتِ حال سے فائدہ اٹھایا ۔ انہوں نے ہوا کا رخ پہچانتے ہوئے انگریزی تعلیم اور سائنسی علوم کے حصول میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ۔ رفتہ رفتہ وہ ہر محکمے میں چھاگئے ۔ نہ صرف ملازمتوں میں اجارہ داری حاصل کر لی بلکہ تجارت اور صنعت و حرفت پر بھی چھاگئے ۔ مسلمانوں کی حالت بد سے بدتر ہوتی چلی گئی ۔ جدید تعلیم سے محروم اور مسلمان ہونے کی حیثیت سے سرکاری دفاتر اور محکموں سے دور رہے ۔ چونکہ مسلمان ہندوستان میں ایک طویل عرصے تک حکمراں رہے اس لئے وہ بالعموم تجارت اور صنعت و حرفت سے دور رہے ۔ ان میں سے بیشتر کی جاگیریں اور بڑی بڑی زمینداریاں اور املاک جنگِ آزادی میں حصہ لینے کے جرم میں بحق سرکار ضبط کر لی گئی تھیں ۔ لہٰذا مسلمانوں کی تعلیمی ، اقتصادی اور سیاسی حالت بد سے بدتر ہوتی چلی گئی ۔ سرسید احمد خاں جو قومی و ملی جذبے سے سرشار تھے اس صورتِ حال سے بہت زیادہ پریشان اور افسردہ تھے ۔ انہوں نے یہ بات بھی بڑی شدت سے محسوس کی کہ مسلمان جو مجموعی طور پر پورے ہندوستان میں ہندوؤں کے مقابلے میں اقلیت میں ہیں اور ہندوؤں نے انگریزوں اور انگریز حکومت کو رام کرنے کے لئے انگریزی تعلیم کے حصول کے ساتھ ان سے بھرپور تعاون شروع کر دیا ہے ، مسلمان بیک وقت ہندوؤں اور انگریز حکومت کی یلغار کا مقابلہ نہیں کر سکیں

گے اور اگر انہوں نے جدید علوم اور انگریزی تعلیم حاصل نہیں کی تو روز بروز پسماندہ ہو کر اچھوت بن جائیں گے ۔ انہوں نے مسلمانوں میں حقائق کا ادراک کرنے اور سیاسی بیداری پیدا کرنے کے لئے علی گڑھ تحریک شروع کی اور پورے ہندوستان سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر اپنے ہم خیال دوسرے مسلم زعماء اور دانشوروں کے تعاون سے علی گڑھ تحریک کو آگے بڑھانے اور گھر گھر پہنچانے کی پر خلوص جدوجہد کی ۔ بہت سی کتابیں اور رسالے تحریر کئے جن کے ذریعے انگریزوں اور مسلمانوں کے درمیان اختلافات ، نفرتوں اور غلط فہمیوں کی خلیج پاٹنے کی کوشش کی گئی ۔ اس ضمن میں ان کی شہرۂ آفاق کتاب " اسبابِ بغاوتِ ہند " نے بڑی مقبولیت حاصل کی نیز اس کتاب کی اشاعت کے بعد مسلمانوں کے بارے میں انگریز حکومت کی بہت سی غلط فہمیوں کا بڑی حد تک ازالہ بھی ہوا ۔ انہوں نے مسلمانوں کو جدید علوم و فنون سیکھنے کی ترغیب دی ۔ اس سلسلے میں انہوں نے مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی تشکیل کی ۔ مسلم کالج کی بنیاد علی گڑھ میں رکھی جو بتدریج مسلم یونیورسٹی کی شکل اختیار کر گیا ۔ یہاں تمام علوم جدیدہ کی تعلیم دینے کا انتظام کیا گیا ۔ سائنس کے ہر شعبے میں مکمل ترین لیباریٹری تھی جو جدید ترین ساز و سامان سے آراستہ تھی ۔ سائنسی اور دیگر جدید علوم کی درس و تدریس کا بھی اعلیٰ انتظام کیا گیا تھا تا کہ مسلمان اپنے دین و مذہب ، تہذیب و تمدن اور تاریخ و شریعت سے بیگانہ اور نابلد نہ رہیں ۔ دینی علوم ، تفسیر ، حدیث اور فقہ کی تدریس کے لئے قابل ترین علماء فضلاء کی خدمات حاصل کی گئی تھیں ۔ یونیورسٹی کی جامع مسجد میں پانچ وقت نمازِ باجماعت اور جمعے کے خطبے کا اہتمام تھا ۔ مولانا ابو بکر صاحب یونیورسٹی شعبۂ دینیات کے ڈین تھے جو جمعے کا خطبہ بھی ارشاد فرماتے تھے ۔

علی گڑھ کا طالبِ علم عام صوبائی تعصب سے پاک تھا ۔ اس کا دل قومی خدمت کے جذبے سے معمور ہوتا تھا ۔ وہ روزانہ مسجد میں جا کر نمازِ باجماعت ادا

کرتا، پابندی سے روزے رکھتا اور دل لگا کر تعلیم حاصل کرتا ۔ مباحثوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا اور کھیل کے میدان میں بھی اول درجے کا کھلاڑی ہوتا ۔ علی گڑھ یونیورسٹی نے برِصغیر کے مسلمانوں میں ایک نئی روح پھونک دی جس سے مسلمانوں میں اتحاد پیدا ہوا ۔ علی گڑھ کا تعلیم یافتہ صوبائی ، علاقائی اور فرقہ وارانہ عصبیتوں سے ہمیشہ کنارہ کش رہا ۔ وہ پوری مسلم برادری کو ایک قوم اور ایک ملت تصور کرتا تھا، بعد میں اسی اتحاد اور ذہنی یکجہتی کی وجہ سے پاکستان وجود میں آیا ۔

مسلم کالج اپنی مدد آپ کے اصول پر قائم کیا گیا تھا ۔ اس کے قیام سے پہلے مشنری سرکاری اسکول اور کالج موجود تھے لیکن ان میں مسلمانوں کی دینی تعلیم کا کوئی انتظام نہیں تھا ۔ سرسید فرمایا کرتے تھے کہ اگر سرکاری اسکول اور کالج ہماری تعلیمی ضرورت کو پوار نہیں کرتے تو ہمیں چاہیئے کہ ہم خود اپنے اسکول اور کالج قائم کریں ۔ بہت سے اہل علم اور صاحبِ ثروت مسلمانوں نے سرسید کے تعلیمی منصوبے کو عملی جامہ پہنانے میں دامے ، درمے قدمے سخنے ان سے تعاون کیا ۔

صاحبِ علم اور صاحبِ ثروت مسلمانوں کے علاوہ مسلمان عوام نے بھی مالی امداد دی ۔ کالج زیادہ تر قوم کے خرچ پر بنا اور قوم ہی کے خرچ پر چلتا رہا ۔ کالج کے ہر طالب علم کے لئے دینیات اور اسلامی تاریخ کا مطالعہ لازمی تھا ۔ ان مضامین میں ناکام ہونے والے طلباء کو اگلی جماعت میں ترقی نہیں دی جاتی تھی ۔ مذہبی تعلیم سے طلباء کا اخلاق و کردار سنورتا تھا اور تاریخ اسلامی کے مطالعے سے انہیں اپنے شاندار ماضی اور ہر شعبۂ حیات میں اپنے اسلاف کے کارناموں سے کماحقہ واقفیت حاصل ہوتی تھی ۔

علی گڑھ یونیورسٹی اپنی اعلیٰ کارگردگی کی وجہ سے بہت جلد مقبول ہو گئی ۔ نہ صرف ہندوستان کے چپے چپے میں اس کی شہرت کے ڈنکے بجنے لگے بلکہ بیرون ملک بھی اس کا چرچا ہونے لگا ۔ تھوڑے ہی عرصے میں یونیورسٹی پورے برِصغیر میں مسلمانوں

کا مرکزی ادارہ بن گئی ۔ سنہ ۱۹۴۰ء سے تحریکِ پاکستان چلی تو علی گڑھ میں اِس تحریک کی جوش و خروش سے پذیرائی ہوئی ۔ قائدِ اعظم علی گڑھ کے طلباء کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور انہیں قوم کا سب سے زیادہ قیمتی سرمایہ سمجھتے تھے ۔ وہ سال میں کم از کم ایک مرتبہ علی گڑھ ضرور تشریف لاتے تھے اور پورے سال کے سیاسی واقعات پر تبصرہ فرماتے تھے ۔ تحریکِ پاکستان میں علی گڑھ کے طلباء نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ۔ انہوں نے شہروں ، قصبوں اور دیہات میں ہر جگہ جا کر مسلم لیگ کا پیغام گھر گھر پہنچایا اور پاکستان کے قیام میں ہر طرح مدد کی ۔

سنہ ۱۹۳۴ء میں جب میں نے مسلم یونیورسٹی میں داخلہ لیا تو اس وقت سرسید خاں کے پوتے سر راس مسعود یونیورسٹی کے وائس چانسلر تھے ۔ اعلیٰ درجے کی قابلیت کے مالک تھے ۔ مجھے ان سے عیدالفطر کے دن ملاقات کا شرف حاصل ہوا جب کہ ہم آٹھ دس طلباء ان کی کوٹھی پر عید کی مبارک باد دینے گئے ۔ بڑی شفقت سے پیش آئے ۔ شیرینی سے ہماری خاطر مدارات کی ۔

میں نے کالج کے قریب ہی ایک ہوسٹل میں داخلہ لیا جو مارلین کورٹ کے نام سے مشہور تھا دوسرے ہوسٹلوں کے مقابلے مں یہ ہوسٹل سستا تھا ۔ اس میں تقریباً پانچ سو طلباء رہتے تھے ۔ نذرالاسلام اس ہوٹل کے وارڈن تھے جو پی ایچ ۔ ڈی کے طالبِ علم تھے ۔ میں اس ہوسٹل کے ہر کمرے میں فرصت کے وقت جا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت بیان کیا کرتا تھا اور قیام نماز کا اہتمام کرتا تھا ۔

میں نے ایم ۔ اے کے لئے عربی کا مضمون منتخب کیا ۔ شعبۂ عربی کے سربراہ ڈاکٹر اسپلیس تھے جو جرمنی کے باشندے تھے ۔ جرمن ہونے کے باوجود ان کا قرآن و حدیث اور عربی ادب کا اچھا مطالعہ تھا ۔ وہ ہمیں تاریخ اسلام پڑھایا کرتے تھے اور تھیسس (thesis) تیار کرنے میں رہنمائی کیا کرتے تھے ۔ نہایت خلیق اور مشفق انسان تھے ۔ مسلمان ہوگئے تھے لیکن اس کا اظہار نہیں کرتے تھے ۔ مولانا عبدالعزیز

میمن اسسٹنٹ انچارج تھے ۔ علم کے سمندر تھے ۔ ہمیں عربی نظم پڑھایا کرتے تھے ۔ قیامِ پاکستان کے بعد وہ اورینٹل کالج لاہور تشریف لے آئے تھے ۔ ڈاکٹر عبدالعلیم ہمیں عربی نثر پڑھایا کرتے تھے ۔ وہ جامعۂ ملیہ دہلی کے فارغ التحصیل تھے ۔ بہت کم لڑکے ایم ۔ اے میں عربی لیتے تھے ۔ ہماری کلاس ایم ۔ اے سال اول میں صرف سات طالب علم تھے ۔

گرمیوں میں بعد نمازِ ظہر اور سردیوں میں بعد نمازِ عشاء لاء یعنی قانون کی کلاس لگتی تھی اس شعبے کے انچارج ڈاکٹر عبدالخالق ایڈوکیٹ تھے ۔ میں نے اس کلاس میں بھی داخلہ لیا ہوا تھا ۔ میں نے ایل ایل ۔ بی سال اول فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا تھا ۔ ایم ۔ اے ، فائنل کا امتحان اپریل میں ہوتا ہے اور ایل ایل ۔ بی فائنل کا امتحان جون میں ہوا کرتا تھا ۔ میں ایم ۔ اے فائنل کا امتحان دے کر فیروز پور واپس آگیا اور ایل ایل ۔ بی کے اگرچہ لکچر پورے تھے لیکن ناسازگار حالات کی وجہ سے امتحان میں شامل نہ ہو سکا ۔

کنووکیشن سے علامہ اقبال اور نظام دکن کا خطاب

سنہ ۱۹۳۴ء میں یونیورسٹی کے کنووکیشن کی تقریب سے علامہ اقبال نے خطاب کیا اور اپنے دستِ مبارک سے سندیں تقسیم کیں ۔ خطاب کے بعد بے شمار طلباء علامہ اقبال کے گرد جمع ہو گئے اور ان سے آٹوگراف لینے کی کوشش کی ۔

سنہ ۱۹۳۵ء میں سر ضیاء الدین مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر مقرر ہوئے بڑی صلاحیتوں اور قابلیت کے مالک تھے ۔ یورپ میں ریاضی کے مضمون میں ریکارڈ قائم کر چکے تھے ۔ ان کی تقریر بھی بڑی پرمغز اور مدلل ہوا کرتی تھی ۔ انہوں نے اپنے دورِ اقتدار میں ہز میجسٹی میر عثمان علی خان نظام دکن کو سالانہ کنووکیشن کی صدارت کے لئے مدعو کیا تھا ۔ ان کے ہمراہ دونوں شاہزادے اعظم اور معظم اور ان کی

بیگمات بھی تشریف لائی تھیں ۔ شہزادوں کے بیگمات ترکی کے خلیفہ عبدالحمید کی صاحبزادیاں تھیں ۔ اس موقعے پر یونیورسٹی کو دلہن کی طرح سجایا گیا تھا ۔ شاہی خاندان کے استقبال کے لئے پوری یونیورسٹی امڈ آئی تھی ۔ اس تقریب میں شرکت کرنے کے لئے ہندوستان کے دوسرے صوبوں اور بڑے شہروں سے زعمائے ملت ، اہل علم اور دانشور بھی بڑی تعداد میں آئے تھے ۔ ہر طرف میلے کا سا سماں تھا ۔ یہ تقریب عالمگیر اسلامی اخوت اور برداری کا عجیب و غریب منظر پیش کر رہی تھی ۔ یہ تقریب بلا مبالغہ حکیم الامت علامہ اقبال کے اس شعر

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

کی ایک منہ بولتی تصویر تھی ۔

عطاء اللہ شاہ بخاری کا مسلسل سات گھنٹے تک خطاب

یونیورسٹی کے طلباء کی اپنی ایک یونین تھی جس کے عہدیداروں کے سالانہ انتخابات جمہوریت کا مظہر تھے ۔ انتخابات میں کسی قسم کی بدعنوانی یا بے ضابطگی نہیں ہوتی تھی ۔ کوئی شخص بھی جیتنے والے امیدوار کے بارے میں یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ دھاندلی دھونس دھن سے جیت گیا ۔ بلکہ ہارنے والے امیدوار بھی نہایت خندہ پیشانی اور کشادہ دلی سے اپنی شکست کو تسلیم کرتے ہوئے اپنے کامیاب حریف کو مبارک دیتے تھے ۔ ان انتخابات میں ہر امیدوار آزادی اور سکون سے کینوسنگ کرتا تھا ۔ تمام امیدواروں کو بڑی قدر و منزلت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا ۔ انتخابات کے موقعے پر امیدواروں یا ان کے حامیوں کے درمیان کسی قسم کی تلخی یا کشیدگی نہیں ہوتی تھی ۔ طلباء کی یونین کا ایک عالیشان ہال تھا جس میں ہزاروں طلباء کے بیٹھنے کا

معقول انتظام تھا۔ یہاں آئے دن کبھی مباحثے ہوتے، کبھی ادبی مقالے پڑھے جاتے
کبھی مشاعرے اور کبھی تقریری مقابلے ہوتے۔ یہ سب پروگرام یونین کے زیر
انتظام ہوتے تھے۔ اس طرح طلباء کو فن تحریر و تقریر کی تربیت حاصل کرنے کے
عمدہ مواقع نصیب ہوتے تھے بلکہ انہیں اپنی انتظامی صلاحیتوں کے اظہار کے مواقع
بھی حاصل ہوتے تھے۔ اس یونین نے بہترین مقرر اور ادیب پیدا کئے، برصغیر کے
بہت سے ممتاز اور منفرد شعراء کی صلاحیتوں کو پروان چڑھایا بلکہ بام شہرت و
مقبولیت تک پہنچایا جیسے مجاز، شکیل بدایونی وغیرہ۔ بیرونی ملکوں سے جو بھی مشہور
سیاسی رہنما یا ممتاز دانشور ہندوستان آتا وہ علی گڑھ کے یونین ہال میں طلباء سے ضرور
خطاب کرتا۔ بیرونی ملکوں کے رہنماؤں اور دانشوروں کے علاوہ ہندوستان کے مختلف
علاقوں سے تعلق رکھنے والے ممتاز دانشور، سیاست داں اور اعلیٰ پائے کے خطیب
اکثر و بیشتر علی گڑھ یونیورسٹی آیا کرتے تھے۔ میں جس زمانے میں علی گڑھ
یونیورسٹی میں زیر تعلیم تھا علامہ اقبال ترکی کی خالدہ ادیبہ خانم، مشہور ماہر تعلیم اور
جامعہ ملیہ دہلی کے وائس چانسلر ڈاکٹر ذاکر حسین خان جو ہندوستان کی آزادی کے بعد
ہندوستان کے صدر مملکت بھی رہے۔ ہز میجسٹی نظام دکن نواب اسمٰعیل خاں اور
مولانا عطاءاللہ شاہ بخاری نے طلباء سے خطاب کیا۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے
حضور صلعم کی سیرتِ مبارکہ پر تقریر فرمائی تھی۔ وہ رات نو بجے تقریر کرنے کھڑے
ہوئے اور صبح چار بجے تک مسلسل تقریر کرتے رہے۔ یعنی انہوں نے مسلسل سات
گھنٹے تک تقریر کی۔ یہ بات ان کے لئے نئی نہیں تھی لوگ مرحوم سید عطاء اللہ شاہ
بخاری سے واقف ہیں وہ پوری رات مسلسل تقریریں کرتے رہے ہیں۔ ان کی
خطابت کا ایک کمال یہ بھی تھا کہ جب چاہیں حاضرین اور سامعین کو ہنسا دیں اور
جب چاہیں رلا دیں۔ البتہ ان کی پراثر اور دل پذیر تقریر کی یہ بات ضرور قابل ذکر ہے
کہ تمام سامعین پوری طرح ہمہ تن گوش ہو کر گہری دلچسپی سے ان کی تقریر سنتے رہے

اور کوئی شخص اپنی جگہ سے نہیں اٹھا۔ جب انہوں نے تقریر ختم کی تو میں ان کے ہمراہ
ان کی قیام گاہ پر چلا گیا۔ شاہ صاحب مسلسل سات گھنٹے تک تقریر کرنے کے بعد
تھک کر چور ہو گئے تھے۔ وہ قیام گاہ پر پہنچتے ہی چارپائی پر لیٹ گئے۔ میں نے ان کے
جسم کو دبایا اور تقریباً ایک گھنٹے تک دباتا رہا۔ یہاں تک کہ ان کی آنکھ لگ گئی۔
میں بھی اسی کمرے میں لیٹ گیا۔ صرف ایک گھنٹہ سویا تھا کہ صبح کی اذان ہو گئی اور
ہم لوگ نماز ادا کرنے کی غرض سے مسجد چلے گئے۔

ڈاکٹر افضال حسین قادری سے میری ملاقات

ڈاکٹر افضال حسین قادری بیالوجی کے پروفیسر تھے۔ ان کے دل میں مسلم
قوم و ملت کو بیدار کرنے کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ انہوں نے ایک
سوسائٹی بھی قائم کی تھی یہ سوسائٹی ایسے پرجوش اور سرگرم عمل نوجوان تیار کرتی
تھی جو یونیورسٹی سے فارغ ہو کر قوم کو بیدار کرنے، انگریز اور ہندو کی غلامی سے
آزاد تعلیمی، اقتصادی اور سیاسی لحاظ سے مضبوط بنانے کے لئے بے لوث جذبہ والہانہ
رکھتے ہوں۔ میں بھی ایسی ہی شخصیت کی تلاش میں تھا۔ حسن اتفاق سے میرا ان سے
تعارف ہو گیا۔ تبادلۂ خیالات کے بعد ہمارے درمیان مخلصانہ تعلقات قائم ہوگئے۔
چونکہ ہم دونوں ہم خیال و ہم نظر تھے اور دونوں کا نصب العین بھی ایک تھا اس لئے
میں ان کی سوسائٹی کا ایک سرگرم رکن بن گیا۔ اس سوسائٹی میں صرف ایسے
نوجوانوں کو شامل کیا جاتا تھا جن میں قومی خدمت کی زبردست لگن ہوتی۔ سوسائٹی
کے اجلاس یونیورسٹی کے مختلف ہالوں میں ہوتے تھے۔ سوسائٹی کا بنیادی اور اعلیٰ
مقصد نوجوانوں کو خدمتِ ملی کی تربیت دینا تھا۔ پروفیسر سید ظفرالحسن صاحب، جو
شعبۂ [illegible] کے چیرمین تھے، سوسائٹی کے سرپرست تھے۔ بعض دفعہ ڈاکٹر صاحب
ہمیں باہر کھیتوں میں لے جاتے اور ہم سے فائرنگ کرواتے، نشانے کی مشق

کرواتے اور لاٹھی چلانے کی ٹریننگ دیتے ۔

جنگ کی تربیت دینے کے لئے سوسائٹی کا قیام

ہندو مہاسبھا اور اس کی متعدد نیم فوجی تنظیموں اور سرگرمیوں سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو چکی تھی کہ جلد یا بدیر ہندوستان کے کونے کونے میں بڑے پیمانے پر ہندو مسلم فساد ہو کر رہے گا ۔ اسی وجہ سے نیم فوجی ہندو اور سکھ تنظیمیں اپنے نوجوانوں کو جارحانہ اقدامات کی ہر شہر میں گلی گلی تربیت دے رہی تھیں مذکورہ بدیہی حقیقتوں سے چشم پوشی ممکن نہیں تھی ۔ ایسا کرنا نہ صرف خودکشی ہوتا بلکہ قوم سے دانستہ نہ سہی غیر نادانستہ غداری کے مترادف ہوتا ان حقائق کے پیش نظر یہ سوسائٹی برصغیر کے مختلف صوبوں سے یونیورسٹی میں آئے ہوئے مسلمان نوجوانوں کو کامیاب حملہ کرنے اور مؤثر دفاع کی تربیت دیتی تھی تا کہ یہ نوجوان ٹریننگ حاصل کر کے اپنے اپنے صوبوں کے مسلمانوں کو آنے والے خطرات سے آگاہ کریں اور ان کا بھرپو [illegible] توڑ دفاع کرنے کے لئے انہیں تیار کریں ۔ چنانچہ سوسائٹی کی تحریک پر وائس چانسلر صاحب نے یونیورسٹی میں بنوٹ کی تعلیم و تربیت کی منظوری دے دی اور ہر ہوسٹل میں ایک تنخواہ دار استاد مقرر کر دیا جو شام کے وقت طلباء کو حملہ کرنے اور حملے سے بچاؤ کرنے کی تربیت دیتا تھا ۔ طلباء کو لاٹھی اور گتکا چلانے کی مشق کراتا تھا ۔ میں اپنے ہوسٹل میں بنوٹ ٹیم کا کیپٹن تھا ۔ سب سامان جنگ میری تحویل میں تھا ۔

شام کے وقت ایک گھنٹہ ٹریننگ ہوتی تھی ۔ ہفتے کے بعد سوسائٹی کا اجلاس ہوتا تھا جس میں کام کی رفتار کا جائزہ لیا جاتا تھا اور آئندہ کا پروگرام تیار کیا جاتا تھا ۔ اس سوسائٹی نے نوجوانوں میں جہاد کی روح پھونک دی تھی ۔ اس کے علاوہ یونیورسٹی میں سوشلزم اور کیمونزم کے رجحانات کو بھی طلباء میں پھیلنے سے روک دیا

گیا تھا ۔ ہماری سوسائٹی کے سرپرست ڈاکٹر سید ظفرالحسن صاحب جو شعبہ فلسفہ کے سربراہ تھے ، فرمایا کرتے تھے کہ اسلام ایک عالمگیر تحریک ہے ۔ ہر مسلمان اس تحریک کا علمبردار ہے ۔ کافروں کی طاغوتی طاقتیں اس تحریک کے راستے میں زبردست رکاوٹیں بن رہی ہیں ۔ ان رکاوٹوں کو دور کرنے کے لئے مسلمان نوجوانوں کو دماغی اور جسمانی صلاحیتوں اور اہلیتوں سے مسلح کرنا ازبس ضروری ہے ۔ مسلمان نوجوان ایک طرف اسلام کے عالم باعمل ہوں اور دوسری طرف تلوار کے دھنی ہوں ۔ جدید آلاتِ حرب و ضرب کے بھی ماہر ہوں ۔ وہ صرف دفاع کے طریقوں ہی سے نہیں بلکہ کامیاب حملہ آور ثابت ہونے کے طریقوں سے بھی پوری طرح واقف ہوں ۔ ہماری سوسائٹی ان کے ارشادات کی روشنی میں کام کرتی رہی ۔ جہاں ہم نوجوانوں کو مسلم قوم کے شاندار ماضی سے روشناس کراتے تھے وہیں ہم عسکری تربیت کے پروگرام پر بھی عمل پیرا تھے ۔

تعلیم مکمل ہونے سے پہلے میری شادی

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی ایک خاص یونیفارم تھی ۔ سب طلباء اسی یونیفارم میں کلاسوں میں آتے تھے ۔ سیاہ شیروانی ، سفید علی گڑھ کا پاجامہ اور رومی ٹوپی (جسے عام طور سے ترکی ٹوپی کہا جاتا ہے) ہر طالبعلم یہی پہنتا تھا ۔ بڑا عجیب منظر نظر آتا تھا ۔ ایم ۔ اے سال اول اور ایل ایل ۔ بی سال اول کے امتحانوں سے فارغ ہونے کے بعد میں گرمیوں کی چھٹیوں میں فیروزپور چلا آیا ۔

یہاں یہ بتانا نامناسب نہ ہوگا کہ میرے ماموں قصبہ بگھرہ ضلع مظفر نگر (یوپی) میں رہتے تھے اور میں ان سے خط و کتابت کرتا رہتا تھا ۔ خدا جانے کیوں مولوی عبیداللہ صاحب کو شبہ ہوا کہ کہیں میرے ماموں اپنے یہاں میرا رشتہ نہ کر لیں ۔ حالانکہ میں پنجاب ہی میں پیدا[1] ہوا تھا وہیں پلا بڑھا تھا اور وہیں بی ۔ اے تک

تعلیم حاصل کی اس لئے مکمل طور پر پنجابی بن چکا تھا۔ ماموں کے ہاں شادی کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا کہ مجھے مستقل طور پر یو پی میں رہنا پڑتا۔ اس لئے شاید میں خود وہاں شادی کرنے سے گریز کرتا۔ بہرحال مولوی صاحب اور ان کے اہل خانہ نے اصرار کیا کہ نکاح کرلیا جائے اور رخصتی کی رسم علی گڑھ سے فارغ ہونے کے بعد ادا کی جائے۔ اس وقت میرے عزائم بہت بلند تھے۔ میری دلی خواہش تھی کہ علی گڑھ سے فارغ ہو کر میں انگلستان سے بیرسٹری کا امتحان پاس کروں۔ چونکہ مولوی عبیداللہ صاحب کے مجھ پر بہت احسانات تھے اس لئے میں ان کی اس خواہش کو رد نہ کر سکا۔ یہاں میں نے اپنی کمزوری کا ثبوت دیا کیونکہ شادی کے بعد میں اپنے گوہر مقصود یعنی انگلستان بیرسٹری کا امتحان پاس کرنے کے عزم سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ اس وقت میں شادی کے بعد کی ذمے داریوں کا صحیح اندازہ لگاسکا اور نہ احساس کر سکا اس لئے انگلستان جاکر بیرسٹر بننے کا ارادہ ایک خواب پریشاں بن کر رہ گیا۔ بیرسٹر بن کر قومی خدمات انجام دینے کی بجائے معلم بن کر قوم کی خدمت کرنے کا فیصلہ کرنا پڑا۔ یہی وجہ تھی کہ ایل ایل۔ بی فائنل کے تمام لیکچر پورے ہونے کے باوجود میں فائنل کے امتحان میں شریک نہیں ہوا۔ قصہ مختصر جون سنہ ۱۹۳۴ء میں محترمہ امت الرحمن ہمشیرہ عبیداللہ کے ساتھ میری شادی ہو گئی۔

موسم گرما کی تعطیلات فیروز پور میں گذارنے کے بعد میں پھر علی گڑھ چلا گیا۔ ایم۔ اے فائنل کی تیاری زور شور سے شروع کردی۔ ایل ایل۔ بی فائنل کی کلاس میں بھی باقاعدگی سے حاضری دیتا رہا۔ سوسائٹی کا پروگرام بھی جاری رکھا۔ اب میری دلی آرزو یہی تھی کہ ایم۔ اے فائنل کا امتحان دے کر جلد از جلد واپس جاؤں اور اپنی ازدواجی ذمے داریوں کو پورا کروں۔ مجھے مارچ میں اطلاع ملی کہ لڑکی پیدا ہوئی ہے اور اس کا نام فرخندہ پروین رکھا گیا ہے۔ چنانچہ میں اپریل میں ایم۔ اے فائنل کا امتحان دے کر واپس فیروز پور چلا گیا اور ایل ایل۔ بی فائنل کے امتحان کے

لئے جو مئی میں ہونا تھا، نہیں ٹھہرا۔ گھر جاکر بچی کو دیکھا۔ بڑی پیاری بچی تھی۔ اس کی پرورش، تعلیم و تربیت کے متعلق اسکیمیں سوچی جانے لگیں۔ اب میں نے محکمۂ تعلیم میں ملازمت کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا لیکن اس کے لئے بی۔ ٹی کی ٹریننگ ضروری تھی۔ وسائل کی ضرورت تھی۔ بیوی بچے کی ذمے داریاں بھی تھیں ان سب ضرورتوں کی تکمیل کے لئے مستقل آمدنی کی ضرورت تھی۔ لہذا میں نے ملازمت کی تلاش شروع کردی۔

تکمیل تعلیم کے بعد تدبیر منزل

پہلی ملازمت ہیڈ کلرک کی ملی

میں ملازمت کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا تھا کہ حسن اتفاق سے پیرزادہ انوارالحق صاحب ریٹائرڈ تحصیلدار سے ملاقات ہو گئی ۔ وہ اس وقت بہک اسٹیٹ کے منیجر تھے ، بہک اسٹیٹ کے مالک میاں محمد حیات کا انتقال ہو گیا ۔ ان کا صرف ایک ہی لڑکا محمد سرور تھا جو نابالغ تھا ۔ اس اسٹیٹ میں سات مواضعات تھے جن کا رقبہ سات ہزار ایکڑ اراضی پر مشتمل تھا اس لئے حکومت نے کورٹ آف وارڈ کے تحت اسٹیٹ کا انتظام خود سنبھال لیا اور پیرزادہ مذکور کو اسٹیٹ کا منیجر مقرر کردیا ۔ اس کورٹ آف وارڈ میں ہیڈ کلرک کی اسامی خالی تھی ۔ منیجر نے اسی اسامی پر میرے تقرر کی منظوری حاصل کر لی ۔ چنانچہ میں نے جون سنہ ۱۹۳۶ء میں اسٹیٹ میں بطور ہیڈ کلرک چارج سنبھال لیا اور اپنے اہل و عیال کو وہاں لے گیا ۔ تقریباً ایک سال تک وہاں کام کیا ۔ بی ۔ ٹی کی ٹریننگ حاصل کرنے کے لئے رقم پس انداز کی ۔ اس عرصے میں میں نے دیہی زندگی کا بہت قریب سے بغور مطالعہ کیا ۔ اس اسٹیٹ کی آبادی مسلمان تھی ۔ لوگ جہالت ، تعلیمی پسماندگی ، توہمات اور اقتصادی بدحالی کا شکار تھے ۔ مزارعین کی اکثریت تھی ۔ مزارعین زمینداروں کے رحم و کرم پر تھے اور غلامی کی زندگی بسر کررہے تھے ۔ مالکان آپس کے تنازعات میں الجھ کر بے تحاشا روپیہ عدالتی کارروائیوں کی نذر کردیتے تھے ۔ ہر گاؤں میں ایک ہندو بنیا ہوتا تھا جو وہاں کی تجارت اور کاروبار پر چھایا ہوا تھا ۔ دیہات کی ساری تجارت ہندوؤں کے ہاتھ میں تھی ۔ علاقے کے بڑے چھوٹے سارے زمیندار بنیئے کے مقروض ہوتے تھے جو انہیں سود در سود کے چکر میں پھنسا کر ان کی زمینوں کا بھی مالک بن جاتا تھا ۔ قصہ مختصر علاقے کے مسلمانوں کی خواہ وہ زمیندار ہوں یا غریب مزارع سب کی حالت پتلی تھی

پوری معیشت پر ہندو چھائے ہوئے تھے ۔ ان حالات کا جائزہ لینے کے بعد میں نے محسوس کیا کہ اس علاقے میں کام کرنے کی شدید ضرورت ہے ۔ یہاں کے مسلمانوں کو زبوں حالی سے نکالنے کے لئے ایک بڑی مہم درکار ہے ۔

اسلامیہ اسکول فاضلکا میں بطور ہیڈ ماسٹر

ایک سال گذرنے کے بعد کورٹ آف وارڈ ٹوٹ گیا کیونکہ پیر محمد سرور بالغ ہو چکا تھا اور چیف کالج سے فارغ التحصیل ہو چکا تھا ۔

میں نے ملازمت سے فارغ ہوتے ہی اپنے اہل و عیال کو ان کی ننھیال میں چھوڑا اور خود سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور میں بی ۔ ٹی کلاس میں داخلہ لے لیا ۔ اس طرح سنہ ۱۹۳۷ء ٹریننگ میں گذرا ۔ اس دوران میں بھی میں حضرت لاہوری رحمتہ اللہ علیہ کے درس اور خطبات جمعہ میں پابندی سے حاضری دے کر روحانی فیض حاصل کرتا رہا ۔ جون سنہ ۱۹۳۸ء میں ٹریننگ سے فارغ ہو کر پھر فیروز پور چلا آیا اور کچھ عرصے مجلس احرار اسلام فیروز پور شہر کا سیکریٹری بن کر قومی خدمت انجام دیتا رہا ۔ اسی اثناء میں خان شمس الدین خاں صاحب فیروز پور تشریف لائے ۔ وہ فاضلکا کی ایک معزز شخصیت تھے ، عرائض نویس تھے اور انجمن اسلامیہ فاضلکا کے پریذیڈنٹ تھے اور قومی خدمت کے جذبے سے سرشار تھے ۔ اسلامیہ مڈل اسکول جہاں سے میں نے مڈل پاس کیا تھا ، اسی انجمن کے زیر اہتمام تھا ۔ چوہدری کرم الہٰی مراد بی ۔ اے ، بی ۔ ٹی جو اس اسکول کے ہیڈ ماسٹر تھے مستعفی ہو کر چلے گئے تھے اس لئے ہیڈ ماسٹر کی اسامی خالی تھی ۔ خاں صاحب خاص طور پر اس اسامی پر کام کرنے کے لئے مجھے رضا مند کرنے کی غرض سے تشریف لائے تھے انہوں نے فرمایا کہ آپ کے والد مرحوم نے بھی اس ادارے میں بطور مدرس اسلامیات خدمات انجام دی ہیں ۔ خود آپ نے بھی ابتداء میں اسی ادارے سے فیض حاصل کیا ہے اور وہاں کے لوگوں نے آپ کی

خدمت کی ہے اب آپ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اپنی ذاتی کوششوں سے اس قابل ہو گئے ہیں کہ اس ادارے کی اور یہاں کے لوگوں کی خدمت کریں ۔ مجھے فاضلکا کے مسلمانوں نے خصوصی طور پر اسکول کے لئے آپ کی خدمات حاصل کرنے کے لئے بھیجا ہے ۔ آپ یہ ذمے داری قبول کریں ۔ میں نے قومی خدمت کے اس موقعے کو غنیمت جان کر اس پیشکش کو بلاچوں وچرا کے قبول کر لیا ۔

۱۸ جون سنہ ۱۹۳۸ء کو اسلامیہ مڈل اسکول فاضلکا کا چارج بطور ہیڈ ماسٹر سنبھال لیا ۔ یہ میری ان خواہشات کی تکمیل تھی جو میں اس اسکول کے زمانہ طالب علمی میں کیا کرتا تھا اور سمجھا کرتا تھا کہ ہیڈ ماسٹر سے بڑا اور معزز کوئی شخص ہو ہی نہیں سکتا میں نے اللہ تبارک و تعالیٰ کا صمیم قلب سے شکر ادا کیا کہ اس نے مجھے اپنے ابتدائی قومی ادارے اور اپنے علاقے کی خدمت کرنے کا موقع عطا فرمایا ۔ اس اسکول میں صرف آٹھ جماعتیں تھیں اور ہر جماعت کا صرف ایک ہی سکشن تھا ۔ اسکول کا عملہ صرف آٹھ اساتذہ پر مشتمل تھا جس میں ایک بی ۔ ٹی ، ایک جے اے وی ، دو ایس وی اور چار جے وی تھے ۔ ادنیٰ ملازمین میں ایک چپراسی ، ایک سقہ اور ایک خاکروب تھا ۔ عمارت سات کلاس روم ، ایک دفتر ، ایک بورڈنگ ہاؤس اور پانچ رہائشی کوارٹرز پر مشتمل تھی ۔ بورڈنگ ہاؤس کے دو رہائشی کمرے بڑے سائز کے تھے جن میں تیس بورڈرز کی گنجائش تھی ایک دفتر سپرنٹنڈنٹ اور ایک کچن تھا ۔ طلباء کی کل تعداد تین سو تھی ۔ تین ایکڑ رقبے میں فٹبال اور ہاکی گراؤنڈ موجود تھی ۔ گھاس کے پلاٹ اور پھولوں کی کیاریاں بھی تھیں ۔ ایک چھوٹا سا رہٹ تھا جو ایک جھوٹے سے چلتا تھا ۔ انجمن کے پاس کوئی فنڈ موجود نہیں تھا ۔ اسکول کے اخراجات فیسوں ، سرکاری گرانٹ اور سالانہ اجلاس کے چندوں سے پورے ہوتے تھے ۔

فاضلکا کا مختصر تعارف

قصبہ فاضلکا تحصیلی صدر مقام تھا ۔ یہاں کا انتظامی افسر ایس ۔ ڈی ۔ او تھا ، [تح]صیلدار ریونیو افسر اور ڈی ۔ ایس ۔ پی پولیس افسر تھے ۔ قصبے کی کل آبادی تیس [ہز]ار نفوس پر مشتمل تھی ۔ اکثریت ہندوؤں کی تھی ، مسلمان آبادی کا تناسب ایک [تہ]ائی تھا ۔ میونسپل کمیٹی کا چیرمین ہندو ہوا کرتا تھا ۔ مسلمانوں کی آبادی زیادہ تر [ق]صاب ، کھٹک ، اوڈ ، لوہار ، میواتی ، ڈبکر اور ملکوں پر مشتمل تھی جو تعلیمی اور [اقت]صادی لحاظ سے بہت زیادہ پسماندہ تھی ۔ یہ قصبہ اون کی تجارت کا مرکز تھا ۔ [تج]ارت زیادہ تر ہندوؤں کے ہاتھ میں تھی ۔ دیہات میں مسلمانوں کی اکثریت تھی جو [عا]م طور پر زراعت پیشہ تھے اور ہندو بنیوں کے مقروض تھے ۔ یہاں بھی مسلمان [آب]ادی کی حالت تقریباً ویسی ہی تھی جیسی بہک اسٹیٹ میں تھی یعنی ہندو بنئے یہاں [م]سلمان زمینداروں کو سود در سود کے جال میں پھنسا کر مسلمان زمینداروں کی [زمی]نوں پر آہستہ آہستہ قبضہ کرتے جا رہے تھے ۔ مسلمان اپنے حال میں مست ، ایک [دو]سرے کے خلاف مقدمہ بازی ، جہالت ، توہمات ، غربت و افلاس اور قد[یم ر]سومات کے چکر میں پھنسے ہوئے تھے ۔ بڑے بڑے زمیندار اپنی زمینیں اور دماغ [عی]اشیوں اور مقدمہ بازیوں میں ضائع کر رہے تھے ۔ یہاں بھی دوسرے علاقوں کی [ط]رح اصلاحی و فلاحی کام کرنے ، مسلمان زمینداروں اور عوام الناس کو خوابِ غفلت [س]ے جگانے کے وسیع مواقع تھے ۔

قصبے میں ایک گورنمنٹ ہائی اسکول لڑکوں کے لئے اور ایک ہائی اسکول [لڑ]کیوں کے لئے تھا ۔ دو پرائمری اسکول میونسپلٹی کے اور ایک ہندو مہاسبھا کا تھا ۔ [گو]رنمنٹ ہائی اسکول میں عام طور پر ہندو ہیڈ ماسٹر ہوتا تھا ۔ اسٹاف میں بھی ہندو اور [سکھ] اساتذہ کی غالب اکثریت تھی ۔ مسلمان آبادی میں بالعموم بچوں کو تعلیم دینے کا [رجح]ان نہیں تھا ۔ جو مسلمان بچے مدارس میں داخل ہوتے ان میں سے بہت قلیل

تعداد مڈل یا میٹرک تک پہنچ پاتی ۔ ایک تو مسلمان آبادی میں اپنے بچوں کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کرنے کا شوق ہی نہیں تھا دوسرے افلاس و غربت کی وجہ سے وہ بچوں کو ایسے کاموں پر لگاتے جن سے تھوڑی بہت آمدنی ہو سکے ۔ اس کے علاوہ مڈل یا ہائی اسکول تک پہنچنے والے گنے چنے مسلم طلباء کی حوصلہ افزائی کرنے کی بجائے اسکول کے ہندو ٹیچروں کی طرف سے بہت زیادہ ان کی دل شکنی کی جاتی تا کہ وہ بددل ہو کر خود ہی تعلیم کا سلسلہ منقطع کر دیں ۔ مسلم طلباء کو اسکول کی طرف سے دی جانے والی مراعات سے محروم رکھا جاتا ۔ معمولی معمولی فروگذاشتوں پر انہیں سخت جسمانی سزائیں دی جاتیں اور ان کے ساتھ ذلت آمیز رویہ اختیار کیا جاتا ۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اس قصبے کی کم از کم دس ہزار مسلم آبادی میں سے بمشکل پانچ سات مسلم طلباء میٹرک کر پاتے ۔ قصبے سے کوئی بارہ میل کے فاصلے پر ایک بستی ابوہر تھی ۔ وہاں بھی صرف ایک میونسپل ہائی اسکول برائے طلباء چل رہا تھا ۔ وہاں بھی مسلمان طلباء کے ساتھ ویسا ہی سلوک روا رکھا جاتا جیسا کہ فاضلکا کے گورنمنٹ ہائی اسکول میں روا رکھا جا رہا تھا ۔ اس وقت فاضلکا میں اسلامیہ مڈل اسکول ہی ایک ایسا ادارہ تھا جو کسی حد تک مسلمانوں میں تعلیم کو فروغ دے رہا تھا ۔

اسلامیہ مڈل اسکول کی مجلسِ منتظمہ

اسلامیہ مڈل اسکول فاضلکا کی انتظامیہ حسبِ ذیل ممبروں پر مشتمل تھی ۔

(۱) خان شمس الدین خاں صاحب ۔ عرائض نویس ۔ — صدر
(۲) چوہدری علی احمد صاحب بی ۔ اے ، ایل ایل ۔ بی ۔ — سیکریٹری
(۳) چوہدری رب نواز صاحب بی ۔ اے ، ایل ایل ۔ بی (وکیل)۔ — منیجر
(۴) میاں محمد بشیر صاحب چنیوٹی (تاجر پشم) — نائب صدر
(۵) چوہدری محمد اسمٰعیل صاحب بی ۔ اے ، ایل ایل ۔ بی (وکیل)۔ — (ممبر انتظامیہ)
(۶) چوہدری محمد حسن صاحب بی اے ، ایل ایل ۔ بی (وکیل) — (ممبر انتظامیہ)

(۷) چوہدری دین محمد صاحب (تاجر پشم) — (ممبر انتظامیہ)
(۸) مولوی پیر محمد صاحب ، وکیل ۔ — سرپرستِ انجمن

میں چونکہ فاضلکا میں اپنی ابتدائی زندگی کے سولہ سال گذار چکا تھا اس لئے علاقے کے لوگ مجھے اور میں علاقے کے لوگوں کو اور یہاں کے مسائل کو اچھی طرح جانتا تھا ۔ اس لئے علاقے کے لوگ بحیثیت ہیڈ ماسٹر میری تقرری سے بہت خوش ہوئے ۔ انہوں نے میرا بڑا شاندار استقبال کیا اور میں جب تک فاضلکا میں رہا مجھے ان کا بھرپور تعاون حاصل رہا ۔

انجمن کی انتظامیہ نے بھی ہمیشہ مجھ سے تعاون کیا ۔ صدرِ انجمن نہایت سلجھے ہوئے خیالات رکھتے تھے اور ان کا طرز فکر و عمل مثبت تھا ۔ انہوں نے مجھ پر بھروسہ کیا اور کبھی میرے اقدامات اور نظم و نسق میں بلا واسطہ یا بالواسطہ مداخلت نہیں کی ۔ ان کی مالی حالت اتنی زیادہ اچھی نہیں تھی کہ وہ اسکول کی خاطر خواہ مدد کر سکتے بہرحال میرے ساتھ ان کا سلوک بہت اچھا تھا ۔

چوہدری علی احمد صاحب ، وکیل بلا کے ذہین و فطین تھے ۔ وہ بہترین منتظم اور سختی سے نظم و ضبط کے پابند تھے ۔ اپنے علاقے میں بڑے اثر و رسوخ کے مالک تھے ۔ اسکول کے بارے میں میرے مشورے عام طور پر قبول کرتے تھے ۔

خان رب نواز خاں ، وکیل فیروزپور سے آئے تھے ۔ وکالت کا حال پتلا ہی تھا مسلم لیگ کے بہت سرگرم اور پرجوش کارکن تھے ۔ فاضلکا میں مسلم لیگ کو انہوں نے شب و روز محنت کر کے منظم کیا ۔ تقریریں کرنے کا انہیں بہت زیادہ شوق تھا ، میرے چارج سنبھالنے سے پہلے وہ اسکول کے منیجر تھے ۔ اسکول کے معاملات میں آئے دن مداخلت کرتے رہتے تھے ۔ سابق ہیڈ ماسٹر چوہدری بی ۔ اے ، بی ۔ ٹی سے بلامبالغہ ان سے روزانہ چھائیں چھائیں ہوتی رہتی تھی ۔ ان کے نازیبا سلوک سے

تنگ آکر ہی چوہدری عبدالکریم صاحب مستعفی ہو کر چلے گئے تھے ۔ چوہدری عبدالکریم صاحب بلاشبہ قابل ہیڈ ماسٹر تھے ۔ انہیں صرف تین سال کام کرنے کا موقع ملا ۔

چوہدری محمد اسمٰعیل صاحب ، وکیل میرے زمانے میں اسکول کے منیجر تھے ۔ وہ زمیندار بھی تھے اور وکالت بھی کرتے تھے ۔ نہایت ہی شریف النفس اور شریف الطبع وہ بی ۔اے میں چوہدری عبدالستار صاحب کے کلاس فیلو بھی رہ چکے تھے میرے ساتھ خوش دلی سے بھرپور تعاون کرتے تھے ۔ جہاں تک میرا حافظہ کام کرتا ہے انہوں نے کبھی میری کسی تجویز کو رد نہیں کیا اور نہ کبھی اسکول کے انتظامی امور میں مداخلت کی ۔

چوہدری محمد حسن ، وکیل بھی زمیندار تھے اور فاضلکا میں وکالت بھی کرتے تھے ۔ مڈل تک میرے کلاس فیلو بھی رہے تھے ۔ اس لئے ہم دونوں ایک دوسرے کو خوب جانتے اور سمجھتے تھے ۔ چوہدری محمد اسمٰعیل کے بیمار ہونے پر وہ اسکول کے مینیجر بھی ہو گئے تھے ۔ کبھی کبھی اسکول کا چکر ضرور لگاتے ۔ میری مشکلات اور مسائل دریافت کرتے اور نہایت خندہ پیشانی سے انہیں حل کرنے میں میری مخلصانہ مدد کرتے لیکن میرے انتظام میں کسی قسم کی مداخلت نہ کرتے ۔

میاں محمد بشیر صاحب چنیوٹی ، میاں الٰہی بخش چنیوٹی اور شیخ فیروز الدین ، اون کے بڑے تاجر تھے اور ساتھ ہی ساتھ کمیشن ایجنٹ بھی تھے ۔ یہ گروپ کسی معاملے پر انجمن کی انتظامیہ سے ناراض ہو گیا تھا اس لئے انتظامیہ کی کسی میٹنگ میں شرکت نہیں کرتا تھا ۔ اور اسکول کی امداد سے بھی دستکش ہو گیا تھا ۔ میں نے ان تینوں اصحاب سے آہستہ آہستہ ربط و ضبط بڑھانا شروع کیا اور کچھ عرصے بعد ان کی تمام غلط فہمیاں اور تلخیاں دور کرنے میں کامیاب ہو گیا ۔ وکلاء حضرات سے بھی ان کی صلح صفائی کرادی گئی ۔ اس کے بعد یہ لوگ انتظامیہ کی میٹنگوں میں شرکت

کرنے لگے اور اسکول کی مالی اعانت بھی شروع کردی ۔ اسی طرح چوہدری دین محمد تاجر چشم کو جو قوم قصاب کے سربراہ تھے ، انتظامیہ میں شامل کر لیا گیا ۔ تاجر طبقے کی ہمدردیاں اور تعاون حاصل کرنے کے بعد میں نے زمیندار طبقے کی طرف رخ کیا ۔

زمیندار طبقے کے تعاون کے لئے کامیاب جدوجہد

میاں محمد سرور بودلہ تحصیل فاضلکا کے سب سے بڑے زمیندار تھے قصبے فاضلکا سے پانچ میل دور موضع بہک میں ان کی مستقل سکونت تھی ۔ چونکہ میں ان کی اسٹیٹ میں کورٹ آف وارڈ کے زمانے میں ایک سال تک ہیڈ کلرک رہ چکا تھا اس لئے میں ان کی نفسیات سے اور اسٹیٹ کے لوگوں سے اچھی طرح واقف تھا ۔ میں نے تقریباً ایک سال تک بہک کا چکر لگانا شروع کیا ۔ اس دوران میں میاں صاحب موصوف سے تقریباً ہر موضوع پر تبادلہ خیالات کرتا رہا ۔ ان ملاقاتوں اور تبادلہ خیالات کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے بہت زیادہ بے تکلف ہوگئے ۔ وہ بھی وکلاء حضرات سے کچھ بدظن تھے ۔ میں نے رفتہ رفتہ ان کی غلط فہمیاں دور کرنا شروع کردیں وہ بھی اب اسکول کی بہبودی میں دلچسپی لینے لگے یہاں تک کہ میں نے انہیں انجمن اسلامیہ فاضلکا کا صدر بننے پر آمادہ کرلیا ۔ چنانچہ آئندہ سال جب انتخاب ہوا تو انجمن کے صدر منتخب کرلئے گئے ۔ اسی طرح میاں جلال الدین صاحب بھنڈارہ کو بھی جو دیوان کھڈہ کے بڑے زمیندار شمار ہوتے تھے ، انجمن کی انتظامیہ کا ممبر بننے پر آمادہ کر لیا گیا اور اس طرح زمیندار طبقے کی ہمدردیاں بھی حاصل ہوگئیں ۔

**

اسکول کا عملہ

میں نے چارج لینے کے بعد اسٹاف کا جائزہ لیا۔ اساتذہ تقریباً سب کے سب محنتی اور دیانت دار تھے۔ سب نے بھرپور تعاون کا یقین دلایا۔ ایک ٹیچر ایسا تھا جس کا رویہ انتہائی منافقانہ تھا۔ وہ ظاہری طور پر نہایت ہی فرماں بردار، نہایت ہمدرد، بے حد وفادار خلیق اور متواضع تھا لیکن اس کا باطن صاف نہیں تھا یہ شخص میٹرک جے۔ اے وی تھا۔ اس نے لدھیانہ کے کسی ادارے سے ٹریننگ کی تھی۔ جب اسکول لوئر مڈل ہوا تو مولوی پیر محمد صاحب نے اسے بطور ہیڈ ماسٹر اسکول میں ملازم رکھا لیکن جب اسکول اپ گریڈ ہو کر مڈل ہوا تو یہ شخص سیکنڈ ہیڈ ماسٹر کی حیثیت سے کام کرنے لگا۔ یہ شخص پبلک سے، اسٹاف سے اور انجمن کے عہدیداروں سے خوب بنا کر رکھتا تھا اور اپنی نام نہاد دیانت، امانت داری اور بظاہر سخت کوشی سے سب کو متاثر کرنے کا فن جانتا تھا۔ اس کے زمانے میں بیسیوں ہیڈ ماسٹر آئے اور گئے اس نے کسی کے قدم جمنے نہیں دیئے۔ کسی کے خلاف اسٹاف کو تو کسی کے خلاف طالب علموں کو بھڑکا دیا۔ کسی کو اپنی ریشہ دوانیوں اور سازشوں کے ذریعے پبلک سے لڑا دیا اور کسی کے خلاف انتظامیہ کو بدظن کروایا۔ بعض ہیڈ ماسٹر صاحبان اسکول کو بام ترقی کا زینہ بنا کر استعمال کرتے رہے اور جب بھی کوئی اچھا موقع ملا، گورنمنٹ سروس ملی یا بورڈ کی سروس ملی تو اس موقعے سے فوراً فائدہ اٹھایا اور ہیڈ ماسٹری کو سلام کر کے چلے گئے۔ قصہ مختصر کسی ہیڈ ماسٹر نے نہ تو اسکول کی ترقی و توسیع اور نہ علاقے کے مسلمانوں کی تعلیمی ترقی کا کوئی منصوبہ بنایا۔ مولوی پیر محمد صاحب، وکیل جو اسکول کے بانی تھے اور جنہیں علاقے کے مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی کا شدید احساس تھا، ہمہ وقت اسی کوشش میں سرگرداں رہتے تھے کہ

مسلمانوں میں تعلیم کا شوق پیدا کیا جائے اور زیادہ سے زیادہ مسلمان لڑکے لڑکیوں کو اچھی تعلیم دینے کا انتظام کیا جائے۔ سوئے اتفاق سے ان کا ایک نہایت ہی باصلاحیت اور لائق فائق نوجوان لڑکا اچانک دستِ اجل کا شکار ہو گیا۔ یہ صدمہ اتنا شدید تھا جس کو مولوی پیر محمد صاحب برداشت نہ کر سکے ان کی شخصیت بکھر گئی اور وہ دماغی عارضے میں مبتلا ہو گئے۔ ساری سرگرمیوں سے کنارہ کش ہو کر خانہ نشیں ہو گئے اور اس طرح علاقے کے مسلمان ان کی بے لوث خدمات سے محروم ہو گئے۔ یہ کہنا خودستائی نہ ہو گا بلکہ بلاشبہ اظہارِ حقیقت ہو گا کہ میں پہلا اور واحد ہیڈ ماسٹر تھا جس نے علاقے کا سروے کرنے کے بعد مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی دور کرنے اور اسکول کو ہائی اسکول بنانے کا منصوبہ تیار کیا۔ اس ٹیچر نے جو منافقت کا پیکر تھا مسجد میں بیٹھ کر اور قرآن مجید ہاتھوں میں اٹھا کر مجھے اپنے بھرپور مخلصانہ تعاون کا یقین دلایا۔ لیکن اس کی منافقانہ جبلت کے باعث یہ عہد و پیماں دیرپا ثابت نہ ہوا اور جلد ہی اپنی منافقانہ روش پر گامزن ہو گیا اور اس نے میرے خلاف خفیہ طور پر سازشوں، ریشہ دوانیوں اور میری مخالفت کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اس کے ہتھکنڈوں کی مجھے اطلاعات ملنے لگیں لہذا میں بھی اپنی جگہ چوکس اور چوکنا ہو گیا۔

اسلامیہ پرائمری گرلز اسکول کا قیام

میں ساتویں اور آٹھویں جماعت کو انگریزی خود پڑھاتا تھا۔ اس کے علاوہ گرمیوں اور سردیوں میں آٹھویں جماعت کو زائد وقت دے کر فائنل کے امتحان کے لئے تیاری کرنے میں طلباء کی مدد کرتا تھا۔ دوسرے اساتذہ بھی میرے ساتھ تعاون کرتے اور زیادہ مستعدی سے کام کرتے تھے۔ ان کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ میرے اسکول کے نتائج ہمیشہ شاندار رہتے۔ پرائمری اور مڈل میں بھی طلباء وظائف حاصل کرتے۔ اس طرح میرے اسکول کی اعلیٰ کارکردگی کی وجہ سے میری مقبولیت میں بھی

دن دونا رات چوگنا اضافہ ہونے لگا۔ اسکول کے اچھے نتائج کی شہرت سن کر ہندو اور سکھ طلباء بھی اسکول میں داخل ہونے لگے۔

اب میں اپنی رفیقۂ حیات امت الرحمن کو بھی فاضلکا میں اپنے پاس لے آیا اور سیکنڈ ہیڈ ماسٹر کے ساتھ والے کوارٹر میں رہائش اختیار کر لی۔ دونوں کوارٹروں کی دیوار مشترک تھی۔ ہمارے دو بچے تھے فرخندہ پروین اور محمد اسلم خاں۔ میری رفیقۂ حیات نہایت سمجھدار، تعلیم یافتہ، پابندِ صوم و صلوٰۃ، پاکیزہ اخلاق کی حامل اور دلیر خاتون تھیں۔ اس فرشتہ صفت خاتون نے رنج و راحت میں میرا پورا پورا ساتھ دیا۔ ابتدائی دنوں میں جب میری معمولی تنخواہ میں گذر اوقات مشکل تھا، وہ نہ صرف یہ کہ کبھی بالواسطہ یا بلاواسطہ حرفِ شکایت زبان پر نہیں لاتی بلکہ میری دلجوئی اور حوصلہ افزائی کرتی رہتی حتیٰ کہ مشین پر سلائی کر کے میری مدد بھی کرتی رہتی تھی۔

میں شروع ہی سے تعلیمِ نسواں کا زبردست حامی تھا کیونکہ یہ دونوں ایک گاڑی کے دو پہیے ہیں۔ گاڑی کا ایک پہیہ اگر کمزور ہوگا تو دوسرے پہیے کی کارکردگی بری طرح متاثر ہوگی لہٰذا میں نے مسلمانوں میں تعلیمِ نسواں کو فروغ دینے اور عام کرنے کا بھی ایک منصوبہ بنایا۔ اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے سلسلے میں اسلامیہ پرائمری گرلز اسکول قائم کیا گیا، اور لوگوں کو لڑکیوں کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کرنے کی ترغیب دی گئی۔ اس اسکول کو تھوڑے ہی عرصے بعد لوئر مڈل تک ترقی دے دی گئی۔ اپنی رفیقۂ حیات کو جو میری طرح طبقۂ نسواں میں تعلیم کو فروغ دینے کی حامی تھیں، اس اسکول میں بطور معلمہ لگادیا گیا۔ وہ بچیوں کو دینی تعلیم کے علاوہ امورِ خانہ داری اور سینے پرونے کی بھی تربیت دیتی تھیں۔ ان کے اخلاق اور حسنِ سلوک کی وجہ سے لڑکیوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہونے لگا۔ جب اکرم پیدا ہوا تو میں نے ملازمت سے استعفیٰ دلوادیا کیونکہ گھریلو مصروفیات بہت بڑھ گئی

تھیں۔ ایک نیک اور ہم خیال بیوی بھی ایک بہت بڑی نعمت ہوتی ہے۔ وہ اٹھارہ سال تک میری مخلصانہ اور محبت بھری رفاقت کے بعد پاکستان آکر مجھے داغِ مفارقت دے گئیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے۔ آمین

جیسی روح ویسے فرشتے

میں فارسی کا یہ مصرع "کمال ہم نشیں در من اثر کرد" اپنی نوعمری سے سنتا آرہا تھا لیکن اس کا عملی نمونہ مجھے اپنی پڑوسن کے کردار میں ملا۔ وہ بھی اپنے خاوند والی منافقت کا ایک مکمل مجسمہ تھی۔ خدا جانے منافقت اس کی سرشت میں شامل تھی یا شوہر کی طویل رفاقت نے اسے اپنے شوہر کے رنگ میں رنگ دیا تھا، غرضیکہ منافقت میں وہ اپنے شوہر سے بھی دس قدم آگے تھی۔ وہ بھی نہیں چاہتی تھی کہ میں مستقل طور پر اسکول میں کام کروں۔ چنانچہ وہ معمولی معمولی باتوں پر میری بیگم سے آئے دن جھگڑا کیا کرتی تھی۔ جب میں رات کے وقت مغرب و عشاء کے درمیان کلاس لینے جاتا تو وہ ہمارے گھر میں چپکے چپکے روڑے اور پتھر پھینکنا شروع کر دیتی اور یہ مشہور کرتی کہ پتھر جنوں کی حرکت ہے۔ ہمارے مکان کے شمال کا علاقہ بالکل اجاڑ تھا۔ پتھروں کی بارش کی وجہ سے بچے ڈرے سہمے رہتے اور میری بیوی سخت پریشان رہتی۔ میں جب سیکنڈ ماسٹر سے مسلسل سنگ باری کا تذکرہ کرتا تو وہ اسے کوئی اہمیت نہ دیتے بلکہ یہ کہہ کر بات ٹال دیتے کہ یا تو اجاڑ کی طرف سے کوئی شرارت کرتا ہے یا پھر کسی جن یا آسیب کا کام ہوگا۔ آخر ایک دن میں خلافِ معمول کلاس لینے نہیں گیا بلکہ گھر ہی پر ٹھہر گیا۔ لیکن کسی کو یہ ظاہر ہونے نہیں دیا کہ میں کلاس لینے نہیں گیا ہوں بلکہ گھر ہی پر موجود ہوں۔ خاموشی سے ایک کونے میں دبک کر بیٹھ گیا۔ حسبِ معمول مقررہ وقت پر ایک روڑا پڑوس کی طرف سے آیا اور ہمارے صحن میں لگے ہوئے نیم کے پیڑ پر آکر لگا۔ میں سمجھ گیا جن یا بھوت پریت

کون ہے ۔ مشترکہ دیوار کی ایک جانب سے اوپر چڑھ کر ہماری پڑوسن دوسرا پتھر پھینکنے کی تیاری کر رہی تھی ۔ میں چپ سادھے مبینہ جن یا بھوت کی یہ حرکت دیکھتا رہا ۔ جب اس نے دوسرا پتھر پھینکا تو میں نے گرج دار آواز میں للکارا ۔ وہ تیزی سے بھاگی اور اپنے اندر والے کمرے میں چھپ گئی ۔ بہرحال جن والا راز کھل گیا ۔ پڑوسی خود ہی جن کا پارٹ ادا کر رہے تھے ۔ اس دن سے پتھر آنے کا سلسلہ بند ہو گیا ۔ لیکن ابھی اس راز کو فاش ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا کہ ہماری پڑوسن نے دوسرا وار کیا ۔ اس کا یہ وار زیادہ کامیاب ثابت ہوا ۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ہم نے ایک بھینس پال رکھی تھی ۔ اسے سوئے ہوئے ابھی صرف ایک ماہ گذرا تھا ۔ یہ بھینس روزانہ اٹھارہ سیر دودھ دیتی تھی جس سے ایک سیر مکھن حاصل ہوتا تھا ۔ ایک روز اس خبیث عورت نے ہم لوگوں کی دشمنی میں رات کی تاریکی میں مشترکہ دیوار پر چڑھ کر آٹے کا ایک پیڑا جس میں سوئیاں اور کیلیں گندھی ہوئی تھیں بھینس کی کھرلی میں ڈال دیا ۔ کھرلی مشترکہ دیوار کے ساتھ ہی بندھی ہوئی تھی ۔ بیچاری بھینس وہ پیڑا کھا گئی اور سورج طلوع ہونے سے قبل ہی تڑپ تڑپ کر مرگئی جب ڈنگر ڈاکٹر نے اس کا پوسٹ مارٹم کیا [illegible] کے معدے میں سے سوئیاں اور چھوٹی چھوٹی میخیں برآمد ہوئیں ۔ یہ بات ہم سب پر روزِ روشن کی طرح سے واضح تھی کہ یہ حرکت کس کی ہو سکتی ہے لیکن میری بیگم نے صبر و ضبط کا دامن نہیں چھوڑا ۔ بقول کسے صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے تقریباً ایک ماہ کے بعد ہمیں اس سے بھی اچھی بھینس عطا فرمادی ۔ غرضیکہ یہ دونوں میاں بیوی میرے قدم اکھاڑنے اور ہم لوگوں کو پریشان کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے تھے لیکن بقول شاعر

اور بڑھ جاتی ہے ہمت اور بڑھ جاتا ہے دل
جس قدر بھی مشکلوں کا سامنا کرنا پڑے

ان اوچھے ہتھکنڈوں سے ہمارے پائے استقلال میں لرزش آنے اور ارادے متزلزل ہونے کی بجائے صورتِ حال کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے اور مسلمانوں میں تعلیم کو فروغ دینے کا جذبہ اور زیادہ بڑھتا گیا ۔ جب ان دونوں میاں بیوی کے یہ ہتھکنڈے ناکام ہو گئے تو اس سیکنڈ ماسٹر نے ایک دفعہ ایک ایس ۔ وی ٹیچر کو میرے خلاف بھڑکا دیا ۔ وہ ہمارے کوارٹر کے پیچھے والے کوارٹر میں رہتا تھا ۔ وہ ظاہری طور پر میرا تو کچھ نہ بگاڑ سکا لیکن خفیہ طور پر چوروں سے ساز باز کر کے ایک رات اپنے مکان کی طرف سے چوروں کو چھت پر چڑھا کر میرے گھر چوری کرادی ۔ گرمیوں کا موسم تھا ہم سب باہر صحن میں سوئے ہوئے تھے ۔ چوروں نے چھت پھاڑ کر کپڑے سینے کی مشین اور کچھ چیزیں باہر نکال لی تھیں ۔ اتفاقیہ طور پر بیگم رفع حاجت کے لئے اٹھیں چور سمجھے جاگ ہو گئی ۔ چوروں نے صرف وہ سامان جو اپنے ساتھ لے جانے کے لئے باہر نکالا تھا اسے لے کر بھاگ گئے ۔ صبح اٹھے تو ہمیں چوری کا علم ہوا کہ زیادہ سامان بچ گیا ۔ یہ صدمہ بھی ہم نے بڑے صبر و تحمل سے برداشت کیا ۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کا بھی ہمیں اجر دیا ۔ اس پرانی مشین کے بدلے میں دوسرے ہی مہینے ایک نئی سنگر مشین عطا فرمائی اور میری آمدنی میں اضافہ بھی ہو گیا ۔ وہ اس طرح کہ میاں محمد بشیر صاحب چنیوٹی نے یورپی ممالک سے انگریزی میں خط و کتابت کرنے کے عوض مجھے پچاس روپے ماہوار الاؤنس دینا شروع کر دیا ۔ میں نے اس ایس ۔ وی ٹیچر کو اسکول سے نکال دیا اور سازشی میاں بیوی سے زیادہ محتاط ہو گیا ۔

رابطۂ عوام کی کامیاب مہم

میں نے ایک پروگرام کے تحت شہر کے مختلف محلوں کے دورے شروع کر دیئے ۔ میں ہر دوسرے تیسرے روز اسکول کے اوقات کے بعد ایک ایک وارڈ میں جاتا ۔ وہاں کے مسلمانوں سے ملاقات کرتا ۔ شہر کے شرفا ۔ مجھے بچپن سے ہی جانتے

تھے اس لئے وہ نہایت گرمجوشی سے میری پذیرائی کرتے ۔ میں انہیں بچوں کی تعلیم کی اہمیت اور مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی دور کرنے کے لئے ان کے تعاون کے لئے انہیں آمادہ کرتا ۔ ان رابطوں اور دوروں کے نہایت خوشگوار اور مثبت نتائج حاصل ہونا شروع ہوئے ۔ اس کا اندازہ آپ یوں لگاسکتے ہیں کہ دوروں سے پہلے اسکول میں زیر تعلیم بچوں کی تعداد مشکل سے ڈھائی سو ہو گی جو بڑھ کر پانچ سو تک پہنچ گئی ۔ بالفاظِ دیگر زیر تعلیم بچوں کی تعداد میں سو فیصد اضافہ ہوا ۔ طلباء کی تعداد بڑھنے کی وجہ سے جگہ کی قلت نمایاں طور پر محسوس ہونے لگی ۔ ان بچوں کو بٹھانے کے لئے مزید کمروں کی ضرورت شدت سے محسوس ہونے لگی ۔ علاوہ بریں اسکول سے تقریباً ایک میل کے فاصلے پر واقع محلہ ملکانہ میں بھی اسکول کی ایک پرائمری شاخ کھول دی اس طرح قصبے کے اس حصے میں بھی لوگوں میں اپنے بچوں کو تعلیم دلانے کا شوق پیدا ہوگیا۔

ایک اعلی سرکاری عہدیدار کا شاندار کارنامہ

اسکول میں زیر تعلیم طلباء کی تعداد میں سو فی صد اضافہ ہونے اور ملکانہ میں پرائمری شاخ کھولنے کی وجہ سے اخراجات میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا ۔ انجمن کے پاس جو سرمایہ تھا وہ مزید ایک کمرہ تعمیر ہونے پر صرف ہو گیا ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اسٹاف کی تنخواہیں ادا کرنا بھی مشکل ہو گیا ۔ اس مشکل پر قابو پانے کے لئے ایک عارضی صورت تو یہ سوچی گئی کہ لوگوں سے ہر ماہ عطیات یا امدادی رقوم حاصل کی جائیں ۔ اس اسکیم کو عملی جامہ پہنانے کے لئے میں چوہدری علی احمد صاحب اور چوہدری دین محمد صاحب کو ہمراہ لے کر محلے محلے چندہ جمع کرتا پھرتا ۔ اس جدوجہد سے بمشکل تمام

دو یا تین سو روپے جمع ہوجاتے جس کی حیثیت اونٹ کے منہ میں زیرہ کی سی ہوتی اس کے علاوہ انجمن کے ممبران ہر ماہ میرے ساتھ کاسۂ گدائی لے کر پھرنے اور در در

ی ٹھوکریں کھانے سے اکتا گئے ۔ میں نے بھی اپنی جگہ پر یہ سوچا کہ مالی مشکلات پر قابو پانے کا یہ مستقل حل نہیں ہے بلکہ ادارے کی مالی حیثیت بہتر بنانے کے لئے کوئی دوسری مؤثر اسکیم تیار کی جائے ۔ حسنِ اتفاق سے اسی زمانے میں طارق صاحب قصبے میں مجسٹریٹ بن کر تشریف لائے ۔ طارق صاحب جالندھر کے پٹھان تھے اور بڑے ہمدرد انسان تھے ۔ میں ایک دن ان کی کوٹھی پر ان سے ملاقات کرنے گیا ۔ پہلے میں نے ان سے خود اپنا تعارف کرایا ۔ وہ نہایت خندہ پیشانی سے پیش آئے ۔ لاقے میں مسلمانوں کی تعلیمی حالت بیان کی ۔ ساتھ ہی ساتھ انہیں یہ بھی بتایا کہ سلامیہ مڈل اسکول ہی ایک ایسا ادارہ ہے جو اس علاقے میں مسلمانوں میں تعلیمی عور پیدا کر رہا ہے اور اپنی بساط بھر مسلمانوں میں تعلیم عام کرنے کی جدوجہد کر رہا ہے لیکن اس کی مالی حالت بہت سقیم ہے ۔ بڑی مشکل سے اسٹاف کی تنخواہیں پوری وتی ہیں ۔ اگر آپ تعاون کریں تو اس اسلامی ادارے کی حالت بہتر ہو سکتی ہے ۔ ان صاحب میں قومی جذبہ بدرجۂ اتم موجود تھا ۔ میری گزارشات بڑی توجہ اور غور سے سماعت فرمائیں ۔ جب میں بات مکمل کرچکا تو فرمایا ۔ "میں ہر ماہ تحصیل کے بہات کا دورہ اپنے پروگرام میں رکھ لیا کروں گا ۔ آپ کو اپنے پروگرام سے آگاہ کر دیا دوں گا ۔ جس جگہ میرا دورہ ہو آپ وہاں تشریف لے آئیں ۔" چنانچہ ایسا ہی ہوا ۔ ں ان کے پروگرام کے مطابق متعلقہ موضع میں آدھ گھنٹے پہلے پہنچ جاتا خاں صاحب دالت لگاتے ہی سب سے پہلے تھانیدار کو حکم دیتے کہ اسلامیہ اسکول کے ہیڈ ماسٹر بلا کر لاؤ ۔ چنانچہ وہ مجھے تلاش کرتا ۔ میں خود ہی انتظار میں ہوتا میں تھانیدار سے و ملتا ۔ وہ مجھے مجسٹریٹ کے سامنے پیش کر دیتا ۔ مجسٹریٹ صاحب تھانیدار کی وٹی لگادیتے کہ عدالت برخواست ہونے سے قبل علاقے کے زمینداروں سے پانچ سو پے جمع کرادیں ۔ دو ماہ تک یہ سلسلہ جاری رہا اور تقریباً دو ہزار روپے جمع ہو گئے ۔ ماہ تک اسٹاف کی تنخواہ پوری ہوتی رہی ۔ ہمارے سر کا بھاری بوجھ قدرے ہلکا ہو

گیا ۔ تیسرے ماہ خاں صاحب نے خود ہی مجھ سے فرمایا کہ یہ طریقہ مناسب نہیں ۔ بات ڈھکی چھپی نہیں رہے گی ۔ اس طرح ہندو سکھ پبلک کو اعتراض کا موقع ملے گا ۔ اور وہ بات کا بتنگڑ بنائے گی اور اس طرح میری شکایت کرنے کا انہیں موقع فراہم ہوجائے گا ۔ بہتر یہ ہوگا کہ کوئی ایک موٹی اسامی پھنس جائے تو اس اسکول کے لئے معقول رقم حاصل کرلی جائے ۔ دو ہفتے بعد میں پھر مجسٹریٹ صاحب کی کوٹھی پر دعا سلام کے لئے گیا تو انہوں نے فرمایا کہ علاقہ کا ایک بہت بڑا زمیندار قابو میں آگیا ہے ۔ اس پر قتل کا کیس ہے اور یہ کیس میری عدالت میں آگیا ہے ۔ اب آپ اپنا پارٹ ادا کرنے کے لئے متعلقہ زمیندار سے رابطہ قائم کریں ۔ اس زمیندار کا نام میاں شاہ محمد بودلہ تھا اور موضع بہک کا بہت بڑا زمیندار تھا ۔ علاقہ کے سارے زمینداروں میں سب سے زیادہ متمول شمار ہوتا تھا ۔ چنانچہ میں اگلے روز اسکول کے اوقات کے بعد تانگہ کرائے پر لے کر بہک پہنچا ۔ ان کے ڈیرے پر گیا ۔ اتفاق سے میاں صاحب موجود تھے ۔ انہوں نے میرا استقبال کیا لیکن خاص تپاک کے ساتھ نہیں ۔ اثنائے گفتگو میں میں نے برسبیل تذکرہ ان سے کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ پر قتل کا مقدمہ بن گیا ہے ۔ آپ کا کیس طارق صاحب کی عدالت میں چلا گیا ہے ۔ طارق صاحب میرے دوست ہیں ۔ اگر میری سفارش سے آپ کا کام بن سکتا ہو تو میں خدمت کے لئے حاضر ہوں ۔ یہ سن کر وہ چونک اٹھے ۔ چارپائی پر اٹھ کر بیٹھ گئے ۔ فوراً نوکر کو آواز دی ۔ نہایت عمدہ بستر منگوا کر میری چارپائی بچھوائی ۔ ایک نوکر کی ڈیوٹی پنکھا چلانے پر لگادی ۔ دوسرے نوکر کی ڈیوٹی مرغ وغیرہ تیار کرنے پر لگادی ۔ اب وہ فرعون بے سامان بننے کی بجائے نہایت منکسر اور متواضع زمیندار بن گئے ۔ غرضیکہ میری بہت زیادہ خاطر تواضع شروع کردی اور نہایت منت سماجت کے ساتھ کہا کہ اگر آپ کی سفارش چل سکتی ہو تو ضرور کریں ۔ میں آپ کا بہت احسان مند اور شکر گزار ہوں گا ۔ میں نے کہا کہ خاں صاحب اسلامی جذبہ اور درد

رکھنے والے انسان ہیں ۔ وہ علاقے کے مسلمانوں کی تعلیمی ترقی میں بالعموم اور اسلامی اسکول کی ترقی میں بالخصوص بہت زیادہ دلچسپی لیتے ہیں ۔ میرے ساتھ ان کی دوستی اور تعلقات کی یہی بنیادی وجہ ہے کہ میں ایک اسلامی ادارے کا ہیڈ ماسٹر ہوں ۔ چنانچہ میاں صاحب نے اسکول کے لئے پانچ ہزار روپے بطور عطیہ دینے کا وعدہ کیا ۔ میری بڑی آؤ بھگت کرنے کے بعد بڑی عزت کے ساتھ رخصت کیا اور ساتھ ہی ملاقات کی جلد اطلاع دینے کی تاکید بھی کی ۔ میں دوسرے روز اسکول کے اوقات کے بعد مجسٹریٹ کے دولت کدے پر گیا ۔ اور تمام روداد بلاکم وکاست انہیں سنائی وہ ساری باتیں اور ان کی پیشکش سننے کے بعد ہنس دیئے ۔ فرمانے لگے کہ مقدمہ نہایت سنگین ہے اس کے مقابلے میں پیشکش نہایت حقیر ہے ۔ اب آپ اس کے پاس نہ جائیں ۔ وہ خود آپ کی خدمت میں حاضر ہوگا اور ایسا ہی ہوا ۔ چنانچہ تیسرے دن وہ شام کے وقت اسکول میں آکر مجھ سے ملا اور شکایتاً کہنے لگا کہ آپ تشریف ہی نہیں لائے ۔ میں آپ کا نہایت بے چینی سے انتظار کرتا رہا ۔ پھر میں نے سوچا کہ میں خود ہی آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر آپ سے ملاقات کرلوں ۔ اِدھر اُدھر کی رسمی باتیں ختم ہونے کے بعد اس نے اپنی آمد کا مقصد اور مدعائے دلی بیان کیا ۔ میں نے اسے بتایا کہ میں نے آپ کی پیشکش سے مجسٹریٹ صاحب کو مطلع کیا تھا ۔ لیکن آپ کی پیشکش سے قطعی مطمئن نہیں ہیں ۔ مجسٹریٹ صاحب کا کہنا ہے کہ کیس کی سنگینی اور آپ کی پوزیشن دیکھتے ہوئے یہ رقم کچھ بھی نہیں ہے ۔ اس نے میرا جواب سن کر پانچ ہزار کی بجائے دس ہزار روپے عطیہ دینے کی پیشکش کی ۔ دو روز بعد خاں صاحب سے پھر ان کی کوٹھی پر ملاقات ہوئی ۔ اور میاں صاحب کی پیشکش دہرائی ۔ سن کر ہنس دیئے اور فرمانے لگے ۔ ابھی آپ ان سے کوئی وعدہ نہ کریں ۔ یہ رقم بھی بہت کم ہے ۔ جوں جوں پیشی کی تاریخ قریب آتی جاتی تھی، میاں صاحب کی بے چینی بڑھتی جاتی تھی ۔ میں بھی خاں صاحب کی ہدایت کے مطابق بے اعتنائی برت رہا تھا ۔

وہ مجھ سے ہر ملاقات کے دوران عطیے کی رقم میں دوہزار کا اضافہ کر دیتے تھے ۔یہاں تک کہ جب پیشی میں صرف تین دن باقی رہ گئے تو وہ بہت گھبرائے ہوئے میرے پاس آئے اور کہنے لگے چوہدری صاحب میں نے آپ سے پہلی ملاقات کے بعد بڑی توقعات وابستہ کر رکھی تھیں مگر آپ نے میرا کوئی کام نہ کیا ۔ میں نے ان کو سمجھایا کہ میاں صاحب یہ قتل کا مقدمہ ہے ۔ کیس بڑا سنگین ہے ۔ وکیل استغاثہ بھی بڑا تھا ۔ اگر آپ کو سزا ہو گئی تو فوراً ہتھکڑی لگ جائے گی اور آپ سیشن سپرد ہوجائیں گے ۔ سیشن جانے کے بعد آپ کی بدنامی و رسوائی میں اضافے کے علاوہ مقدمہ لڑنے کے اخراجات بھی بڑھ جائیں گے اور خداجانے سیشن کیس کب تک چلتا رہے ۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ سیشن کورٹ کا فیصلہ کیا ہوگا ۔ مجسٹریٹ آپ سے کوئی رشوت تو طلب نہیں کررہا ہے نہ یہ رقم اس کی جیب میں جائے گی ۔ وہ ایک قومی اور اسلامی ادارے کے لئے آپ سے عطیہ مانگ رہا ہے ۔اس رقم سے قوم کا بھلا ہوگا ۔ علاقے کے مسلمان بچوں کے لئے تعلیم کو عام کرنے میں مدد ملے گی ۔آپ کو بھی ثواب ملے گا آپ کے وقار میں بھی اضافہ ہوگا اور آپ کی عزت و آبرو بھی محفوظ ہوجائے گی ۔ اس طرح یہ عطیہ ہم خرما و ہم ثواب کے مترادف ہوگا ۔ میاں صاحب غور فرمائیے کہ انسان دولت کس لئے کماتا ہے اور کیوں جمع کرتا ہے ۔ اسی لئے نا کہ اس کی دنیاوی ضروریات اور عزت و آبرو میں اضافہ ہو ۔جس دولت سے انسان اپنی جان اور عزت و آبرو محفوظ نہ رکھ سکے وہ دو کوڑی کی ہے ۔ لہذا میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ حوصلہ کریں اور معقول عطیہ دے کر دین و دنیا دونوں کمائیں ۔ میری بات اس کی سمجھ میں آگئی انہوں نے پندرہ ہزار روپے کا عطیہ دینے کی پیشکش کر دی ۔ ساتھ ہی اپنی اس خواہش کا اظہار بھی کر دیا کہ انہیں پہلی پیشی پر رہا کر دیا جائے اور ہتھکڑی بھی نہ لگے ۔ میں نے اگلے روز پھر رات کی تاریکی میں خاں صاحب سے ان کی قیام گاہ پر ملاقات کی ۔ اور بڑی تفصیل سے بات چیت کی ۔ ساتھ ہی میں نے دبی زبان سے

بھی مشورہ دیا کہ اب میاں صاحب کو زیادہ نہ دبایا جائے اور یہ پیشکش خندہ پیشانی سے قبول کرلینا چاہئے ۔چنانچہ اس نیک دل افسر نے کہا کہ کل دن کے گیارہ بجے سے پہلے یہ رقم اسلامیہ اسکول کے کھاتے میں بینک میں جمع ہوجائے اور مجھے بینک کی کاپی لاکر دکھادی جائے پھر آپ کی سفارش منظور کرلی جائے گی ۔ جب میں واپس گیا تو میاں صاحب میرے کوارٹر پر بڑی بے تابی سے میرا انتظار کررہے تھے ۔ میں نے ان کو مبارکباد دیتے ہوئے تاکید کی کہ کل علی الصبح رقم لے کر آجائیں ۔ وہ اگلے روز حسبِ وعدہ پندرہ ہزار روپے لے کر اسکول میں تشریف لے آئے ۔ میں انجمن کی بینک والی پاس بک لے کر ان کے ساتھ کوآپریٹو بینک میں گیا ۔ وہاں انہوں نے رقم جمع کرادی ۔ رات کو خاں صاحب کی کوٹھی پر جاکر انہیں بینک کی کاپی دکھا آیا ۔ اگلے روز جب میاں صاحب کی پیشی ہوئی تو خاں صاحب نے انہیں باعزت طور پر بری کردیا ۔ میاں صاحب اسکول آکر میرا شکریہ ادا کر گئے ۔ اس زمانے کی یہ رقم بلاشبہ آج کے زمانے کے ایک لاکھ روپے کے برابر تھی ۔ جب میں نے انجمن کے انتظامیہ کے عہدیداروں کو یہ قصہ سنایا تو سب حیران رہ گئے ۔ انہیں میری بات یقین نہیں آرہا تھا ۔ تب میں نے انہیں پاس بک دکھائی تو وہ اس رقم کو اکائی ، دھائی ، سینکڑہ ، ہزار ، دس ہزار کر کے شمار کرنے لگے ۔ جب انہیں یقین آگیا کہ مجسٹریٹ کی مدد سے انجمن کو پندرہ ہزار روپے کی یکمشت رقم حاصل ہو گئی تو وہ مجسٹریٹ موصوف کو بھی خراج تحسین پیش کرنے کے ساتھ ساتھ میری تعریف میں رطب اللسان ہو گئے ۔ اسکول برابر ترقی کررہا تھا جس کی وجہ سے میری ذمے داریاں بھی بڑھتی جارہی تھیں ۔ مجھے اب نہ صرف اسکول کی تعلیمی حالت بہتر بنانا ، شاندار نتائج دکھانا ، طلباء کی تعداد میں اضافہ کرنا اسٹاف اور طلباء کو کنٹرول کرنا اور علاقے میں تعلیمی شوق پیدا کرنا تھا بلکہ اسکول کی مالی حالت کو بھی مستحکم کرنا تھا ۔ چونکہ انتظامیہ میں ایسا کوئی شخص نہیں تھا جو اپنے وقت کی قربانی دے سکتا ہو اور سفر کی

صعوبتیں برداشت کر سکتا ہو ۔

کچھ عرصے بعد اسکول کے بانی مولوی پیر محمد صاحب، وکیل دماغی عارضے سے صحتیاب ہو کر ننگل انبیا سے فاضلکا تشریف لائے ۔ میں نے ان کو مجسٹریٹ صاحب کے قومی جذبے کی داستان سنائی تو وہ بہت خوش ہوئے ۔ چنانچہ وہ بھی مجسٹریٹ صاحب سے ملاقات کرنے کے لئے ان کی کوٹھی پر گئے اور اسکول کی امداد کے سلسلے میں ان کا شکریہ ادا کیا لیکن خاں صاحب نے ان سے کھل کر گفتگو نہیں کی ۔ دراصل وہ کسی وکیل کا اپنی کوٹھی پر آنا پسند نہیں کرتے تھے ۔ مولوی صاحب کچھ بددل ہو کر واپس لوٹے اور فرمانے لگے کہ خاں صاحب سے کام لینا آپ ہی کا کام تھا ۔ ہماری بدقسمتی کہ خاں صاحب کا تبادلہ جلد ہی ہو گیا ورنہ ان سے اور بھی کام لیا جا سکتا تھا ۔

ابوہر منڈی میں اسلامیہ پرائمری اسکول کا قیام

بارہ میل کے فاصلے پر ابوہر منڈی تھی جو فاضلکا کی سب تحصیل تھی ۔ یہاں بھی مسلمان تعلیمی لحاظ سے بہت پسماندہ تھے ۔ ایک روز میں اور پیر محمد صاحب اس قصبے میں گئے ۔ وہاں کے سرکردہ زمینداروں اور تاجروں سے ملاقاتیں کیں اور علاقے کے مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی کی جانب توجہ دلائی ۔ ان ملاقاتوں اور تبادلۂ خیالات کا فوری نتیجہ یہ نکلا کہ وہ منڈی میں اسلامیہ پرائمری اسکول قائم کرنے پر آمادہ ہوگئے ۔ چنانچہ ایک انتظامی کمیٹی قائم کر دی گئی اور ایک مکان کرائے پر لے کر اسلامیہ پرائمری اسکول قائم کر دیا گیا ۔ پرائمری اسکول کے قیام سے علاقے کے مسلمانوں میں تعلیم کا شوق بڑھا اور صرف دو سال کے عرصے میں اس پرائمری اسکول کو مڈل کا درجہ دے دیا گیا ۔ جلد ہی یہاں ہائی اسکول کھولنے کی بھی تجویز تھی کہ ملک تقسیم ہو گیا ۔ اس اسکول کا کیا حشر ہوا اس کا مجھے اب کوئی علم نہیں کیونکہ

آں ساغر بشکست وآں ساقی نماند

ایک قدم اور آگے

اب میں پھر اصل موضوع کی طرف آتا ہوں ۔ ابھی تک میرے اسکول میں اسلامی تعلیمات کا کوئی مناسب بندوبست نہیں تھا ۔ میں نے اسکول میں متعدد اصلاحات نافذ کیں ۔ سب سے زیادہ توجہ اسلامیات کی تعلیم پر دی گئی ۔ میرا خیال تھا کہ بچوں کو بنیادی اسلامی تعلیمات سے کماحقہ واقف کرایا جائے ۔ یہ انتظام کیا گیا کہ پرائمری تک ناظرۂ قرآن شریف کرادیا جائے ۔ مڈل میں قرأت کے ساتھ قرآن شریف پڑھایا جاتا تھا ۔ اس کے علاوہ چند سورتیں حفظ کرادی جاتی تھیں ۔ طلباء کو عام مسئلے مسائل سے واقف کرایا جاتا تھا اور اس عرصے میں حضورِ اکرمؐ کی سیرتِ طیبہ کی مکمل تعلیم دی جاتی تھی ۔ سب سے پہلا پیریڈ نصف گھنٹے کا صفر پیریڈ ہوتا تھا ۔ اس پیریڈ میں ہر ٹیچر انچارج اپنی جماعت کو تدریس قرآن کے ساتھ نماز باترجمہ یاد کراتا تھا تاکہ بچے نماز کے مقصد کو بھی سمجھ سکیں ۔ میں خود دسویں جماعت کو قرآن شریف کا درس دیا کرتا تھا ۔ اس پیریڈ میں غیر مسلم طلباء کی شرکت لازمی نہیں تھی لیکن ان میں سے کچھ طلباء شوق سے از خود درس قرآن کی جماعت میں شامل ہوجاتے تھے ۔

میں نے دو سال کے اندر پوری تحصیل کا تفصیلی جائزہ لیا اور میں اس نتیجے پر پہنچا کہ مسلمانوں کو تعلیم کی جانب راغب کرنا اور تعلیمی شعور کو فروغ دینا نہایت ضروری ہے ۔ بدقسمتی سے اب تک نہ تو تحصیل کے مسلمانوں کو کبھی یہ خیال آیا نہ اراکین انجمن کو اور نہ ہی سابقہ ہیڈماسٹروں میں سے کسی کو یہ خیال آیا ۔ میری دلی خواہش تھی کہ جلد از جلد ہائی کلاسز جاری کی جائیں ۔ کافی سوچ بچار اور مشکلات کے پیش نظر کچھ ممبروں کو اپنا ہم خیال بنالیا اور پھر ہمتِ مرداں مددِ خدا کے مقولے پر عمل کرتے ہوئے انتظامیہ کے ایک اجلاس میں ہائی کلاسز جاری کرنے کی تجویز پیش

کی ۔ پہلے تو اراکین کچھ سٹ پٹائے کیونکہ ہائی اسکول چلانے کے لئے موجودہ عمارت میں توسیع و اضافے ، اسٹاف میں اضافے نیز سائنس کے سامان ، لائبریری کے لئے کتابوں اور سامانِ تدریس کی ضرورت تھی جن کے لئے کثیر رقم درکار تھی اور یہاں چیل کے گھونسلے میں ماس کہاں والی کیفیت تھی ۔ اس بات سے تو تقریباً سب اراکین متفق تھے کہ ہائی اسکول بن جانے سے مسلمان طلباء کو اپنا سلسلۂ تعلیم جاری رکھنے میں مدد ملنے کے علاوہ انتظامیہ کے وقار میں بھی اضافہ ہوگا ، مسلمانوں میں تعلیمی بیداری پیدا ہوگی اور مسلمانوں میں تعلیم کو فروغ حاصل ہوگا۔ لیکن سب سے بڑا مسئلہ سرمائے کے حصول کا تھا جس کے لئے انتہائی مخلصانہ بڑی مہم درکار تھی جو قربانی اور انتھک محنت اور لگن کے بغیر سر نہیں ہو سکتی تھی ۔ تاجر طبقہ اور زمیندار طبقہ انتظامیہ سے بیزار تھا اس لئے وہ تعاون نہیں کرتا تھا انتظامیہ زیادہ تر وکلاء پر مشتمل تھی ۔ بیشتر وکلاء آرام پسند اور مفاد پرست تھے ایسی حالت میں اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانا ناممکن نہ سہی ، مشکل ضرور تھا ۔ محض نیک تمناؤں سے مسائل حل نہیں ہوتے ۔ بقول حسرت موہانیؒ ۔ آرزوؤں سے پھرا کرتی ہیں تقدیریں کہیں ۔ اس صورتِ حال سے میں دل برداشتہ تو ضرور تھا لیکن مایوس نہیں تھا ۔ مجھے یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ نیک ارادوں کو کامیابی سے ضرور ہمکنار کرتا ہے ۔ میں نے اراکین کو مخاطب کرتے ہوئے پرزور الفاظ میں کہا کہ یہ ایک اعلیٰ و ارفع نصب العین ہے ۔ یہ اس تحصیل میں اسلام کی سربلندی کا منصوبہ ہے ۔ تحصیل فاضلکا کے مسلمانوں میں انقلاب لانے کا منصوبہ ہے ۔ اس لئے آپ سب حضرات اسلام کی سربلندی اور مسلمانوں کی ترقی و خوشحالی کے لئے جرأت کے ساتھ اسکول کو ہائی درجہ دینے کی قرارداد منظور کر لیں ۔ اللہ تعالیٰ جو اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے ، ضرور اسباب مہیا کرے گا ۔ جو خدا دو ماہ کے اندر اندر پندرہ ہزار روپے کی رقم کا انتظام کر سکتا ہے وہ پچاس ہزار روپوں کا بھی انتظام کر سکتا ہے ۔ چنانچہ یہ قرارداد متفقہ طور پر منظور

ہونے کے بعد عملی جدوجہد کرنے اور اسے عملی جامہ پہنانے کے لئے سرمائے کے حصول کا کٹھن بلکہ صبر آزما مرحلہ درپیش تھا ۔ چونکہ یہ قرارداد میری تحریک پر اور میرے اصرار پر منظور ہوئی تھی اس لئے میری ذمے داریوں میں بہت زیادہ اضافہ ہوگیا ۔ مجھے اپنا آرام و راحت ترک کرنا پڑی ۔ ہمہ وقت اسی ادھیڑ بن میں لگا رہتا کہ کہاں سے اس تعلیمی منصوبے کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے سرمایہ حاصل کروں اٹھتے بیٹھتے ، سوتے جاگتے صرف ایک ہی فکر رہتی ۔ عام دنوں کے علاوہ میری ہر چھٹی مضافات کے دوروں میں گذرتی ۔ شب و روز محنت کرنے کے باوجود نہ تو مجھ میں تھکن کا احساس ہوا اور نہ مایوس ہوا حالانکہ بعض اوقات روح فرسا اور ہمت شکن حالات کا بھی سامنا کرنا پڑا ۔ میں نے تاجر طبقے کے سرکردہ حضرات سے مسلسل رابطہ رکھا اور آخر کار وکلاء اور تاجروں میں صلح صفائی کرانے میں کامیاب ہوگیا ۔ میاں محمد بشیر چنیوٹی کمیشن ایجنٹ اور میاں الہیٰ بخش چنیوٹی کو انتظامیہ کا ممبر بنوایا ۔ اسی طرح علاقے کے سرکردہ زمینداروں کو بھی انجمن اسلامیہ کا رکن بنوایا جن میں میاں محمد سرور صاحب بودلہ آف بہک ، میاں جلال الدین صاحب بھنڈارہ آف دیوان کھیڑہ اور میاں محمد یار صاحب بودلہ خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں ۔ میاں محمد سرور صاحب بودلہ کو انتظامیہ کا صدر بننے پر آمادہ کیا ۔ اس طرح علاقے کے ہر مسلم طبقے کی انجمن کی انتظامیہ کی نمائندگی ہو گئی اور لوگوں میں بیداری کے کچھ آثار پیدا ہو گئے میں نے آہستہ آہستہ انجمن کی انتظامیہ کے اراکین کو چندہ جمع کرنے کے لئے علاقے کا چکر لگانے پر تیار کر لیا ۔ میاں محمد سرور صاحب بودلہ نے سواریوں کا انتظام کیا اور ایک اتوار کو سات آٹھ اراکین پر مشتمل ایک وفد چند ایک دیہات کے دورے پر روانہ ہوا ۔ وفد کے سربراہ میاں محمد سرور صاحب بودلہ تھے ۔ وکلاء بھی اس وفد میں شامل تھے ۔ کچھ گھوڑوں پر اور کچھ اونٹوں پر سوار ہو گئے ۔ میرے حصے میں ایک اونٹ آیا ۔ ہم نے اس روز سات دیہات کا دورہ کیا ۔ سات ہزار روپے نقد چندہ جمع ہوا جب

کہ دس ہزار روپے کے وعدے ہوئے ۔ وکلاء سفر کے عادی نہ تھے ۔ تھک کر چور ہو گئے اور تین دن تک کچہری میں نہ آئے گھر ہی پر آرام کرتے اور تھکن اتارتے رہے ۔ ایک مہینے بعد پھر ایک وفد تشکیل دیا گیا اور ساتھ آٹھ مواضعات کا دورہ رکھا گیا ۔ یہ دورہ بھی سابقہ دورے کی طرح کامیاب ہوا اور دس ہزار روپے کے قریب نقد ملے اور وعدے ہوئے ۔ ان کامیابیوں سے ہم سب کے حوصلے اور بڑھ گئے ۔

ہائی اسکول کے قیام کے لئے درخواست

میں نے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے محکمۂ تعلیم کو ہائی کلاسز کے اجراء کے لئے درخواست دے دی ۔ درخواست کی منظوری میں کوئی دشواری تو نہ ہونا چاہیئے تھی کیونکہ ہائی اسکول کے لئے تمام لازمی شرائط پر ہمارا اسکول پورا اترتا تھا لیکن یہ معاملہ کچھ عرصے کے لئے کھٹائی میں پڑا رہا کیونکہ ان دنوں سردار دیوا سنگھ جالندھر ڈویژن کے ڈویژنل انسپکٹر آف اسکولز تھے ۔ وہ انتہائی متعصب تھے ۔ انہیں مسلمانوں کی ترقی ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی ۔ انہوں نے درخواست پر کسی قسم کی کارروائی کرنے کی بجائے اسے اپنے پاس دبائے رکھا ۔ اور اسے ڈائرکٹر تعلیمات پنجاب کو فارورڈ نہیں کیا ۔ اسی عرصے میں ملک محمد حسین صاحب ڈپٹی انسپکٹر آف اسکولز ، گورنمنٹ ہائی اسکول فاضلکا کے معائنے کے لئے آئے ۔ میں نے ان سے ملاقات کی اور ہائی کلاسز کی منظوری کا ذکر کیا ۔ ساتھ ہی میں نے یہ بھی بتادیا کہ کیس ان کے دفتر میں رکا ہوا ہے ۔ ملک صاحب قومی جذبے سے سرشار تھے ۔ انہوں نے ہمارے اسکول کا معائنہ بھی اپنے پروگرام میں شامل کر لیا ۔ شاندار لاگ بک لکھی ۔ یہ بات خاص طور پر زور دے کر لکھی کہ طلباء کی تعداد ، امتحان کے نتائج ، اسکول کی عمارت ، اسٹاف اور فنڈز کے اعتبار سے یہ اسکول ، ہائی اسکول تک ترقی پانے کا ہر حیثیت سے مستحق ہے اور اس علاقے میں تعلیمی لحاظ سے پسماندہ مسلمانوں کے لئے اسلامیہ ہائی اسکول کا ہونا

اشد ضروری ہے ۔ جب یہ رپورٹ ڈویژنل انسپکٹر کے پاس پہنچی تو وہ جل بھن کر کوئلہ ہو گیا ۔ تھوڑے دنوں بعد اس کا تبادلہ بھی ہو گیا ۔ رانا عبدالحمید خاں اس کی جگہ ڈویژنل انسپکٹر بن کر آئے ۔ میں نے ان سے ملاقات کی اور تمام حالات سے انہیں آگاہ کیا ۔ رانا صاحب نے پرزور سفارش کے ساتھ ہماری درخواست ڈائرکٹر تعلیم کو فارورڈ کردی ۔ ان دنوں ڈائرکٹر تعلیم ایک انگریز تھا اس نے ہمارے اسکول کا معائنہ رکھ لیا ۔ چنانچہ رانا صاحب خود ڈائرکٹر کے ہمراہ ہمارے اسکول آئے ۔ اس وقت طلباء کی تعداد سات سو تک پہنچ چکی تھی ، دونوں افسر معائنہ کر کے بہت خوش ہوئے اور ہائی کلاسز جاری کرنے کی منظوری دے گئے ۔ میں نے اپریل سنہ ۱۹۴۲ء میں نویں جماعت کا اجراء کردیا ۔ اسکول کی تاریخ کا یہ ایک نہایت اہم دن تھا ۔ چار سال کی پیہم جدوجہد اور انتھک کوششوں کے نتیجے میں بالآخر اپریل سنہ ۱۹۴۲ء میں ہائی اسکول بن گیا ۔ میرا منصوبہ کامیاب ہوا اور میں نے بارگاہِ ایزدی میں خلوصِ دل سے سجدۂ شکر ادا کیا انجمن کی انتظامیہ نے مجھے مبارک باد پیش کی ۔ اب میں اسلامیہ ہائی اسکول کا ہیڈماسٹر تھا ۔ میری تنخواہ میں بھی اضافہ ہو گیا نیز پبلک میں اور افسران میں بھی میرا وقار بڑھ گیا ۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشا ؀

اسکول کی عمارت میں توسیع

ہائی اسکول ہو جانے کی وجہ سے طلباء کی تعداد میں اضافہ ہونا شروع ہو گیا ۔ اب کمروں کی قلت شدت سے محسوس کی جانے لگی ۔ چنیوٹی تاجران پشم کو ترغیب دی ۔ انہوں نے دو پختہ کمرے تعمیر کرادیئے ۔ ان میں سے ایک کمرے کا سنگِ بنیاد میاں الٰہی بخش صاحب کے ہاتھ سے رکھوایا گیا ۔ میاں صاحب نے تعمیر کے نصف خرچ کی ذمے داری قبول کی تھی ۔ دوسرے کمرے کا سنگِ بنیاد میاں محمد بشیر نے رکھا جنہوں نے بقیہ نصف اخراجات برداشت کرنے کی ذمہ داری قبول کی تھی ۔ پانچ

ہزار روپے کی لاگت سے ہائی کلاسز کے لئے فرنیچر تیار کرایا گیا۔چار ہزار روپے سے سائنس کا سامان خریدا گیا جب کہ لائبریری میں اردو اور انگریزی کی دو ہزار کتابیں خریدی گئیں۔ دو سینئر انگلش ٹیچر، ایک سائنس ٹیچر، ایک ڈرائنگ ماسٹر، ایک او۔ ٹی اور ایک پی۔ ٹی۔ آئی کا اسٹاف میں اضافہ کیا گیا۔ اب اسٹاف کی تعداد سولہ اساتذہ پر مشتمل تھی۔

میرے رفقائے کار

یہ میری خوش قسمتی تھی کہ مجھے بیشتر رفقائے کار، دیانت دار، محنتی، صاحبِ علم، ہمدرد اور وفادار ملے جن میں سے چند ایک کا ذکر نہایت ضروری ہے کیونکہ ان لوگوں کی محنت، دیانت اور بھرپور توجہ کی بدولت اسلامیہ ہائی اسکول فاضلکا کا نام روشن ہوا۔ سب سے پہلے میں مولوی عبدالجبار خاں ایف۔ اے، جے۔ اے۔ وی کا ذکر کروں گا۔ یہ بڑے لائق، فائق ٹیچر تھے۔ بٹالہ سے تشریف لائے تھے۔ ہرفن مولیٰ تھے۔ ہائی کلاسز میں انہیں جو مضمون بھی پڑھانے کو دے دیا جاتا وہ بڑی قابلیت اور کامیابی سے تیار کراتے تھے۔ ریاضی میں خاص طور سے بڑے ماہر تھے۔ انہوں نے میرے ساتھ قدم قدم پر بڑا مخلصانہ تعاون کیا اور آخر وقت تک میرا ساتھ نہ چھوڑا۔ بہتر سال کی عمر میں سنہ ۱۹۷۴ء میں وفات پا گئے۔ میرے پاس انہیں آئے ہوئے ابھی دو سال ہی ہوئے تھے کہ میں نے انہیں محکمۂ تعلیم سے ایس۔ اے۔ وی کی خاص سند دلوادی۔

ایک ٹیچر میاں عبدالمنان بی۔ اے، ایچ۔ پی مجھے میسر آگئے۔ یہ اسلامیہ پرائمری اسکول ابوہر میں کام کررہے تھے۔ میں ابوہر کے دورے پر گیا تو انہیں اپنے پاس فاضلکا لے آیا۔ یہ بھی بہت محنتی اور مخلص تھے۔ انہوں نے میرے ساتھ پورا پورا تعاون کیا۔ ان کی خدمات کے صلے میں انہیں بھی او۔ ٹی۔ کی اسپیشل سند محکمۂ

تعلیم سے دلوادی گئی۔ پاکستان آکر انہوں نے پرائیوٹ طور پر ایم۔ اے اردو اور ایم۔ اے اسلامیات پاس کیا۔ آج کل گورنمنٹ کالج ساہیوال میں پروفیسر ہیں۔

قاری فتح محمد خاں منشی فاضل، عربی، فارسی اور دینیات پڑھایا کرتے تھے۔ نہایت بھولے بھالے اور سیدھے سادے انسان تھے۔ عربی اور اسلامیات میں میرے استاد بھی ہیں۔ شہر کی جامع مسجد کے خطیب بھی تھے۔ انہیں بھی دو سال بعد او۔ ٹی کی اسپیشل سند دلوادی گئی تھی۔ ان کا تعویز گنڈا بھی بڑا چلتا تھا۔ پاکستان بن جانے کے بعد میرے ساتھ ہی یہاں چلے آئے تھے اور حویلی ہی میں آباد ہوگئے تھے۔ ریٹائرمنٹ تک میرے ساتھ ہی کام کرتے رہے۔ حج کی سعادت حاصل کرچکے ہیں اور بفضل تعالیٰ بقیدِ حیات ہیں۔

مولوی حبیب اللہ صاحب فاضل دیوبند ہمیں بڑے قابل، محنتی اور مخلص ٹیچر مل گئے۔ عربی اور اسلامیات کی تعلیم ان کے سپرد کی گئی۔ وہ نہایت فصیح و بلیغ مقرر، واعظ اور خطیب تھے۔ تقسیم کے بعد وہ بھی پاکستان آگئے تھے۔ انہوں نے ساہیوال میں مدرسۂ عربیہ رشیدیہ کی بنیاد رکھی جو آج کل نہایت کامیابی کے ساتھ علاقے کی دینی اور دنیوی تعلیم کی اشاعت میں مشہور ہوگیا ہے۔ اسی مدرسے کے زیرِ انتظام ایک ہائی اسکول بھی چل رہا ہے۔ مولوی حبیب اللہ صاحب اس مدرسے کے بانی، مہتمم اور روحِ رواں ہیں۔

شیخ الطاف محمد صاحب میٹرک جے۔ اے۔ وی جو پہلے پرائمری اور پھر لوئر مڈل تک اس اسکول کے ہیڈماسٹر رہے اور مڈل ہونے پر اسکول کے سیکنڈ ماسٹر ہو گئے وہ نہیں چاہتے تھے کہ اسکول ہائی اسکول بن جائے کیونکہ ٹرینڈ گریجویٹس کے مقابلے میں ان کی پوزیشن زیادہ گر جاتی تھی۔ وہ بظاہر تو تعاون کرتے تھے لیکن خفیہ طور پر سازشوں میں مصروف رہتے۔ لوگوں کو ایک دوسرے سے بدظن کرنا، انتظامیہ کے اراکین اور ہیڈماسٹر کے درمیان غلط فہمیاں اور اختلافات پیدا کرنا ان

کے بائیں ہاتھ کا کام تھا ۔ انہوں نے گذشتہ بارہ سال کے دوران کسی بھی ہیڈ ماسٹر کے قدم جمنے نہیں دیئے کسی کو اسٹاف کے ساتھ الجھایا تو کسی کو طلباء کے ساتھ، کسی کو پبلک کے ساتھ اور کسی کو انتظامیہ کے ساتھ ۔ کسی کو گورنمنٹ سروس اور بورڈ سروس کی ترغیب دے کر نکالا ۔ بارہ سال کے عرصے میں دس ہیڈ ماسٹر آئے اور ایک ایک دو دو سال کی سروس کر کے چلتے بنے ۔ چونکہ میں نے ثابت قدمی کے ساتھ اسکول اور علاقے کی خدمت کرنے کا تہیہ کرلیا تھا اس لئے میں نے تمام سازشوں کا مقابلہ کیا اور کسی سازش کو کامیاب نہ ہونے دیا ۔ عبدالمنان اور ان کی بیوی نے میرے قدم اکھیڑنے کی کوشش کی لیکن ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا ۔ شیخ صاحب چونکہ میرے استاد تھے اس لیئے میں کھلم کھلا ان سے الجھنا نہیں چاہتا تھا ۔ میرے دل میں ان کا احترام تھا اس لئے صرف محتاط رہتا تھا اور ان کی حرکات و سکنات پر نظر رکھتا تھا جس ٹیچر کو میرے خلاف اکساتے میں اسے ملازمت سے برطرف کروادیتا ۔ طلباء کے دل میں میرا بڑا احترام تھا ۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ میں کسی لالچ کے بغیر زائد وقت دے کر انہیں امتحان کے لئے تیار کرتا اور پھر طلباء عام طور سے اساتذہ بالخصوص اپنے ہمدرد اساتذہ سے بڑ[illegible]تے ہیں ۔ یہی وجہ تھی کہ وہ کسی وقت بھی میرے خلاف کسی سازش کا آلۂ کار نہ بنے ۔ انتظامیہ اور پبلک مجھے ہر طرح سے پرکھ چکی تھی اس لئے وہاں بھی میرے خلاف کوئی سازش کامیاب نہیں ہوئی ۔ البتہ میں ذہنی طور پر ضرور پریشان رہتا ۔ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا کہ سالانہ انسپکشن کے موقعے پر اسٹاف کو عدم تعاون کی ترغیب دے کر افسران معائنہ کو برا تاثر دینے کی کوشش کرتا ۔ لیکن اپنے تجربے اور صوابدید کے مطابق ان کے بدلتے ہوئے تیوروں کو سمجھ لیتا اور مخلص اور وفادار اساتذہ کو ہمراہ لے کر سازشیوں کے ذمے لگائی ہوئی ڈیوٹیاں مکمل کرلیتا ۔ وہ شرمندہ ہو کر سازشوں سے باز آجاتے ۔ بسا اوقات سالانہ معائنے کے موقعے پر ایسا بھی ہوتا کہ یہ بزرگ سیکریٹری انتظامیہ کے کان بھرتے اور

انہیں یہ باور کرانے کی ناکام کوشش کرتے کہ افسران معائنہ کو کھلا پلا کر خوش کرلیا جاتا ہے جس کی وجہ سے تعلیمی و تدریسی کام کا صحیح جائزہ نہیں ہوتا ۔ چنانچہ سیکریٹری صاحب ایک اور وکیل کو ہمراہ لے کر ریسٹ ہاؤس میں افسر معائنہ سے ملاقات کرتے اور سختی سے معائنہ کرنے کی تاکید فرماتے ۔ چنانچہ معائنہ ضرورت سے زیادہ سخت ہوتا ۔ نتیجہ ان کی توقعات کے خلاف نکلتا ۔ افسر معائنہ کا تاثر بہت اچھا ہوتا ۔ لاگ بک بھی اچھی لکھی جاتی ۔ ان تمام سازشوں، ریشہ دوانیوں، رکاوٹوں اور پریشانیوں کے باوجود میں نے حوصلہ نہیں ہارا ۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ میں ساری خدمات کسی دنیوی فائدے کی بجائے مشنری جذبے کے تحت انجام دے رہا تھا، میں حالات سے نہ تو دل گرفتہ ہوا اور نہ حوصلہ ہارا بلکہ اپنا مشن پوری مستعدی اور انہماک کے ساتھ جاری رکھا بلکہ یہ کہنا نامناسب نہ ہوگا کہ پہلے کے مقابلے میں زیادہ پرجوش اور سرگرم عمل ہوگیا ۔

کھیلوں کے لئے گراؤنڈ کے حصول کی کوشش

طلباء کی روز بروز بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر اسکول کا گراؤنڈ کھیلوں کے لئے ناکافی تھا ۔ اسکول کے بالمقابل آٹھ ایکڑ میونسپل کمیٹی کی سفید زمین پڑی ہوئی تھی ۔ میں نے اس کے حصول کے لئے کوشش شروع کردی ۔ مسلمان ممبران کمیٹی کو میں نے طالب علموں کے لئے اسکول کے گراؤنڈ کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے انہیں اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ کمیٹی میں یہ تجویز پیش کریں کہ اسلامیہ ہائی اسکول کے بڑے گراؤنڈ کے لئے یہ زمین سو سال کے لئے اسلامیہ ہائی اسکول کو پٹے پر دے دی جائے ۔ ممبران نے میری تجویز قبول کرتے ہوئے کمیٹی میں تجویز پیش کردی ۔ اجلاس کے روز میں خود کمیٹی کے دفتر میں چلا گیا اور ہندو ممبروں سے بھی تجویز کی حمایت کرنے کی درخواست کی ہندو ممبران نے بھی میری تجویز سے اتفاق کیا ۔ چنانچہ

یہ تجویز اتفاق رائے سے منظور ہو گئی ۔ اراضی ملنے کے بعد میں نے اراضی کی چار دیواری کرادی اور چاروں طرف سائے دار درخت لگوادیئے ۔ اس طرح ہمارے اسکول کو ایک شاندار گراؤنڈ حاصل ہو گئی جس میں فٹبال ، ہاکی ، کرکٹ ، والی بال کبڈی اور رسہ کشی کی ٹیمیں بن گئیں ۔ اب ہماری ٹیمیں ضلعی مقابلوں میں حصہ لینے کے لئے جانے لگیں ۔

علامہ اقبال ٹورنامنٹ کا انعقاد

ہمارے اسکول نے علامہ اقبالؒ کی یاد میں سالانہ ٹورنامنٹ منعقد کرنے کا بھی انتظام کیا ۔ پہلے ہی سال میں اس ٹورنامنٹ میں حصہ لینے کے لئے ضلع کے اطراف و اکناف سے متعدد ٹیمیں آئیں ۔ تین دن تک اسکول میں ایک میلہ سا لگارہا ۔ جیتنے والی ٹیموں اور اچھے کھلاڑیوں کو ٹرافی ، کپ اور سندیں انعام کے طور پر دی جاتیں ۔ اس ٹورنامنٹ کی وجہ سے اسکول ضلع بھر میں مشہور ہو گیا ۔ انعامات کسی اعلیٰ افسر یا بڑے زمیندار کے ہاتھوں تقسیم کرائے جاتے تاکہ وہ اسکول کے معاملات میں گہری دلچسپی لینے لگیں ۔

اسکول میں ہر سال ایک شاندار سالانہ اجلاس بھی منعقد کیا جاتا ۔ ان سالانہ اجلاسوں میں مشہور و معروف علماء ، ادیب ، شعراء مقرر اور خطیب مدعو کئے جاتے ۔ ان اجلاسوں کی صدارت کسی بڑے زمیندار یا آڑھتی کو پیش کی جاتی جو معقول رقم اسکول کو بطور عطیہ دے جایا کرتا تھا ۔ دوسرے روز ایک خاص نشست ہوتی تھی جس کی صدارت ضلع کے ڈپٹی کمشنر کو پیش کی جاتی ۔ اس نشست میں طلباء کا تقریری مقابلہ ہوتا ، مقالے پڑھے جاتے ، ڈرامے ، قرأت اور نعت خوانی ہوتی ۔ کلام اقبال پیش کیا جاتا اور اسکول میں جاری تحریکوں کے نمونے پیش کئے جاتے ۔ میں اپنے اسکول کی سالانہ رپورٹ پیش کرتا ۔ طلباء میں انعامات تقسیم ہوتے ۔ اجلاس

کے اختتام پر صدر صاحب اسکول کے لئے چندے کی اپیل کرتے ۔ اس اپیل کے نتیجے میں تقریباً دو ہزار روپے کے لگ بھگ عطیات وصول ہوجاتے ۔ سالانہ جلسے کا تمام انتظام و انصرام عام طور پر مولوی حبیب اللہ عربی ٹیچر کے سپرد ہوتا ۔ میں ان دنوں بیحد مصروف رہتا ۔ دم مارنے کی فرصت نہ ہوتی ۔ اسی زمانے میں ایک دفعہ جلال آباد کے خان ممدوٹ کو بھی صدارت پیش کی گئی تھی جسے انہوں نے بطیب خاطر قبول کر لیا تھا ۔ اسکول میں ان کی آمد پر ان کے شایان شان عظیم الشان استقبال کیا گیا تھا یہ وہ زمانہ تھا جب تحریک پاکستان اپنے عروج پر تھی سنہ ۱۹۴۴ء کے اجلاس میں اس قدر رقم جمع ہو گئی تھی کہ دو مزید کمرے بڑی آسانی سے تیار ہوگئے تھے ۔

اسلامیہ ہائی اسکول ہونے کے بعد ہائی کلاسز کے لئے مجھے پہلے دو سال تک کوئی ڈھنگ کا سائنس ٹیچر میسر نہیں ہوا ۔ اس لئے مجھے جماعت نہم اور دہم کے سائنس کا مضمون خود تیار کرانا پڑا ۔ ان دنوں سائنس کی کتابیں انگریزی میں ہوتی تھیں اور امتحان بھی انگریزی ہی میں دینا پڑتا تھا ۔ یہاں یہ عرض کرتا چلوں کہ میں نے سائنس صرف میٹرک تک پڑھی تھی اس لئے میں پہلے خود کتابوں کی تیاری کرتا اور پھر کلاس کو پڑھاتا میں مطالعہ کر کے اس مضمون پر اچھی طرح حاوی ہو گیا اور محنت کر کے اس عمدگی سے اس کی تعلیم دی اور ایسے اچھے نوٹ تیار کروائے کہ دو سال تک سائنس کا نتیجہ سو فیصد تک رہتا رہا ۔ تجربے بھی میں ہی کروایا کرتا تھا ۔ چونکہ انگریزی میرا خاص مضمون رہا تھا اس لئے دسویں جماعت کی انگریزی میں ہمیشہ اپنے پاس رکھتا تھا اور جب کبھی ریاضی کا ٹیچر نہ ملتا تو یہ مضمون بھی میں خود ہی تیار کرا دیتا ۔ زائد وقت دے کر دسویں جماعت کو تیاری کراتا رہا ۔ گرمیوں کی چھٹیوں میں بھی روزانہ دو گھنٹے کلاس ضرور لیتا ان تمام کوششوں اور اساتذہ کے تعاون کا نتیجہ یہ ہوا کہ پہلے سال ہی ہمارے اسکول کے میٹرک کا نتیجہ سو فیصد رہا ۔ علاوہ اس کے یہ بات بھی ہمارے اسکول کے اسٹاف اور انتظامیہ کے کریڈٹ میں جاتی ہے کہ

ہمارے اسکول کے میٹرک کے امتحان میں شریک ہونے والے طلباء میں سے پچاس فیصد فرسٹ ڈویژن میں چالیس فیصد طلباء سیکنڈ ڈویژن میں اور صرف دس فیصد طلبا. تھرڈ ڈویژن میں کامیاب ہوئے تھے حالانکہ بیشتر اسکولوں کے میٹرک کے نتائج اس کے بالکل برعکس رہے تھے ۔ اس کے علاوہ ہمارے اسکول کے چار طلباء نے وظائف حاصل کئے ۔ میٹرک کے شاندار نتائج کی وجہ سے اسلامیہ ہائی اسکول کی شہرت دور دراز تک پھیل گئی ۔ دوسری تحصیلوں سے بھی طلباء ہمارے اسکول میں آکر داخل ہونے لگے ۔ حتیٰ کہ ہندو اور سکھ طلباء بھی خاصی تعداد میں آکر داخل ہوئے ۔ گورنمنٹ اسکول کے فیل شدہ طلباء بھی ہمارے اسکول میں داخلہ لینے لگے ۔

مسلم ہیڈماسٹروں کی ایسوسی ایشن

پنجاب کے اسلامیہ ہائی اسکولوں کے ہیڈماسٹروں کی ایک ایسوسی ایشن بنی ہوئی تھی ۔ جس کے اجلاس ہر سال باری باری مختلف شہروں میں ہوتے تھے ۔ کسی سال فیروزپور میں تو دوسرے سال لاہور میں ، کبھی ہوشیارپور میں تو اگلے سال لدھیانہ میں ہوتے تھے ۔ ان اجلاسوں میں اسکولوں کی اصلاح ، معیارِ تعلیم بہتر بنانے اور ہیڈماسٹروں کے حقوق و فرائض کے بارے میں بہت مفید مشورے ہوتے تھے ۔ میں اس ایسوسی ایشن کا ممبر بن گیا جس کی وجہ سے مجھے اہل ترین اور قابل ترین ہیڈماسٹر صاحبان سے شرفِ ملاقات حاصل کرنے ، ان کے تجربات سے استفادہ کرنے اور ان سے تبادلۂ خیالات کے مواقع ملے جن سے مجھے بہت زیادہ فائدہ ہوا ۔ لدھیانہ کے چوہدری نذیر احمد اور فیروزپور چھاؤنی کے ترمذی صاحب میرے بڑے مخلص دوست بن گئے ۔ ایک دفعہ جب ہم ڈسکہ میں ہیڈماسٹر کے ہاں جمع ہوئے تو میٹنگ کے بعد وہاں کے ہیڈماسٹر مرزا صاحب نے ہماری آموں کی دعوت کی ۔ وہ علاقہ آموں کے لئے بہت مشہور تھا ۔ ایک بہت بڑا کڑھاؤ آموں سے بھر دیا گیا اور پانی کی تین چار

مشکیں ڈال دی گئیں ۔ کڑھاؤ کے چاروں طرف کرسیاں رکھ دی گئیں ۔ ہم لوگ کرسیوں پر بیٹھ گئے ۔ آم چوسنے لگے ۔ آم نہایت لذیذ تھے ۔ خوب سیر ہو کر آموں سے لطف اندوز ہونے کے بعد کچی لسی کا دور چلا ۔ ہمارا عام دستور یہ تھا کہ ہم جس اسکول میں جمع ہوتے پہلے اس اسکول کا معائنہ کرتے وہاں کی اچھی چیزیں نوٹ کرتے اور خامیوں کی جانب متعلقہ اسکول کے ہیڈماسٹر کی توجہ مبذول کراتے ۔ قومی اسکولوں کا معیار بلند کرنے کا یہ طریقہ نہایت مفید اور سودمند ثابت ہوا ۔ اس سے نہ صرف اسکولوں کی تمام خامیاں دور ہو گئیں بلکہ ان کی اچھی باتیں دوسرے اسکولوں کو اپنانے کا موقع بھی ملا ۔

ہائی اسکول بن جانے کے بعد اخراجات میں بے حد اضافہ ہو گیا جو فیسوں ، عطیات اور سرکاری گرانٹ سے پورے کئے جاتے تھے ۔ مزید کمرے بھی زیرِ تعمیر تھے ان کمروں کے لئے فرنیچر بھی تیار کیا جارہا تھا ۔ سائنس اور ڈرائنگ کے لئے مزید ساز و سامان کا آرڈر بھی دیا جا چکا تھا ۔ ان سارے کاموں کے لئے مزید رقم درکار تھی جس کے حصول کے لئے میں انجمن کے اکثر اراکین کو دو مرتبہ تو باہر کے علاقے کا دورہ کرانے میں کامیاب ہو گیا لیکن پھر میری کوشش کامیاب نہیں ہوئی لہٰذا مجھے اکثر و بیشتر تن تنہا ہی دوروں پر نکلنا پڑتا حتیٰ کہ ہفتہ واری تعطیل بھی دوروں کی نذر ہو جاتی ۔ مجھے آرام کرنے اور ستانے کا بہت کم موقع ملتا ۔ نزدیک کے دیہات میں پیدل یا بائیسکل پر سفر کر لیتا ۔

دور کے مقامات کا سفر بس پر گھوڑے یا اونٹ پر کرنا پڑتا تھا ۔ ایک دفعہ میں نے موضع سرانواں کا قصد کیا ۔ پہلے بس پر ابوہر پہنچا ۔ وہاں سے سرانواں سات میل کے فاصلے پر تھا گرمی کا موسم اور جولائی کا مہینہ تھا ۔ میں نے بس کا کافی دیر تک انتظار کیا لیکن جب بس تقریباً ایک گھنٹے تک نہیں آئی تو میں نے پکی سڑک پر پیدل مارچ شروع کر دیا ۔ خیال تھا کہ کہیں نہ کہیں بس مل جائے گی ۔ لیکن بس نہ ملنا تھی

اور نہ ملی ، دھوپ اتنی تیز تھی کہ " بھن جاتا تھا جو گرتا تھا دانہ زمین پر " ۔ مرتا کیا نہ کرتا ۔ دھوپ کی تمازت سے بچنے کے لئے مجھے یہی تدبیر سوجھی کہ کوٹ اتار کر اس طرح سر پر رکھ لیا کہ سر تو دھوپ کی تمازت سے محفوظ رہے اور بازو پہلوؤں پر لٹکتے رہے ۔ اس طرح دھوپ سے کچھ بچت ہو گئی ۔ تمام راستے بس نہ ملی اس لئے پورا سفر پیدل ہی طے کرنا پڑا ۔ سات میل پکی سڑک پر سفر کیا ۔ سرانوان پختہ سڑک سے مغرب کی جانب تھوڑے فاصلے پر واقع تھا ۔ یہ راستہ کچا تھا ۔ لب سڑک ایک گاؤں تھا جہاں کا زمیندار میرا شاگرد تھا ۔ میں اس کے گھر چلا گیا ۔ اس نے بہت عزت و احترام سے اپنے پاس ٹھہرایا ، بستر بچھا کر لٹا دیا ۔ پھر ایک نوکر کو پاؤں دبانے اور پنکھا ہلانے پر مامور کر دیا ۔ کھانا کھانے کے بعد وہاں کچھ آرام کیا اور پھر میرے شاگرد نے میرے اصرار پر مجھے سرانوان کا سفر جاری رکھنے کی اجازت دے دی ، ایک سواری اور نوکر ہمراہ کر دیا ۔ میں عصر اور مغرب کے درمیان سرانوان پہنچا ۔ یہ بہت بڑا موضع ہے ۔ میاں پیر عطاءاللہ صاحب اس موضع کے سرکردہ زمیندار تھے نہایت نیک ، عابد ، متقی ، پرہیزگار ، مہمان نواز ، مخیر ، خوش اخلاق اور فہم و فراست والے بزرگ تھے ۔ بڑی عزت و احترام کے ساتھ پیش آئے ۔ میری بے لوث تعلیمی خدمات کو بہت سراہا میری بڑی قدر افزائی کی ۔ رات کو اپنے پاس مہمان خصوصی بنا کر رکھا اور صبح نماز سے فارغ ہونے کے بعد سات ہزار روپے اسکول کے لئے چندہ عطا فرما کر مجھے رخصت فرمایا ۔ جو گھوڑا مجھے پختہ سڑک تک پہنچانے کے لئے دیا گیا وہ راستے میں بدک گیا اور سرپٹ دوڑنے لگا اگر بہک میں ملازمت کے دوران میں نے گھوڑے پر سواری کی ٹریننگ نہ لی ہوتی تو یہ گھوڑا مجھے راستے ہی میں گرا دیتا ، اللہ کا شکر ہے کہ میں نے اسے قابو میں رکھا اور نقصان سے محفوظ رہا ۔

**

ہمارے خلاف اونٹ کی شرارت

ایک روز میں نے دیوان کھیڑے جانے کا ارادہ کیا ۔ مولوی محمد رفیق صاحب ، خطیب جامع مسجد کو ہمراہ لیا ۔ ہم دونوں ایک اونٹ پر سوار ہو گئے ۔ ہم کچے راستے جا رہے تھے ۔ آگے میں بیٹھا ہوا تھا ۔ پیچھے مولوی صاحب تھے ۔ کوئی چار میل طے کرنے کے بعد پانی کا راجباہ آ گیا ۔ راستہ اس میں سے گذرتا تھا ۔ جب اونٹ عین منجدھار میں پہنچا تو اسے شرارت سوجھی ۔ وہ اچانک پانی میں بیٹھ گیا ۔ میں فوراً چھلانگ لگا کر پانی میں اتر گیا ۔ ابھی اونٹ کروٹ لینے والا ہی تھا کہ میں نے مولوی صاحب کو بھی جلدی سے اونٹ سے کھینچ لیا ۔ اونٹ کا ارادہ الٹ پلٹ کر پانی میں لوٹیاں مارنا اور ہمیں اپنے نیچے کچلنے کا تھا ۔ ہم بھیگ تو گئے لیکن اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہم اونٹ کی شرارت سے بچ گئے ۔ دیوان کھیڑے پہنچ کر کپڑے بدلے ۔ کافی مدت تک اس طرح کی صعوبتیں برداشت کرتا رہا لیکن بیس پچیس ہزار روپوں کے قریب جمع کرنے کے ساتھ ہی ساتھ دیہات میں تعلیم کا شوق بھی پیدا کر دیا ۔

میں نے جب مڈل اسکول کا چارج لیا تھا تو سید عجائب علی شاہ گورنمنٹ ہائی اسکول کے ہیڈ ماسٹر تھے ۔ میرے پیشرو کرم الہیٰ داد سے ان کے تعلقات کشیدہ ہو گئے لیکن میرے ساتھ معمول پر رہے ۔ کچھ عرصے بعد ان کا تبادلہ ہو گیا ۔ ان کی جگہ چوہدری نذیر احمد صاحب گورنمنٹ ہائی اسکول کے ہیڈ ماسٹر بن کر آ گئے ۔ چوہدری صاحب میرے پہلے ہی دوست تھے ۔ ہم وقتاً فوقتاً آپس میں مشورے کر لیا کرتے تھے اور ایک دوسرے کے مکان پر بھی جایا کرتے تھے ۔ انہوں نے اپنی پوزیشن مضبوط کرنے کے لئے اپنے اسکول میں مسلم طلباء کی تعداد بڑھانے کی کوشش کی ۔ کچھ لڑکے ہمارے اسکول سے بھی لے گئے ۔ ان دنوں خواجہ عبدالحئی لدھیانہ والے وزیر تعلیم تھے اور وہ اسلامیہ ہائی اسکول لدھیانہ کے مینجر بھی تھے ۔ چوہدری نذیر احمد صاحب جو اسلامیہ ہائی اسکول لدھیانہ کے ہیڈ ماسٹر تھے ، خواجہ صاحب کی وجہ سے

براہِ راست گورنمنٹ سروس میں بطور ہیڈ ماسٹر لے لئے گئے تھے ۔ چوہدری صاحب ہندو محلہ میں رہتے تھے اس لئے بقرعید کے دن جب انہوں نے قربانی کی تو میں نے چار پانچ نوجوان طلباء ان کے مکان پر پہرہ دینے کے لئے بھیج دیئے تا کہ ہندو کوئی شرارت نہ کر سکیں ۔ تھوڑے ہی عرصے بعد خواجہ صاحب نے انہیں ترقی دے کر ڈسٹرکٹ انسپکٹر لگا دیا اور ان کی جگہ گورنمنٹ ہائی اسکول فاضلکا میں پنڈت پران ناتھ آگئے ۔ پنڈت پران ناتھ بہت زیادہ متعصب تھے ۔ انہوں نے مسلمان طالبِ علموں کو چن چن کر نکالنا شروع کر دیا ۔ لیکن اب صورتِ حال قدرے مختلف تھی ۔ اب مسلمان طالبِ علم بے سہارا نہیں تھے ۔ ان کے لئے میرا اسکول پناہ گاہ کی حیثیت سے موجود تھا ۔ میں ایسے لڑکوں کو اپنے اسکول میں داخل کر لیتا اور ان کی تعلیم پر خصوصی توجہ دے کر انہیں کامیاب کراتا ۔ مسلمانوں میں اب تعلیم کا شوق بھی تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا ۔ مقامی ہندوؤں کو یہ بات بہت کھٹکی کہ مسلمان تعلیمی میدان میں تیزی سے آگے بڑھ رہے ہیں اور ان کی سرپرستی کرنے والا ایک تعلیمی ادارہ بھی سرگرم عمل ہے ، اسلامیہ ہائی اسکول بھی دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہا ہے نیز یہ ادارہ مسلمانوں کی تحریکات کا مرکز بنتا جارہا ہے ۔ سب سے بڑھ کر یہ بات ان کو بری طرح کھٹکنے لگی تھی کہ اب ہندو اور سکھ طلباء بھی اسلامیہ ہائی اسکول میں داخلہ لے رہے ہیں تو انہوں نے بھی اپنے پرائمری اسکول کو پہلے مڈل تک ترقی دی اور پھر کچھ عرصے بعد منسی رام انٹرمیڈیٹ کالج قائم کر دیا ۔ اگر ملک تقسیم نہ ہوتا تو میں بھی اپنے اسکول کو ترقی دے کر کالج بنا دیتا ۔

میونسپل ہائی اسکول ابوہر اور مکستر سے نکالے ہوئے مسلمان طالبِ علم کی پناہ گاہ بھی میرا اسکول بن گیا تھا ۔ اب میرے اسکول میں طالبِ علموں کی تعداد بارہ سو تک جا پہنچی تھی ظاہر ہے کہ اب اسکول میں کمروں کی تعداد طالبِ علموں کی تعداد کے مقابلے میں کم ہو گئی تھی ۔ لہٰذا مجھے اسکول میں مزید چار بڑے کمرے تعمیر کرانا

پڑے ۔ ان کمروں کے لئے میں شیخ الطاف محمد صاحب کو اپنے ساتھ لے کر ابوہر گیا اور وہاں سے چھانٹ چھانٹ کر نہایت عمدہ شہتیر لایا ۔ میں بہت خوش تھا کہ کمروں کے لئے مجھے بہترین شہتیر مل گئے ہیں ۔ مگر اے بسا آرزو کہ خاک شدہ کے مصداق انتظامیہ کمیٹی کے سیکریٹری چوہدری علی احمد صاحب ، وکیل کو وہ شہتیر پسند آگئے ۔ انہوں نے خفیہ خفیہ طور پر سب سے اچھے تین شہتیر اپنی ذاتی عمارت کے لئے منگوا لئے ۔ مجھے ان کی اس حرکت پر غصہ بھی بہت آیا اور دلی رنج بھی ہوا کہ میں نے گاؤں گاؤں اور گھر گھر جا کر بڑی محنت اور جانفشانی سے چندہ جمع کر کے تعمیر کا سامان خریدا تھا جسے سیکریٹری صاحب نے ہتھیا لیا لیکن مرتا کیا نہ کرتا ، صبر و شکر سے کام لیا ۔ بات یہیں پر ختم نہیں ہوئی بلکہ بقول کسے بلی کے منہ کو خون لگ گیا تھا ، اب انہوں نے مزید ہاتھ پاؤں مارنا شروع کر دیئے ۔ میں نے بڑی تنگ و دو کر کے اسکول کے لئے سات سو روپے کا ایک ٹائپ رائٹر خریدا تھا ، اسے مشکل سے ایک مہینہ استعمال کیا گیا ہوگا کہ سیکریٹری صاحب کی اس پر نظر پڑی اور انہوں نے اسے بھی نہ صرف بلا جواز و ضرورت اپنے گھر منگوا لیا بلکہ اس پر بھی قبضۂ مخالفانہ کر لیا ۔ اس صورتِ حال کی وجہ سے میں سخت ذہنی کرب میں مبتلا ہو گیا کہ اگر میں اس خرد برد کی اطلاع انجمن کے دوسرے اراکین کو دیتا ہوں تو انجمن میں پھوٹ پڑتی ہے اور اسلامی مرکز کا شیرازہ بکھرنے کا خدشہ بڑھتا ہے اور اگر خاموش رہتا ہوں تو نہ صرف میرا دل کڑھتا ہے بلکہ مجھ پر بھی بددیانتی کا نہ سہی کم از کم غیر ذمے داری کا الزام عائد ہوتا ہے میری حالت " گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل " والی تھی ۔ کافی دن تک سخت ذہنی الجھن میں گرفتار رہا ۔ بالآخر مصلحت اسی میں نظر آئی کہ بادلِ نخواستہ ہی سہی یہ جیتی مکھی کھالی جائے ۔ میں نے مجبوراً خاموشی اختیار کی اور اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر اپنے لئے اور اپنے تمام دوست احباب کے لئے ایمان و سلامتی اور فرض شناسی کی دعا مانگتا رہا ۔

یک نہ شد دو شد

اسکول کی مقبولیت اور طلباء کی تعداد میں روزافزوں اضافے کے ساتھ ساتھ اسکول میں درس و تدریس کے معیار کو مزید بہتر بنانے اور تربیت یافتہ اساتذہ کی خدمات حاصل کرنے کے لئے میں نے مزید ہاتھ پاؤں مارنا شروع کئے ۔ اس مقصد کے لئے مجھے کم خرچ اور بالانشیں والی ایک ترکیب سوجھی ۔ میں سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور گیا اور وہاں ایسے مسلمان گریجویٹس سے ملاقاتیں کیں جو بی ۔ ٹی کا کورس ختم کر کے ٹریننگ کالج سے فارغ ہونے والے تھے ۔ میں نے ان میں سے ایک ملتانی نوجوان کو منتخب کیا ۔ وہ بہت زیادہ چرب زبان تھا اور اس نے اپنی گفتگو سے یہ تاثر دیا کہ وہ درس و تدریس کے پیشے کو مسلمانوں میں تعلیم عام کرنے اور مسلم نوجوانوں میں علم کا شوق پیدا کرنے کے لئے اپنانا چاہتا ہے ۔ وہ جو کہا ہے کسی نے کہ ہر چمکتی ہوئی چیز سونا نہیں ہوتی اور نہ تپاک سے بڑھنے والا ہر ہاتھ دوست کا ہوتا ہے ، سچ ہی کہا ہے ۔ میں اس کی باتوں سے اتنا متاثر ہوا کہ میں نے اسے منتخب کر لیا اور اسے بطور سیکنڈ ماسٹر اسکول میں ملازم رکھ لیا ۔ کچھ دن تک وہ ٹھیک ٹھاک چلا لیکن کچھ عرصے بعد وہ شیخ محمد الطاف صاحب کے ہتھے چڑھ گیا اور ان کے رنگ میں رنگ گیا اس طرح اسکول میں میرے خلاف دو منافقوں کا گٹھ جوڑ ہو گیا ۔ اس نوجوان نے جلد ہی پر پرزے نکالنا شروع کر دیئے ۔ بہت ممکن ہے کہ شیخ محمد الطاف صاحب کی شہ پر اس نے جلد بازی سے کام لیا ہو اور اس کی جلد بازی کا ہی یہ نتیجہ ہوا کہ اس کے مذموم ارادے جلد ہی بے نقاب ہو گئے ۔ ہوا یوں کہ اسکول کے سالانہ معائنے کے موقعے پر جب میں انسپکٹر صاحب کو اسکول کا راؤنڈ کروانے لگا تو وہ بھی خدا جانے کیوں اپنی کلاس چھوڑ کر ساتھ ہو لیا ۔ افسر معائنہ کو بھی اس کی یہ حرکت ناگوار گذری اور اس کے رویے کو سخت ناپسند کرتے ہوئے جماعت کو پڑھانے کے لئے اسے واپس کلاس میں بھیج دیا ۔ اس کے اس بیتابانہ رویے نے بہت جلد اس کی

قلعی کھول دی میں نے بھی محسوس کیا کہ یہ تو آستین کا سانپ ہے لہذا میں نے اسے اسکول سے فارغ کر دیا ۔ بقول سعدی ۔ رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت ۔

ہمارے اسکول کے میٹرک کا دوسرا سالانہ نتیجہ بھی نہایت شاندار نکلا ۔ اکثر طلباء فرسٹ ڈویژن میں کامیاب ہوئے اور پانچ طالب علموں کو وظائف ملے ۔ اسکول کی مسلسل دوسری شاندار کامیابی سے اسکول کی شہرت میں مزید چار چاند لگ گئے اب دور دراز علاقوں سے بھی آ کر طلباء داخل ہونے لگے ۔ مزید کمروں کی ضرورت بھی شدت سے محسوس ہونے لگی ۔ چنانچہ میں میاں محمد سرور صاحب بودلہ کے پاس پہنچا ۔ وہ اب اسکول کے معاملات میں گہری دلچسپی لینے لگے تھے اور مجلس انتظامیہ کے صدر بھی تھے ۔ میں نے تین دن تک ان کے پاس قیام کیا ۔ وہ بہت شفقت اور مہربانی سے پیش آئے ۔ میری بڑی آؤ بھگت کی ۔ اس دوران میں نے اسکول کی سرگرمیوں اور اسکول کی ضروریات سے انہیں مطلع کیا ۔ انہوں نے میری گزارشات بڑی ہمدردی سے سماعت فرمائیں ، اسکول کی نمایاں کامیابی پر دلی مسرت کا اظہار کیا اور مبلغ بارہ ہزار روپے کی رقم بطور عطیہ دے کر مجھے رخصت کیا ۔ اس رقم سے چار مزید کمرے تعمیر کر لئے گئے ۔ اب ہمارے پاس جگہ کی قطعی قلت نہیں تھی بلکہ ضرورت کے عین مطابق تھی ۔ ہر جماعت کے دو دو تین تین سکشن کھول دیئے گئے ۔ خوش قسمتی سے مجھے فیروزپور سے تین بہت اچھے ٹیچر مل گئے ۔ ان میں سے ایک چوہدری محمد حسین بی ۔ اے ، بی ۔ ٹی تھے ۔ نہایت شریف ، انتہائی محنتی اور سرگرم عمل ٹیچر تھے ۔ ریاضی میں خاص طور سے ماہر تھے ۔ انہوں نے ہمیشہ مجھ سے انتہائی پرخلوص تعاون کیا ۔ اسی طرح چوہدری مشتاق صاحب بی ۔ اے ، بی ۔ ٹی بھی نہایت مستعد ٹیچر تھے ۔ گیمز اور اسکاؤٹنگ وغیرہ میں انہوں نے اپنی انتھک جد و جہد سے جان ڈال دی ۔ اسی طرح چوہدری محمد یعقوب صاحب ڈرائنگ ماسٹر بھی اپنے کام میں ماہر ، نہایت ہی شریف الطبع اور پرجوش ٹیچر تھے ۔ اسکول کی شہرت میں چار چاند

لگانے میں ان اساتذہ کا بہت بڑا حصہ تھا ۔ اب ہمارے پاس بیس اساتذہ پر مشتمل تدریسی عملہ ہو گیا تھا پرائمری میں چوہدری امانت علی نہایت محنتی اور سرگرم عمل ٹیچر تھے ۔

ایک اور ناکام سازش

چوہدری عبدالکریم بی ۔ اے ، بی ۔ ٹی نہایت قابل اور محنتی استاد تھے وہ یہاں تین سال تک ہیڈماسٹر مڈل اسکول رہ چکے تھے ۔ ان کے زمانے میں خان نور محمد خاں ، وکیل اسکول کے مینجر تھے ۔ وہ اسکول کے انتظامی معاملات میں جا و بیجا مداخلت کرتے رہتے تھے اس لئے عبدالکریم صاحب کی ان سے نہیں بنتی تھی بالآخر چوہدری صاحب مستعفی ہو کر افریقہ چلے گئے تھے ۔ تین سال بعد جب وہ افریقہ سے واپس آئے تو وہ اسکول کی ترقی اور شہرت دیکھ کر حیرت زدہ ہوئے اور اس کی کامیابی پر رشک کرنے لگے ۔ یہ دیکھ کر شیخ الطاف محمد صاحب کی رگِ منافقت پھر پھڑکنا شروع ہو گئی ۔ انہوں نے عبدالکریم صاحب کو یہ پٹی پڑھائی کہ اگر آپ اسکول کا چارج خود سنبھال لیں تو اسکول کی ترقی میں مزید چار چاند لگ جائیں گے اور ایک طرف تو انہیں یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ انتظامیہ کے ذمے دار افراد ، بیشتر طلباء اور اسٹاف کا عملہ ان کی دوبارہ واپسی کا دل و جان سے خیر مقدم کرے گا اور دوسری طرف پبلک میں ، انتظامیہ میں حتیٰ کہ اساتذہ میں ان کی خوبیوں کا چرچا زور و شور سے شروع کر دیا گیا ۔ ہر جگہ اور ہر محفل میں ان کے قصیدے سنائے جانے لگے یہاں تک کہ جب مولوی پیر محمد صاحب فاضلکا تشریف لائے تو ان کے دل میں بھی یہ بات بٹھانے کی ہر ممکن کوشش کی گئی کہ اگر چوہدری عبدالکریم کو اسکول کا ہیڈماسٹر بنا دیا جائے تو اسکول اور بھی زیادہ ترقی کرے گا ۔ چوہدری علی احمد سیکریٹری کو بھی اسی ڈگر پر ڈالنے کی بھرپور کوشش کی گئی اور ان کو بڑی حد تک ہموار بھی کر لیا گیا ۔ ادھر مجھے منظر سے آؤٹ کرنے کے لئے بظاہر مجھ سے بطور ہمدردی کہا

گیا کہ تم یہاں پرائیوٹ سروس میں اپنی صلاحیتیں اور مستقبل دونوں تباہ کر رہے ہو ، تم گورنمنٹ سروس میں جا کر اپنا کیریر بناؤ ۔ لیکن میں خوش قسمتی سے اس سازش سے بروقت متنبہ ہو گیا ۔ میں نے انتظامیہ اور پبلک میں اپنے مخلص احباب کو اس سازش سے آگاہ کیا ۔ چنیوٹی شیخ حضرات ، میاں محمد سرور صاحب ، چوہدری محمد اسمٰعیل ، وکیل اور چوہدری محمد حسن ، وکیل نے اس سازش کو پنپنے نہیں دیا ۔ تھوڑے عرصے بعد چوہدری عبدالکریم صاحب کا انتقال ہو گیا اور اس طرح قدرت نے اس سازش کو ناکام بنا دیا ۔

دو سکھ طالب علم رنجیت سنگھ اور ہرنام سنگھ درس قرآن میں شرکت کرتے تھے ۔ وہ اسلام کی حقانیت سے اس درجہ متاثر ہوئے کہ وہ مسلمان ہونا چاہتے تھے لیکن اپنے والدین کے ڈر اور دباؤ کی وجہ سے مسلمان ہونے کا برملا اظہار نہ کر سکے ۔

میں اپنے اسکول کے طلباء کو مقامی اور ضلعی مقابلوں میں بھیجا کرتا تھا جہاں وہ امتیازی پوزیشن حاصل کر کے انعام جیت کر لایا کرتے تھے اس طرح پورے ضلع میں میرے اسکول کی شہرت میں مزید اضافہ ہوتا تھا ۔ ضلعی ٹورنامنٹس میں بھی میرے اسکول کی ٹیمیں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی تھیں اور ان مقابلوں میں بھی امتیازی پوزیشن حاصل کرتی تھیں ۔ تعلیم ، اسپورٹس اور دیگر سرگرمیوں میں میرے اسکول کے طالب علموں کی نمایاں کارکردگی کی وجہ سے سنہ ۱۹۴۶ء میں جب پاکستان کی تحریک زور و شور سے جاری تھی مجھے میٹرک کے امتحان کے سنٹر کا ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ مقرر کیا گیا ۔ اچھی کارکردگی دکھانے کی وجہ سے دوسرے سال یعنی مارچ سنہ ۱۹۴۷ء میں مجھے میٹرک کے امتحان کے لئے موگہ سنٹر کا سپرنٹنڈنٹ مقرر کیا گیا ساتھ ہی ساتھ اس سنٹر کے سائنس پریکٹیکل کا ایگزامینر بنا دیا گیا ۔ ان مناصب پر میرا تقرر دراصل میرے اسکول کی عمدہ بلکہ امتیازی کارکردگی پر کیا گیا تھا جو ہمارے پورے عملے اور طلباء کی مشترکہ کوششوں کا عملاً اعتراف تھا ۔ ان ذمے داریوں کی وجہ سے

میرے لئے خطرات میں بھی بہت زیادہ اضافہ ہو گیا تھا کیونکہ مارچ سنہ ۱۹۴۷ء میں پورے ملک میں عموماً اور پنجاب میں خصوصاً ہندو مسلم کشیدگی انتہا کو پہنچ چکی تھی بلکہ اکثر علاقوں میں فسادات کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا ۔ ملک کی تقسیم یقینی ہو گئی تھی آثار و قرائن سے واضح ہو گیا تھا کہ انگریز حکمرانوں نے ملک کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے ۔ قائدِاعظم محمد علی جناح کی جدوجہد بارآور ہو گئی تھی ۔ پاکستان اور ہندوستان کی حدبندی کا اہم مسئلہ در پیش تھا ۔ پنجاب میں خاص طور پر بہت زیادہ کشیدگی تھی ۔ پنجاب کے جن علاقوں میں ہندوؤں اور سکھوں کی اکثریت تھی وہاں مسلم اقلیت پر مظالم کے پہاڑ توڑے جانے لگے تھے ۔ قتل و غارت گری کا بازار گرم تھا ۔ مسلمانوں کے گھروں اور دکانوں بلکہ پوری پوری بستیوں کو تباہ کرنے اور جلانے کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا ۔ تحصیل مکسر میں سکھوں کی اکثریت تھی اور مسلمانوں پر کھلم کھلا حملوں کا آغاز ہو چکا تھا ۔ مسلمانوں کی جان و مال محفوظ نہیں تھی حالات مزید خراب ہوئے بلکہ مسلمانوں کے قتلِ عام کا اندیشہ روز بروز شدید سے شدید تر ہوتا جارہا تھا ۔ میں اس انتہائی پرخطر اور غیر محفوظ فضاء میں امتحان لینے کے لئے مکسر پہنچا آریہ ہائی اسکول امتحان کا سنٹر تھا ۔ میں اپنا راشن ، بستر اور انتہائی ضروری سامان اپنے ساتھ لے گیا تھا ۔ اس وقت ایک مسلمان پٹواری کا مکان خالی تھا ۔ پٹواری نے مجھے مکان کی چابیاں دے دیں ۔ وہاں میں نے اپنا ڈیرہ جمالیا ۔ مکان کے چاروں طرف سکھ آبادی تھی جس کا رویہ اس وقت مسلمانوں کے ساتھ سخت معاندانہ تھا ۔ میں اگلے روز اللہ کے بھروسے پر ٹانگے پر سوار ہو کر سنٹر پہنچا ۔ وہاں فرنیچر سیٹ کروایا ۔ ہال اور کمرے سمیت مزید تین کلاس روموں کو قبضے میں لیا نوٹس بورڈ پر امتحان کے نوٹس لگوائے اور ڈیسکوں پر رول نمبر چسپاں کروائے ۔ حسن اتفاق سے میرا ڈپٹی ایک سکھ انگلش ٹیچر تھا ۔ وہ نہایت شریف ، بھگت یا سنت صفت انسان تھا ۔ اس نے میری حفاظت کا ہر طرح خیال رکھا ، میری حوصلہ افزائی

کی اور اپنے مفید مشوروں سے میرے کام میں آسانی پیدا کرتا رہا ۔ میرے لئے مسلمان پٹواری کا مکان ریزرو کرانے میں بھی اس کا بڑا ہاتھ تھا ۔ اس نے مجھے ایک مسلمان اردلی بھی مہیا کر دیا تھا ۔ شام کا کھانا اردلی تیار کرتا اور دوپہر کا کھانا اس اسکول کا مسلمان پی ٹی تیار کر دیتا میں نے اسے راشن وغیرہ دلوادیا تھا ۔ امتحان نہایت امن و سکون کے ساتھ شروع ہوا ۔ میرا عملہ زیادہ تر ہندو ، سکھ نگرانوں پر مشتمل تھا صرف دو ایک مسلمان نگراں تھے ۔ ایک دو لڑکے چاقو یا پستول اپنے ہمراہ لائے تھے ۔ میں نے اس سکھ ڈپٹی کے تعاون سے طالبِ علموں سے اسلحہ لے کر اپنے قبضے میں کر لیا اس کے بعد کوئی طالبِ علم اپنے ساتھ کسی قسم کا کوئی اسلحہ نہیں لایا ۔ امتحان نہایت پرسکون ماحول میں ختم ہوئے ۔ البتہ قصبے سے اِکا دکا فرقہ وارانہ فسادات کی خبریں ملتی رہیں لیکن ان کا اثر امتحان پر نہیں پڑا ۔ میں نے حوصلے کے ساتھ اپنا کام جاری رکھا چونکہ امیدواروں کی تعداد ڈیڑھ سو سے زیادہ تھی اس لئے مجھے ایک اور معاون کی خدمات فراہم کی گئیں ان کا اسم گرامی چوہدری طفیل محمد تھا جو اسلامیہ ماڈل ہائی اسکول ، لاہور کے ہیڈ ماسٹر تھے ۔ مجھے ایک اور مسلمان معاون کی خدمات حاصل ہونے کی خوشی ہوئی ۔ وہ میرے پاس ہی ٹھہر گئے ۔ جس کی وجہ سے مجھے اور زیادہ تقویت حاصل ہوئی ۔ غالباً وہ حالات کی وجہ سے زیادہ خوف زدہ تھے ۔

ایک رات بڑا عجیب واقعہ پیش آیا جس کی وجہ سے میں بھی قدرے متفکر ہو گیا تھا ۔ ایک روز چوہدری طفیل محمد صاحب نصف رات کے قریب بہت گھبرائے ہوئے اٹھے ۔ انہوں نے جلدی جلدی مجھے جگایا وہ سخت پریشان اور خوف زدہ نظر آرہے تھے ۔ میں نے ان سے پوچھا خیریت تو ہے کیا ماجرا ہے ۔ ان کا چہرہ زرد تھا ۔ خوف سے ان کی آواز نہیں نکل رہی تھی ، ہونٹ خشک تھے ۔ انہوں نے ڈرتے ڈرتے اور سرگوشی کے انداز میں مجھے بتایا ۔ غضب ہو گیا ۔ ہمارے پڑوس میں سکھ جمع ہو گئے ہیں ۔ وہ کرپانوں اور چھروں سے مسلح ہیں ۔ ان کے ارادے خطرناک معلوم ہوتے

ہیں ۔ ساتھ والے مکان میں سرگوشیوں میں مصروف ہیں ۔ غالباً ہم پر حملے کی تیاریاں کر رہے ہیں ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہئے ۔ اس ہنگامہ خیز اور فرقہ وارانہ منافرت اور کشیدگی کے ماحول میں یہ انہونی بات بھی نہیں تھی ۔ ساتھ والے مکان میں گیس جل رہی تھی اور اس کی روشنی ہماری دیوار پر پڑ رہی تھی ۔ ہم نے غور سے دیکھا تو ہمیں دیوار پر چلتے پھرتے انسانوں کے سائے دکھائی دیئے ۔ ان میں سے ایک سائے کے سر پر ٹوکری تھی ، ایک کے ہاتھ میں پھاوڑا تھا اور ایک کے پہلو میں کرپان آویزاں تھی ۔ طفیل محمد گھبرا کر بول اٹھے ۔ لو سکھ حملہ آور آپہنچے ۔ اب ہماری خیر نہیں ۔ مجھے یقین نہ آیا ۔ میں نے سیڑھیوں پر چڑھ کر دیکھا تو پڑوسی عورتیں اور ایک دو مرد جلدی

انجمن کی انتظامیہ کے اکاؤنٹ میں بینک میں جمع کروادیئے ۔ اس رقم سے سائنس کا سامان لائبریری کے لئے اردو اور انگریزی کی کتابیں ، مڈل اور ہائی کلاسز کے لئے فرنیچر نیز دفتر اور اساتذہ کے لئے ضروری فرنیچر مہیا کر لیا گیا ۔ ابھی تک ہمارا اسکول ، ملحقہ مسجد اور بجلی سے محروم تھے ۔ اب ہمارا ہاتھ کھلا تو کمروں میں ، مسجد میں ، دفتر میں کوارٹرز اور بورڈنگ ہاؤس میں بجلی کی فٹنگ کروادی گئی ۔ دفتر کے ساتھ ملحق ایک کمرہ برائے ریکارڈ و کلرک بھی تعمیر کروایا گیا اور ایک شاگرد بابو رکن الدین کو بطور کلرک ملازم رکھ لیا گیا ۔

سنہ ۱۹۴۶ء میں ہمارے اسکول [illegible]رک کا تیسرا نتیجہ بھی بڑا شاندار رہا ۔ ۹۸ فیصد طلباء کامیاب ہوئے ۔ اکثر طلباء فرسٹ اور سیکنڈ ڈویژن میں کامیاب ہوئے صرف دو طالب علم تھرڈ ڈویژن میں کامیاب ہوئے جب کہ تین طالب علموں نے وظائف حاصل کئے ۔

یتیم ، نادار ، مفلس اور لاوارث بچوں کی بھی خاص طور پر سرپرستی کی جاتی تھی ۔ دو لڑکے بہت ذہین تھے لیکن ان کے والدین انتہائی غریب تھے ۔ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ دونوں بچوں کے والدین نان جویں کو محتاج تھے ۔ ان میں سے ایک کا نام عباس تھا جو ایک غریب زرگر کا بیٹا تھا ۔ دوسرے کا نام علی محمد تھا جو ایک لوہار کا

لڑکا تھا ۔ میں ان بچوں کی کتابوں ، کاپیوں ، خوراک حتیٰ کہ پارچہ جات کا بھی انتظام کر دیا کرتا تھا ۔ دونوں بچے بڑے شوق اور محنت سے تعلیم حاصل کرتے تھے ۔ آج کل یہ دونوں بڑی باعزت زندگی گذار رہے ہیں ۔ انہیں دیکھ کر جی بہت خوش ہوتا ہے ۔

ہائی اسکول ہو جانے کی وجہ سے سرکاری اور غیر سرکاری حلقوں میں بھی میرے وقار میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا تھا ۔ ہر سرکاری تقریب میں مجھے ضرور مدعو کیا جاتا جہاں میری بڑی پذیرائی ہوتی ۔ قصباتی اور دیہی علاقے میں مجھے بڑی قدر و منزلت کی نظر سے دیکھا جاتا ۔ پبلک اور انتظامیہ میں میری خدمات کی قدر کی جاتی جس سے

جلدی چھت پر چڑھ رہے ہیں ۔ مطلع ابر آلود تھا ۔ بوندا باندی ہو رہی تھی ۔ وہ لوگ چھت پر اپلے اکٹھے کر کے انہیں لے جانے اور پرنالوں کو صاف کرنے چڑھے تھے ۔ ان کی پرچھائیاں ہماری دیوار پر پڑ رہی تھیں ۔ حقیقت کھل کر سامنے آگئی اور مفروضہ حملے کا خدشہ سر سے ٹل گیا ۔ میں مسکراتا ہوا اطمینان سے نیچے اترا تو دیکھا کہ چوہدری صاحب ہاتھ میں بیگ لئے اپنی جان بچانے کی غرض سے فرار ہونے کے لئے تیار کھڑے تھے ۔ میں انہیں دیکھ کے بے اختیار ہنس پڑا ۔ وہ میرے اس رویے پر بڑے متعجب ہوئے لیکن جب میں نے انہیں مبینہ حملے کی تیاریوں کی اصل حقیقت سے آگاہ کیا تو پہلے تو انہیں یقین نہ آیا لیکن جب میرے پراطمینان رویے اور یقین دہانی کے بعد ان پر اصل حقیقت واضح ہوئی تو بہت شرمندہ ہوئے ۔ اس کے باوجود غالباً ان کو مکمل یقین نہیں آیا ۔ لیکن جب انہوں نے خود سیڑھی پر چڑھ کر سکھوں اور ان کی عورتوں کو چھت صاف کرتے اور اپلے اتارتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھا تو انہیں تسلی ہوئی ۔ پھر وہ جتنے دن بھی میرے پاس رہے میں ان سے خوب دل لگی کرتا رہا اور وہ دل ہی دل میں شرمندہ ہوتے رہے لیکن میں نے یہ راز کسی اور کو نہیں بتایا ۔ خدا خدا کر کے بیس مارچ کو امتحان ختم ہوا تو میں بخیر و خوبی واپس فاضلکا چلا آیا ۔

حصولِ سرمائے کے لئے مزید جدوجہد

اسکول کی توسیع و ترقی کی وجہ سے اسکول کے مستقل اخراجات میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا ۔ اسکول کے مستقل اثاثے تھے نہیں ، بڑھتے ہوئے اخرجات پورے کرنے کے لئے مخیر اور قومی درد رکھنے والے صاحبِ استطاعت لوگوں کے دروازے کھٹکھٹانا پڑتے تھے ۔ لہذا میں نے مہمات کے دورے تیز کردیئے ۔ اس مسلسل جدوجہد کا امیدافزا نتیجہ یہ نکلا کہ صرف تین چار ماہ کے عرصے میں پینسٹھ ہزار روپے انجمن کی انتظامیہ کے اکاؤنٹ میں بینک میں جمع کروادیئے ۔ اس رقم سے سائنس کا سامان لائبریری کے لئے اردو اور انگریزی کی کتابیں ، مڈل اور ہائی کلاسز کے لئے فرنیچر نیز دفتر اور اساتذہ کے لئے ضروری فرنیچر مہیا کر لیا گیا ۔ ابھی تک ہمارا اسکول ، ملحقہ مسجد اور بجلی وغیرہ سے محروم تھا ۔ اب ہمارا ہاتھ کھلا تو کمروں ، مسجد ، دفتر کوارٹرز اور بورڈنگ ہاؤس میں بجلی کی فٹنگ کروادی گئی ۔ دفتر کے ساتھ ملحق ایک کمرہ برائے ریکارڈ و کلرک بھی تعمیر کروایا گیا اور ایک شاگرد بابو رکن الدین کو بطور کلرک ملازم رکھ لیا گیا ۔

سنہ ۱۹۴۶ء میں ہمارے اسکول کے میٹرک کا تیسرا نتیجہ بھی بڑا شاندار رہا ۔ ۹۸ فیصد طلباء کامیاب ہوئے ۔ اکثر طلباء فرسٹ اور سیکنڈ ڈویژن میں کامیاب ہوئے صرف دو طالبِ علم تھرڈ ڈویژن میں کامیاب ہوئے جب کہ تین طالبِ علموں نے وظائف حاصل کئے ۔

یتیم ، نادار ، مفلس اور لاوارث بچوں کی بھی خاص طور پر سرپرستی کی جاتی تھی ۔ دو لڑکے بہت ذہین تھے لیکن ان کے والدین انتہائی غریب تھے ۔ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ دونوں بچوں کے والدین نان جویں کو محتاج تھے ۔ ان میں سے ایک کا نام عباس تھا جو ایک غریب زرگر کا بیٹا تھا ۔ دوسرے کا نام علی محمد تھا جو ایک لوہار کا لڑکا تھا ۔ میں ان بچوں کی کتابوں ، کاپیوں ، خوراک حتیٰ کہ پارچہ جات کا بھی انتظام

کردیا کرتا تھا ۔ دونوں بچے بڑے شوق اور محنت سے تعلیم حاصل کرتے تھے ۔ آج کل یہ دونوں بڑی باعزت زندگی گذار رہے ہیں ۔ انہیں دیکھ کرجی بہت خوش ہوتا ہے ۔

ہائی اسکول ہو جانے کی وجہ سے سرکاری اور غیرسرکاری حلقوں میں بھی میرے وقار میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا تھا ۔ ہر سرکاری تقریب میں مجھے ضرور مدعو کیا جاتا جہاں میری بڑی پذیرائی ہوتی ۔ قصباتی اور دیہی علاقے میں مجھے بڑی قدر و منزلت کی نظر سے دیکھا جاتا ۔ پبلک اور انتظامیہ میں میری خدمات کی قدر کی جاتی جس سے میرا حوصلہ اور بڑھتا تھا ۔ مسلسل شاندار نتائج کے باعث میرا اسکول پورے صوبے میں شہرت اور نیک نامی حاصل کر چکا تھا ۔ ڈویژنل انسپکٹر جالندھر کی طرف سے مبارکباد کے خطوط موصول ہوتے تھے ۔ پنجاب یونیورسٹی کی طرف سے مجھے امتحان میٹرک کے انگریزی مضمون کا ممتحن مقرر کیا گیا تھا ۔ فاضلکا میں تین سال تک ممتحن رہا ہوں اس کی وجہ سے بھی تعلیمی اور سماجی حلقوں میں میرے وقار میں مزید اضافہ ہوا ۔

رانا عبدالحمید خاں صاحب ، ڈویژنل انسپکٹر جالندھر ڈویژن کے تبادلے کے بعد قاضی عبدالرحمن صاحب برق ڈویژن کے انسپکٹر مقرر ہوئے ۔ ان کا دل قومی و ملی جذبے سے معمور تھا ۔ سنہ ۱۹۴۶ء میں انہوں نے گورنمنٹ ہائی اسکول کا معائنہ کرنے کے بعد ہمارے اسکول کا سالانہ معائنہ فرمایا ۔ اسکول میں طالبِ علموں کی تعداد ، عمارت ، اچھا فرنیچر ، لائبریری ، کھیل کے میدان ، بورڈنگ ہاؤس ، باغ باغیچہ ، پھلواری ، گھاس کے پلاٹ ، ہیڈماسٹر کا آفس اور شاندار تعلیمی نتائج دیکھ کر بے حد خوش ہوئے بڑی شاندار لاگ بک لکھی ۔ دفتر میں بیٹھ کر مجھ سے علاقے میں مسلمانوں کی عام حالت اور تعلیم کے بارے میں تفصیلی تبادلۂ خیالات کیا ۔ علاقے میں اشاعتِ تعلیم کے سلسلے میں میری کوششوں کو سراہا ۔ میں نے ان کو بتایا کہ ابوہر اور سرانوان میں بھی مسلمانوں کے ہائی اسکول ہونا چاہئیں ۔ انہوں نے نہ

صرف میری رائے سے اتفاق کیا بلکہ میری ڈیوٹی لگائی کہ میں ان علاقوں کے سربرآوردہ اور عام مسلمانوں سے مل کر درخواستیں حاصل کر کے ان کے پاس جالندھر لے آؤں ان علاقوں میں ہائی اسکول کے قیام کی اجازت دے دی جائے گی۔ میں نے ان کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے ان علاقوں کے مسلمانوں سے درخواستیں حاصل کر کے انہیں پہنچا دیں۔ اگر اس عرصے میں یہاں بہت بڑے پیمانے پر فرقہ وارانہ فسادات نہ ہوتے اور سنہ ۱۹۴۷ء میں پاکستان نہ بنتا تو ان دونوں علاقوں میں مسلمانوں کے ہائی اسکول قائم ہو جاتے۔ لیکن تقسیم ہند کے اعلان اور اس کے نتیجے میں بڑے پیمانے پر خون ریزی کے باعث سارے منصوبے خاک میں مل گئے۔

سنہ ۱۹۳۸ء سے ۱۹۴۷ء تک تقریباً دس سال اس قدر مسلسل محنت کرنا پڑی کہ میری صحت خراب ہو گئی۔ اڑتیس سے چالیس پیریڈ لیتا تھا۔ کوئی ٹیچر رخصت پر جاتا تو اس کا پیریڈ بھی میں ہی لیتا تھا۔ اس طرح کوئی پیریڈ خالی نہ ہوتا تھا۔ اسکول کے اوقات کے بعد مجھے صرف کھانا کھانے کا وقت ملتا تھا۔ نویں اور دسویں جماعت کے انگریزی مضامین کی کاپیاں دیکھتا اور ان کی اصلاح کرتا تھا۔ گرمیوں کے زمانے میں نمازِ ظہر کے بعد اور جاڑوں میں نمازِ مغرب کے بعد دسویں جماعت کو زائد وقت دے کر کلاس تیار کرواتا۔ اس کے علاوہ اسکول ٹائم ٹیبل، سلیبس، گرانٹ ان ایڈ کے کاغذات اور نقشہ جات کی منظوری وغیرہ میں خود ہی کرواتا۔ ہائی کلاسز میں خود ہی تیاری کرواتا، اراضی دیواری نقشہ جات بنوانا، اسکول کی مالی حالت مستحکم کرنے کے لئے دیہات کے دورے کبھی پیدل، کبھی سائیکل پر، کبھی بس پر، کبھی گھوڑے پر، کبھی اونٹ پر اور کبھی تانگے پر کرنا پڑتے۔ چھٹیوں میں بھی کبھی آرام نصیب نہیں ہوتا تھا۔ شبانہ روز کی انتھک محنت کا نتیجہ یہ نکلا کہ علاقے کے مسلمانوں میں تعلیم کا شوق پیدا ہوا اور غریبوں کے وہ خاندان جو اپنے بچوں کو تعلیم نہیں دلاتے

تھے یا بچوں کو تعلیم دلانا غیر ضروری سمجھتے تھے اب اپنے بچوں کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کرنا ضروری سمجھتے تھے۔ سینکڑوں مسلمان طالب علم میٹرک کر کے یا تو برسرِ روزگار ہو گئے یا اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے لگے۔ حصول تعلیم کے علاوہ نوجوان صوم و صلوۃ کے پابند بھی ہو گئے۔ باعزت اور خوشحال زندگی بسر کرنے کے قابل ہو گئے۔ شب و روز کی انتھک جدوجہد نے میرے سر کے بال قبل از وقت سفید کر دیئے۔ میں آشوبِ چشم میں مبتلا ہو گیا ایک آنکھ میں سفیدہ پڑ گیا۔ مجھے آپریشن کروانے کے لئے جلال آباد جانا پڑا جہاں ڈاکٹر محمد حسن مرحوم نے میری آنکھ کی پتلی میں تین انجکشن لگائے جس سے پھولا صاف ہو گیا۔

۱۹۴۷ میں بھی سو فیصد نتیجہ

سنہ ۱۹۴۷ء ہمارے اسکول کا آخری سال تھا کیونکہ اس سال پاکستان بن جانے کے بعد مشرقی پنجاب کی پوری مسلم آبادی کو نقل مکانی پر مجبور ہونا پڑا تھا۔ سنہ ۱۹۴۷ء کا نتیجہ بھی قابل رشک رہا۔ اس سال ہمارے اسکول کے میٹرک کا نتیجہ سو فیصد رہا۔ حالانکہ یہ سال انتہائی خوں ریزی، قتل و غارت اور لوٹ مار کا سال تھا۔ پورے ملک میں جگہ جگہ قتل و غارت گری کا بازار گرم تھا۔ ہندوستان تقسیم ہو چکا تھا۔ قیامِ پاکستان کے لئے مسلمانانِ ہند کا مطالبہ تسلیم ہو چکا تھا۔ یہ مسلم لیگ کی زبردست کامیابی تھی۔ ہندوستان اور پاکستان کی سرحدوں کا تعین ہو رہا تھا۔ فاصلکا میں بھی کشیدگی بہت زیادہ تھی۔ ہندو منظم اور مسلح ہو چکے تھے۔ انہیں پورا پورا یقین تھا کہ ضلع فیروزپور پورے کا پورا بھارت میں شامل ہوگا۔ اس کے برعکس مسلمان تذبذب میں تھے۔ وہ غیر منظم اور غیر مسلح بھی تھے۔ ہندوؤں اور سکھوں نے اپریل اور مئی میں مسلمانوں پر اِکا دکا حملے شروع کر دیئے تھے۔ جون میں اسکول بند کر دیئے گئے تھے۔ ہندوؤں نے مسلمانوں کی [illegible]

بازار میں مسلمانوں کا جانا محال ہو گیا تھا۔ جولائی ۔ اگست میں سکھ مجسٹریٹ جیپ پر سوار ہو کر مسلم محلوں میں گشت کرتا تھا اور مسلمانوں پر گولی چلاتا تھا۔ ۱۴ اگست کو پاکستان کی حدود کا اعلان ہوا تو ضلع فیروزپور بھارت میں شامل ہو گیا اس لئے ہندوؤں اور سکھوں کے حوصلے بلند ہو گئے ۔ انہوں نے وسیع پیمانے پر مار دھاڑ شروع کردی ، مسلمانوں کی دکانوں اور مکانوں کو لوٹنا اور جلانا شروع کردیا ۔ مسلمانوں نے گھروں سے نکلنا شروع کردیا۔ شہر میں کرفیو لگادیا گیا ۔ جو مسلمان باہر نظر آتا اسے گولی کا نشانہ بنادیا جاتا ۔ مسلمان گھروں کے اندر مقید ہو گئے تھے عجیب کسمپرسی کی حالت تھی ۔ اس کے برعکس ہندو اور سکھ علی الاعلان لوٹ مار کرتے پھر رہے تھے ۔ انہوں نے قتل و غارت کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ مسلمان کب تک گھر میں مقید رہ کر قتل ہوتے رہتے بالآخر وہ بھی سر سے کفن باندھ کر باہر نکل آئے ۔ انہوں نے فرداً فرداً

گھروں میں مقید ہو کر گیدڑ کی موت مرنے کے بجائے اجتماعی طور پر مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہونا مناسب سمجھا ۔ چنانچہ تین طرف سے مدافعت کے لئے نکل آئے ۔ پورا علاقہ میدان کارزار بن گیا ۔ موت کا بازار گرم ہو گیا ۔ زبردست مقابلہ ہوا ۔ مسلمانوں نے زبردست دادِ شجاعت دی ۔ بالآخر ہندوؤں اور سکھوں کا جمِ غفیر مقابلے کی تاب نہ لاکر بھاگ کھڑا ہوا اور مسلمان محلوں کا محاصرہ ختم ہو گیا۔

کوچ کی تیاریاں

اسکول چونکہ شہر سے باہر تھا اس لئے ہر طرف سے خطرے میں گھرا ہوا تھا۔ میں اور کمیٹی کے ممبر چوہدری دین محمد صاحب نے ایک فوجی افسر کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ ہمیں جیپ میں بٹھا کر ایس ۔ ڈی ۔ او کے پاس لے جائے ۔ ایس ۔ ڈی ۔ او ہندو تھا ، جب ہم ایس ۔ ڈی ۔ او کی کوٹھی پر پہنچے تو عجیب منظر دیکھا ۔ جن سنگھی برچھیوں اور دوسرے ہتھیاروں سے مسلح ہو کر ایس ۔ ڈی ۔ او کی کوٹھی پر پہرہ دے

رہے تھے ۔ فوجی افسر نے ہمیں ایس ۔ ڈی ۔ او کے روبرو پیش کر دیا۔ ہم نے اسے بتایا کہ پورے علاقے میں مسلمانوں کا بری طرح قتل عام ہو رہا ہے کسی مسلمان کی جان و مال اور عزت و آبرو محفوظ نہیں ہے ۔ اس قتل عام کو روکا جائے جو مسلمان گھرانے ہندوؤں اور سکھوں کے محلوں میں گھرے ہوئے ہیں انہیں بحفاظت نکالنے کی اور شہر کے تمام مسلمانوں کو امن و امان کے ساتھ پاکستان جانے کی اجازت دی جائے۔ اس نے ہماری باتیں غور سے سنیں اور ہماری بات مان لی ۔ ہندوؤں اور سکھوں کے محلے میں گھرے ہوئے مسلمانوں کو بحفاظت نکالنے کے لئے ملٹری کے دو ٹرک دے دیئے اور ہمیں اجازت دی دے کی آئندہ روز بارہ بجے دن تک تمام مسلمان شہر چھوڑ کر پاکستان روانہ ہو جائیں لیکن پختہ سڑک سے ہیڈ سلیمانکی پار نہ کریں بلکہ کچے راستے سے جائیں کیونکہ پکی سڑک سے ہندوؤں اور سکھوں کے قافلے پاکستان سے آرہے ہیں راستے میں جہاں کہیں ان قافلوں کا آمنا سامنا ہوگا وہاں شدید خوں ریزی اور تصادم ہو سکتا ہے ۔ ایس ۔ ڈی ۔ او کی بات ماننے کے سوا ہمارے پاس کوئی اور چارہ کار ہی نہ تھا میں نے اس کی تجویز مان لی ۔ چنانچہ ہم ٹرک لے کر پہلے تو مولوی عبدالکریم کے خاندان کو نکالنے کے لئے چلے گئے اس خاندان کو ہندوؤں نے نرغے میں لیا ہوا تھا ۔ اس کے بعد ملکانے محلے میں شیخ فیروزالدین صاحب ، شیخ محمد بشیر صاحب ، شیخ الہیٰ بخش صاحب اور مولا بخش صاحب کے خاندانوں کو نکال کر اسلامیہ اسکول لے گئے ۔ چونکہ اسلامیہ اسکول کے اطراف ہندوؤں اور سکھوں کی کثیر آبادی تھی لہذا اسکول پر حملے کا شدید خطرہ تھا اس لئے ہم اسکول سے مسلمان محلے میں منتقل ہو گئے ۔ پورا دن اور ساری رات کس طرح کاٹی اس کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے ۔ ممکنہ حملے کے خطرے اور غیر یقینی حالات کی وجہ سے پوری رات عجیب کرب و بے چینی کے عالم میں گذاری ، کہتے ہیں مصیبت کی گھڑیاں بڑی طویل ہوتی ہیں اس لئے وہ رات ہم سب کو پہاڑ جیسی معلوم ہوئی لیکن خیریت سے گذر گئی ۔

منزلِ مراد کی طرف روانگی

خدا خدا کر کے قیامت جیسی رات اطمینان و سکون سے کٹی ۔ صبح ہوتے ہی ہم نے منزلِ مراد کی طرف کوچ کرنے کے لئے رختِ سفر باندھنا شروع کر دیا ۔ ہمارے پاس رہا ہی کیا تھا جو کچھ سامان لا سکتے تھے صرف وہی تھا ۔ ناشتہ کر کے ہم سب ایک بہت بڑے قافلے کی شکل میں جلال آباد والی کچی سڑک سے پاکستان روانہ ہو گئے ۔ اس وقت ہم لوگوں کی عجیب حالت تھی ۔ ایک طرف گھر بار چھوڑنے اور لٹ لٹا کے بے سر و سامانی کے عالم میں کوچ کرنے کا غم تھا کہ راستے میں ہمارے قافلے پر حملہ ہونے کا شدید خطرہ تھا ایک عجیب بے یقینی کی کیفیت تھی ۔ دوسری طرف پاکستان بننے اور نئے وطن میں جانے کی خوشی بھی تھی مگر یہ بھی خدشہ دامن گیر تھا کہ دیکھئے وہاں کہاں سر چھپانے کی جگہ ملتی ہے اور وہاں قدم جمانے روزی روزگار حاصل کرنے میں کتنا وقت لگتا ہے ۔ فرقہ وارانہ فسادات اور مہاجروں کی بڑے پیمانے پر ہجرت نے نئی مملکت کو نئے مسائل سے دو چار کر دیا ۔ کاروبار بند تھا ۔ معیشت کی حالت تباہ تھی ۔ ہر طرف جلے ہوئے مکان اور لٹی ہوئی دکانیں ہولناک منظر پیش کر رہی تھیں ۔ بہرحال روانگی سے پہلے ایک بار پھر بڑی حسرت بھری نظر سے در و دیوار پر نظر ڈالی اور پھر اللہ کا نام لے کر اور اس کے بھروسے پر روانہ ہو گئے ۔ ہم نے روانہ ہونے سے پہلے اسکول کے تمام کمروں کو مقفل کر دیا ۔ رجسٹر اور ریکارڈ ایک کمرے میں بند کر دیئے ۔ گھر کا ذاتی سامان جو اپنے ساتھ لے جا سکتے تھے مثلاً ریشمی اور اونی پارچہ جات، بستر اور کمبل وغیرہ ۔ بچوں کے تمام قیمتی ملبوسات پیٹیوں میں بند کر دیئے گئے ۔ برتن باسن اور فرنیچر بھی کمرے میں مقفل کر دیئے گئے ۔ یہ سارا سامان دس سال کی مدت میں خون پسینے کی گاڑھی کمائی سے تقریباً آٹھ دس ہزار [illegible] کی لاگت سے تیار کیا گیا تھا ۔ ہم سارے سامان میں سے صرف ایک بکس جس

میں زنانے و مردانے پارچہ جات ، زیورات اور میری اسناد تھیں ، ایک سنگر مشین ، ایک کنستر میں آٹا اور ایک دیگچی میں گھی اٹھا کر اپنے ساتھ لا سکے ۔ مولوی عبدالکریم صاحب کا ایک تانگہ ہمراہ تھا جس میں مولوی صاحب خود اس لئے سوار تھے کہ وہ مفلوج تھے اور نقل و حرکت کرنے کے قابل نہیں تھے ۔ تانگے پر ان کے بچے اور مستورات تھیں ۔ ہمارا بکس بھی انہوں نے اپنے تانگے پر رکھ لیا تھا ۔ زیورات ، کچھ نقدی اور میری اسناد میری بیگم نے جو اب اللہ کو پیاری ہو چکی ہیں خداوندِ تعالیٰ انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے ، اپنی کمر کے ساتھ باندھی ہوئی تھیں اور سنگر مشین سر پر اٹھائے ہوئے تھیں ۔ آٹا اور گھی میرے سر پر تھا ۔ انور میری انگلی پکڑے ہوئے تھا اور اکرم کو میاں مولا بخش انگلی سے پکڑے ہوئے تھے ۔ باقی بچے فرخندہ ، زرینہ اور اسلم پیدل ہمراہ تھے ۔ بھینس پر سلے ہوئے کپڑوں کی گٹھری لادی ہوئی تھی جو محمد زماں چپراسی کے سپرد تھی ۔ قافلے کے ہمراہ کچھ لوگوں کی بیل گاڑیاں بھی تھیں ۔ عجیب نفسا نفسی کا عالم تھا ، ہر شخص کو اپنی جان کے لالے پڑے ہوئے تھے قیامتِ صغریٰ کا منظر تھا ۔ ہر قدم پر اچانک حملے کا خطرہ الگ پریشان کئے ہوئے تھا ۔ در و دیوار کاٹے کھاتے تھے " نہ پائے ماندن نہ جائے رفتن " والی کیفیت تھی ۔ مقامی لوگ ہمیں گھور گھور کے دیکھتے ، ان کو سرگوشیاں کرتے دیکھ کر طرح طرح کے وسوسے دل میں پیدا ہوتے ۔ خوف کے مارے ایسا لگتا جیسے راستے طویل تر ہوتے جا رہے ہیں ۔ تھکاوٹ کے علاوہ بچوں کی حالت دیکھی نہیں جا رہی تھی لیکن کر بھی کیا سکتے تھے ۔ غرض کہ ہمارا یہ دل شکستہ قافلہ کچی سڑک سے ہوتا ہوا موضع بہک سے گذرا اور جب ہم اگلے موضع ہستہ پہنچے تو رات کی تاریکی نے پوری فضا اور منظر پر سیاہ چادر ڈال دی تھی جس کی وجہ سے سارا ماحول مزید بھیانک اور ڈراؤنا نظر آ رہا تھا ۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ دن کے وقت راستے میں سکھوں کے ایک جتھے سے مقابلہ ہوا تھا اس جتھے نے ہمارے اس قافلے کو لوٹنا چاہا تھا ظاہر ہے کہ وہ

مقامی تھے ، راستوں سے اچھی طرح واقف تھے اور ہتھیاروں سے بھی لیس تھے مگر ہمارے نوجوانوں نے یہ سوچ کر کہ جب مرنا ہی ٹھہرا تو پھر بھیڑ بکریوں کی طرح کیوں ذبح ہوں ، شیروں کی طرح مقابلہ کر کے ہی مریں لہذا انہوں نے جان پر کھیل کر بڑی پامردی سے سکھوں کا مقابلہ کیا اور ان کے چھکے چھڑا دیئے ۔ اس موضع سے باہر ہمارے قافلے نے ایک وسیع میدان میں پڑاؤ ڈالا ۔ اس افراتفری میں اکرم کھو گیا تھا ۔ بڑی مشکل سے پورے قافلے میں گھوم کر اسے تلاش کیا اور اسے اس کی والدہ کے سپرد کیا ۔ بیگم نے روٹیاں پکائیں بچوں کو کھلائیں اور پھر زمین پر سونے کے لئے لیٹ رہے ۔ اس حالت میں نیند تو کیا آتی لیکن کبھی آنکھ لگ جاتی اور پھر کھل جاتی ۔ اسی عالم میں رات بسر ہو گئی ۔ تہجد کے وقت آنکھ کھل گئی ۔ وضو کیا ، نماز ادا کی اور اللہ تعالیٰ سے صبر و استقلال عطا کرنے کی دعا کی ۔ طلوع آفتاب سے پہلے ہی کھانا تیار کیا گیا اور سب نے اس عالم مسافرت و پریشانی میں جوں توں پیٹ کی آگ بجھائی اور پھر قافلہ اگلی منزل کی طرف روانہ ہو گیا ۔ ہمارے قافلے کے کچھ لوگ پتن کی طرف چلے گئے اور وہاں سے بذریعے کشتی دریائے ستلج عبور کر کے پاکستان کی حدود میں پہنچ گئے ۔ کشتیوں کے ملاحوں نے اس موقعے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے منہ مانگا کرایہ وصول کیا ۔ قافلے کے بیشتر لوگ دریائے ستلج کے بند کے ساتھ ساتھ ہیڈ سلیمانکی کی طرف چل دیئے ۔ ہمیں بتیس میل کا یہ فاصلہ دو دنوں میں پیدل طے کرنا پڑا ۔ پیدل چلتے چلتے پاؤں من من بھر کے ہو گئے تھے ۔ بعض کے پاؤں سوج گئے تھے بعض کے تلوؤں میں چھالے پڑ گئے تھے ۔ عورتوں اور بچوں کی حالت اس سے بھی زیادہ خراب تھی ۔ چھوٹے بچوں کو کبھی ہم کاندھوں پر اٹھا لیتے اور کبھی پیدل چلاتے اور کبھی کسی بیل گاڑی پر بٹھا دیتے ۔ ہر شخص زبان حال سے یہی کہہ رہا تھا " صورت ببیں حالت مپرس " ۔ میرے بچوں کی والدہ امت الرحمن نے اس موقعے پر بڑے حوصلے اور ہمت کا ثبوت دیا ۔ اس وقت خالدہ پیٹ میں تھی مرحومہ چند ماہ کی حاملہ تھیں ، اس مرحلے

پر تو بعض خواتین ہل کر پانی تک نہیں پیتیں مگر واہ ری ہمت والی خاتون کہ پیٹ میں چند ماہ کا بچہ اور سر پر سنگر مشین کا بھاری بوجھ اور اس حالت میں بھی مجھے آرام پہنچانے کے لئے کبھی کبھی گھی کا دیگچہ بھی مجھ سے لے کر خود اٹھا لیتی تھیں اور یہ سارا راستہ پیدل طے کیا ۔ ہم طرح طرح کی مصیبتیں جھیلتے ہوئے ۲۷ اگست سنہ ۱۹۴۷ء کو ہیڈ سلیمانکی پہنچے ۔ پاکستان کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی ہم نے بارگاہ رب العزت میں سجدۂ شکر ادا کیا اور پاکستان کی خلوص دل سے خدمت کرنے کی توفیق عطا کرنے کی دعا مانگی ۔ شیخ محمد الطاف صاحب اور مولوی عبدالجبار خاں صاحب اپنے بیوی بچوں سمیت ہمارے ہمراہ تھے ۔ قافلے کا ملازم طبقہ کینال کالونی کے ان کوارٹروں میں ٹھہر گیا جو ہندو سکھ ملازمین خالی کر گئے تھے ۔ باقی لوگ جہاں جس کا سینگ سمایا وہیں آباد ہو گئے ۔ اللہ اللہ کر کے آزمائش کا یہ دور ختم ہو گیا اور ہم اپنی منزل مقصود تک پہنچ گئے ۔ ہمارا دل بار بار ہمیں یاد دلا رہا تھا کہ یہ انتہا نہیں ، آغاز کار مرداں ہے ۔ ہمیں نئے سرے سے نئی زندگی کا آغاز کرنا تھا ۔ پہلا مسئلہ سر چھپانے کا تھا جہاں بال بچوں کو سکون سے بٹھا کر تلاش روزگار کے ساتھ ساتھ وطن عزیز ، پاکستان کی بنیادوں کو مستحکم کرنے میں اپنا کردار بھی ادا کرنا تھا ۔ وسائل کی کمی بلکہ فقدان کے ساتھ مسائل کی ہمت شکن کثرت پر قابو پانا آسان کام نہ تھا نوزائیدہ مملکت کے مالی اور اقتصادی وسائل نہ ہونے کے برابر تھے اس کے ساتھ ہی بھارت کی حکومت نے ہمارے حصے کی رقم بھی روک لی تھی سرکاری خزانہ بالکل خالی تھا ۔ ہمارے حصے کی فوج کا ایک خاطر خواہ حصہ ملک کے باہر تھا لیکن ہمارا جذبۂ حب الوطنی اور پاکستان کو ایک عظیم مملکت بنانے کے لئے ہمارا پرعزم دل یہ کہہ کہہ کر ہمارے حوصلے بڑھا رہا تھا کہ

مشکلے نیست کہ آساں نہ شود
مرد باید کہ ہراساں نہ شود

قائداعظم، ان کے رفقائے کار اور دیگر سیاسی رہنماؤں کی فہم و فراست، تدبر اور عزم و استقلال سے ہمیں قوی امید تھی کہ ہم جلد ہی ان مشکلات اور مسائل پر قابو پالیں گے۔ چونکہ مسلسل دو ہفتوں تک مسلسل چلتے چلتے اتنے تھک چکے تھے کہ ہمارے پیروں میں مزید پیدل چلنے کی سکت باقی نہیں تھی اس لئے ہم تقریباً ایک ہفتے تک سلیمانکی کے کوارٹروں میں اس خیال سے مقیم رہے کہ آگے چلیں گے دم لے کر۔ ہندو جو غلہ چھوڑ گئے تھے ان پر گذارا کرتے رہے اور جو کٹے بوجوہ اپنے ساتھ نہیں لے جاسکے تھے انہیں ذبح کر کے پیٹ کی آگ بجھاتے رہے۔

ہجرت کا پہلا دور اپنی تمام قیامت سامانیوں، ناقابل بیان مشکلات اور پریشانیوں کے ساتھ اختتام کو پہنچا۔ ہم اللہ کی توفیق سے اس دور میں ثابت قدم رہے اور منزل مراد کی طرف پیش قدمی کرتے رہے۔ بقول شیخ سعدیؒ

رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت

اپنا زمانہ آپ بناتے ہیں اہلِ دل
ہم وہ نہیں کہ جن کو زمانہ بنا گیا

دوسرا حصہ

قیام پاکستان کے بعد

یہ ہمارا وطن ، یہ چمن در چمن
اس کے کوہ و دمن ، اس کے سرو و سمن
اس کے گل پیرہن ، اس کے غنچہ دہن
اس کے نقشِ کہن ، اس کی تازہ پھبن
ہم ہیں اس کے امیں یہ ہمارا وطن

ہم نظر ، ہم سخن ، ہم قدم ساتھیو
میری آواز پر تم بھی آواز دو

اس کی عظمت کا پرچم اڑائیں گے ہم
اس کی شہرت کا ڈنکہ بجائیں گے ہم
اس کی ثروت کا سکہ جمائیں گے ہم
اس کو علم و ہنر سے سجائیں گے ہم
اس کے دشمن کو نیچا دکھائیں گے ہم

ہم نظر ، ہم سخن ، ہم قدم ساتھیو
میری آواز پر تم بھی آواز دو

(حسین اعظمی)

دوسرا حصہ

اک سفر ختم ہے اک اور سفر کرنا ہے۔

پاکستان میں پہلا ہفتہ

پاک وطن کی اس سرزمین پر ابھی ہم بالکل اجنبی تھے۔ جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں کہ وسائل کا فقدان تھا نئی زندگی شروع کرنے کے لئے جن وسائل اور اسباب کی ضرورت ہوتی ہے وہ ہمارے پاس ناپید تھے لیکن اللہ بڑا مسبب الاسباب ہے۔ اس کسمپرسی کے عالم میں بھی ہمیں مایوسی سے دوچار ہونا نہیں پڑا۔

فاضلکا میں ایک مستری صاحب میرے اچھے واقف تھے ان کے بچے فاضلکا میں میرے پاس زیرِ تعلیم تھے ، انہیں جب یہ معلوم ہوا کہ میں مہاجر ہو کر وہاں آیا ہوں تو فوراً دوڑے دوڑے میرے پاس آئے اور ہمیں ہر قسم کی امداد کا یقین دلایا۔ غالباً پانچ یوم تک وہ ہمارے خورد و نوش کا انتظام کرتے رہے۔ میں نے اسی دوران ڈپٹی کمشنر ساہیوال کو ایک خط لکھا جس میں اپنی داستان ہجرت قدرے تفصیل سے بیان کی اور ان سے درخواست کی کسی بس وغیرہ کا انتظام کر کے ہمیں کسی مناسب جگہ پر منتقل کیا جائے۔ جب ڈپٹی کمشنر صاحب کو یہ معلوم ہوا کہ میں ایم۔ اے بی۔ ٹی ہوں اور ہائی اسکول کا ہیڈماسٹر ہوں تو انہوں نے فوراً دو بسیں بھجوادیں اور ایس۔ ڈی۔ او پاک پٹن کو ہدایت کی کہ ہمیں پاک پٹن میں ایک شایانِ شان مکان دیا جائے۔ بسیں سلیمانکی ہیڈورکس پہنچ گئیں۔ بس میں میرے افرادخاندان کو اور دوسری بس میں باقی تمام ملازمین کو سوار کیا گیا۔ ایس۔ ڈی۔ او پاک پٹن نے ایک نہایت ہی شاندار بنگلہ ہمارے لئے مخصوص کر دیا۔ ہم وہاں اتر گئے اور عارضی طور پر اس حویلی میں قیام پذیر ہو گئے۔ ہمیں راشن بھی دے دیا گیا۔ سر چھپانے کی

جگہ ملی تو مستقبل کی فکر دامن گیر ہوئی کہ کیا کیا جائے اور کہاں مستقل سکونت اختیار کی جائے ۔ دو دن تک مختلف تجاویز پر غور ہوتا رہا ۔ میں نے یہ مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ اب کوئی پرائیوٹ ادارہ نہیں چلاؤں گا کیونکہ اس طرف میری واقفیت بہت محدود تھی بلکہ نہ ہونے کے برابر تھی ۔ بالآخر فیصلہ یہ کیا گیا کہ گورنمنٹ یا بورڈ اسکول تلاش کیا جائے ۔ اب کسی گورنمنٹ یا بورڈ اسکول کی تلاش شروع ہوئی ۔ کافی دوڑ دھوپ کے بعد پتہ چلا کہ ڈسٹرکٹ بورڈ ہائی اسکول تقریباً سارے کا سارا خالی ہے ۔ یہاں میرا پورا اسٹاف آسانی سے کھپ سکتا ہے ۔ اس اسکول کے سابقہ سارے اساتذہ ہندو اور سکھ تھے اور وہ سب جا چکے تھے ۔ اسکول کا ہیڈ ماسٹر رام لعل کھنہ بھی ہندو تھا ۔ میں صوفی الطاف محمد صاحب کو ساتھ لے کر ملتان روانہ ہو گیا ۔ راستے میں ساری گاڑیاں مسافروں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھیں ۔ کہیں تل رکھنے کی جگہ نہیں تھی بہرحال ہم کسی نہ کسی طرح ملتان پہنچے ۔ مغرب کا وقت ہو چکا تھا ۔ پورا علاقہ ہمارے لئے بالکل اجنبی تھا ۔ دور دور تک کسی واقف کار کا پتہ نہیں تھا ۔ ہم اسٹیشن سے اتر کر پیدل چل رہے تھے اور کسی سرائے کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے تھے ۔ رات لحظہ بہ لحظہ تاریک ہوتی جارہی تھی ۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کریں اور کیا نہ کریں ۔ کسی شاعر کا یہ مصرع غیر شعوری طور پر یاد آرہا تھا " آسمان دور زمیں سخت کدھر جائیں ہم ۔ " حسن اتفاق سے راستے میں ایک باریش بزرگ اپنے مکان کے سامنے سڑک کے کنارے بیٹھے ہوئے نظر آئے ۔ میں نے ان سے کسی سرائے کا پتہ دریافت کیا ۔ پہلے تو انہوں نے ہمیں اپنے پاس کرسیوں پر بڑی عزت و احترام سے بٹھایا ۔ انہوں نے ہماری پست گذائی اور پریشانی سے اندازہ لگا لیا کہ ہم اس شہر میں بالکل اجنبی ہیں ۔ بڑے اخلاق اور خندہ پیشانی سے پیش آئے ۔ ہمارے متعلق تفصیلات معلوم کیں ۔ جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ ہم نہایت ہی معزز لوگ ہیں اور انقلاب زمانہ کا شکار ہو کر در در کی ٹھوکریں کھاتے پھر رہے ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ

یہی سرائے ہے ۔ آپ ہمارے پاس شب باشی فرمائیں ۔ اب آپ کو کسی اور سرائے تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ۔ ان کے حسن اخلاق اور شفقت نے ہمیں ان کی پیشکش قبول کرنے پر مجبور کر دیا ۔ اب ہم قدرے سکون سے پاؤں پھیلا کر بیٹھے ۔ سب سے پہلے انہوں نے اپنے گھر کے حمام میں گرم پانی سے غسل کروایا اور پھر قریب کی مسجد میں نماز عشاء ادا کرنے کے لئے بھیج دیا ۔ دل کو قدرے سکون نصیب ہوا ۔ ہم نے نماز ادا کی ۔ اللہ تعالیٰ کے حضور میں سجدۂ شکر بجا لائے اور مشکلات پر قابو پانے کے لئے صبر و استقامت کی گڑگڑا کر دعا مانگی ۔ فریضۂ نماز ادا کرنے کے بعد مسجد کے تالاب میں اپنے کپڑے صاف کئے کیونکہ راستے کی گرد و غبار اور پسینے کی وجہ سے تمام کپڑے میلے اور بدبودار ہو چکے تھے ۔ مسجد سے گھر واپس آئے تو نہایت پرتکلف کھانے سے ہماری میزبانی کی گئی ۔ کھانے کے بعد کچھ دیر تک باتیں ہوتی رہیں ۔ اسی اثناء میں انہوں نے ہمارے مزید حالات معلوم کئے اور ہمارے مستقبل کے منصوبوں کے بارے میں بر سبیل تذکرہ معلومات حاصل کیں ۔ ہم نے انہیں اپنے ملتان آنے کی غرض و غایت بتائی ۔ ہمارے لئے نہایت آرام دہ اور پرتکلف بستر فراہم کئے گئے تاکہ چین سے آرام کر سکیں ۔ سفر کی صعوبت اور ذہنی پریشانیوں کی وجہ سے ہم واقعی چکنا چور ہو چکے تھے جلد ہی غافل سو گئے ۔ رات بڑے آرام سے کٹی ۔

مالی اعانت کی فیاضانہ پیشکش

علی الصبح آنکھ کھل گئی ۔ نماز فجر ادا کی ۔ صبح کو بھی نہایت پرتکلف ناشتے سے ہماری ضیافت کی گئی ۔ پھر ہم نے رخصت ہونے کے لئے اجازت طلب کی لیکن انہوں نے کھانا کھلائے بغیر ہمیں جانے نہیں دیا ۔ جب ہم دونوں کھانے سے فارغ ہو چکے تو صاحبِ خانہ مجھے علیحدگی میں لے گئے ۔ فرمانے لگے مجھے معلوم ہے کہ آپ لوگ سب کچھ لٹا کر انتہائی بے سر و سامانی کے عالم میں پاکستان آئے ہیں ، ضروریات

تو پھر اپنی جگہ لگی رہتی ہیں اور پھر ترکِ وطن کے بعد ضروریات دہ چند ہو جاتی ہیں ، اگر آپ کو مالی اعانت کی ضرورت ہو تو میں آپ کا اپنا بھائی ہوں بلاتکلف ارشاد فرمائیں ان کی اس فیاضانہ اور فراخدلانہ پیشکش سے میری آنکھوں سے خوشی کے مارے آنسو نکل آئے اور بے ساختہ میری زبان پر جوش ملیح آبادی کا یہ مصرع آگیا

ابھی اگلی شرافت کے نمونے پائے جاتے ہیں

میں نے خلوص دل سے نہ صرف ان کی فیاضانہ پیشکش کا بلکہ بے لوث اور انسانی ہمدردی کی بنیاد پر میزبانی کا بہت شکریہ ادا کیا اور عرض کیا کہ فی الحال ہمیں کسی مالی اعانت کی ضرورت نہیں ہے ، آئندہ ماہ سے انشاءاللہ تنخواہ ملنا شروع ہو جائے گی اور ہماری موجودہ پریشانی ختم ہو جائے گی ۔ ہمارا جواب سننے کے بعد ایک بار پھر انہوں نے اصرار کیا جب ہم نے مسلسل یقین دلایا کہ ہمیں فی الحال کسی مالی اعانت کی ضرورت نہیں ہے تو انہوں نے اپنے صاحبزادے کو ہمارے ساتھ کیا تا کہ وہ ہمیں ڈویژنل انسپکٹر آف اسکولز کے دفتر لے جائے ۔ یہ بزرگ محکمۂ انہار میں سب ڈویژنل آفیسر تھے ۔ ان کے اخلاق کریمانہ اور فیاضانہ سلوک نے خلفائے راشدین کے زمانے کی یاد تازہ کردی ۔ ایسے تھے وہ مسلمان جن کے اخلاق حمیدہ ، اوصافِ سعیدہ اور حسن سلوک سے متاثر ہو کر کفار مسلمان ہو جاتے تھے ۔ میں اپنی اولاد کو تلقین کرتا ہوں کہ وہ بھی ایسے ہی مسلمان بن کر دکھائیں اور خدمتِ خلق کے اعلیٰ نمونے پیش کریں ۔

ہوتا ہے جادہ پیما پھر قافلہ ہمارا

دفتر تعلیم پہنچ کر معلوم ہوا کہ قاضی عبدالرحمن برق صاحب ملتان ڈویژن کے انسپکٹر ہیں ۔ مجھے ایک گونہ اطمینان ہوا کیونکہ قاضی صاحب موصوف مجھ سے بخوبی

واقف تھے ، وہ اسلامیہ ہائی اسکول فاضلکا میں میرا کام دیکھ چکے تھے میرے متعلق ان کا تاثر اچھا تھا ۔ میں نے ان سے ملاقات کی ۔ وہ مجھے دیکھتے ہی پرجوش طریقے پر مجھ سے بغل گیر ہوئے ، مزاج پرسی اور حال احوال دریافت کرنے کے بعد چائے سے ہماری تواضع کی ۔ ہم نے اپنا مدعا بیان کیا ۔ میری گذارشات کو انہوں نے بڑی توجہ اور ہمدردی سے سنا ۔ فرمانے لگے زیادہ دن نہیں صرف پندرہ بیس یوم ذرا صبر سے کام لیں میں یہاں آپ کو ملتان میں ہندوؤں کا ایک بہترین اسکول دے دوں گا ۔ اسکول کی عمارت بھی بڑی وسیع ہے نیز ساز و سامان اور فرنیچر بھی بہت اچھا اور بے شمار ہے آپ اس میں اپنا فاضلکا والا اسکول دوبارہ قائم کرلیں اور اگر آپ ایک ماہ صبر سے کام لیں تو آپ کو سرکاری ملازمت میں لے لیا جائے گا ۔ چونکہ میں بہت پریشان تھا اور بالکل بے سر و سامان تھا اس لئے اپنے اہل و عیال کو لے کر سکون و اطمینان سے کہیں بیٹھنا چاہتا تھا ۔ نیز میرے رفقائے کار بھی شیخ الطاف محمد صاحب ، مولوی عبدالجبار خاں صاحب ، قاری فتح محمد خاں صاحب ، صوفی کرم الٰہی صاحب وغیرہ کی دلی خواہش بھی یہی تھی کہ ہم سب ایک ہی جگہ کام کریں اس لئے میں نے اصرار کیا کہ ہم سب کو ایک ہی اسکول ڈسٹرکٹ بورڈ ہائی اسکول حویلی میں لگادیا جائے ۔ چنانچہ قاضی صاحب موصوف نے کمالِ مہربانی فرما کر ہماری خواہش کے مطابق مطلوبہ اسکول ہمیں دے دیا ۔ ہم تقرری کا آرڈر لے کر پاک پٹن واپس آگئے ۔ اس طرح ہمارا یہ شیرازہ جس کے منتشر ہونے کا شدید اندیشہ پیدا ہو گیا تھا بکھرنے سے بچ گیا ۔

روزگار کے بعد سر چھپانے کی جگہ بھی مل گئی

روزگار تو ہمیں حسبِ منشا مل گیا تھا لیکن ابھی مستقل طور پر رہائش کا مسئلہ حل نہیں ہوا تھا ۔ لیکن ہمیں اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے یقین کامل تھا کہ رہائش کے لئے بھی ہمیں زیادہ پاپڑ بیلنا نہیں پڑیں گے اور جلد ہی اس کا بھی مناسب بندوبست

ہو جائے گا اور ایسا ہی ہوا ۔ اتفاق سے ان دنوں حویلی کے سپرنٹنڈنٹ پولیس میرے واقف نکل آئے ۔ میں ان سے حویلی کے ایس ۔ ایچ ۔ او کے نام سفارشی خط لے کر اپنے اہل و عیال کے ساتھ حویلی چلا آیا ۔ مولوی عبدالجبار خاں صاحب اور شیخ الطاف محمد صاحب بھی میرے ہمراہ حویلی آ گئے ۔ ان دنوں حویلی کے ایس ۔ ایچ ۔ او عبدالحمید خاں تھے ۔ ان سے ملاقات کرنے کے بعد جب انہیں سفارشی چٹ دی تو انہوں نے مجھے اور میرے اسٹاف کو اجازت دے دی کہ متروکہ مکانات میں سے جو مکان بھی ہمیں پسند ہو ہم اس میں بلا تامل بیٹھ جائیں ۔ چنانچہ ہم نے اپنی پسند اور ضروریات کے مطابق مکانات کا انتخاب کر لیا ۔ میری اہلیہ کو موجودہ مکان پسند آیا ۔ ہم نے اس میں اپنا ڈیرہ جمایا ۔ مرحومہ نے بڑی محنت سے مکان کو صاف کیا ۔ متروکہ سامان میں سے ضرورت کے مطابق چارپائیاں ، بستر، برتن باسن اور فرنیچر مکان میں سیٹ کیا ۔ اس طرح پاکستان آکر زندگی کا نئے سرے سے آغاز کیا ۔ اسٹاف کے دوسرے ممبروں کو بھی ان کی ضروریات اور پسند کے مطابق مکانات اور سامان وغیرہ لے کر دیا گیا ۔

ہمارے بھی ہیں مہرباں کیسے کیسے

رہائش اور روزگار کا حسبِ منشا مناسب بندوبست ہونے کے بعد میں نے مزید وقت ضائع کئے بغیر ڈسٹرکٹ بورڈ ہائی اسکول حویلی کا چارج لیا ۔ چارج سنبھالنے کے بعد اندازہ ہوا کہ ہائی اسکول کی ضروریات کے پیش نظر عمارت ناکافی تھی ۔ پوری عمارت صرف آٹھ کمروں اور ایک دفتر پر مشتمل تھی ۔ صحن بالکل تنگ تھا ، پھلواری اور سایہ دار درختوں کا نام و نشاں تک نہیں تھا ۔ یہاں ڈرائنگ کا مضمون رائج نہیں تھا ، سائنس کا سامان بھی ضرورت سے کافی کم تھا اور اس وقت طالبِ علموں کی تعداد صرف آٹھ تھی ۔ اسکول کے پرانے اسٹاف کے صرف تین ٹیچروں میں سے تین

مسلمان ٹیچر موجود تھے جن میں ایک مرزا محمد دین صاحب ایس ۔ وی ٹیچر تھے ۔ انہوں نے میرے ساتھ ہمیشہ بھرپور تعاون کیا ۔ وہ نہایت مخلص اور وفادار تھے ۔ ریٹائرمنٹ تک میرے دستِ راست کی حیثیت سے کام کرتے رہے ۔ دوسرے عربی کے ٹیچر تھے ۔ ان کا نام عبدالرحمن تھا ۔ لگائی بجھائی کرنا ، اسٹاف کو ایک دوسرے سے لڑانا ، افواہیں پھیلانا ، غیبت اور بدگوئی کرنا ان کا محبوب مشغلہ تھا ۔ وہ عربی صرف و نحو سے قطعی نابلد تھے ۔ انہیں ترجمہ کرنا بھی نہیں آتا تھا ۔ انہوں نے کسی جعلی ادارے سے مولوی فاضل کی سند لے رکھی تھی ۔ عربی کی کتاب میں مسلمانوں کے دو مقدس مقامات یعنی مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے بارے میں علیحدہ علیحدہ ایک ایک باب تھا تاکہ بچے ابتداء ہی سے ان کی مقدس حیثیت سے واقف ہو جائیں اور ان کے دلوں میں اسلامی اور دینی تعلیمات کے ان اہم مراکز کی اہمیت جانشیں ہو جائے ۔

عبدالرحمن صاحب یہ دونوں باب طالبِ علموں کو کبھی نہیں پڑھاتے تھے جس کی وجہ سے بچے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے بارے میں معلومات حاصل کرنے سے محروم رہ جاتے تھے ۔ جب مجھ کو مختلف ذرائع سے یہ اطلاعات ملنا شروع ہوئیں کہ عبدالرحمن صاحب یہ دونوں باب ہمیشہ چھڑوا دیتے ہیں تو میں نے خفیہ طور پر اس کی تحقیقات کی تو خبر صحیح ثابت ہوئی ۔ میں نے متعلقہ ٹیچر سے اسی سلسلے میں بازپرس کرنے کی بجائے عربی نصاب کے یہ دونوں باب خود پڑھانا شروع کر دیئے ۔ جب میں نے ان کی دانستہ یا نادانستہ بدعنوانیوں کا سختی سے نوٹس لیا اور ان سے بازپرس کرنا شروع کی تو وہ میرے اسکول سے تبادلہ کرا کے چیچاوطنی چلے گئے ۔ خدا جانے وہاں انہوں نے کیا گل کھلائے ۔ ایک عرصے سے ان کی کوئی خیر خبر نہیں ملی ۔ غالباً اب وہ اس دنیا میں نہیں ہیں اور اگر حیات ہیں تو وہ یقیناً گمنامی کی زندگی بسر کر رہے ہیں

**

ایک اور منافق سے پالا پڑا

بلاشبہ دنیا کے ہر معاشرے میں اچھے اور برے لوگ ہوتے ہیں ۔ نیک اور بد ہر دور میں اور ہر جگہ رہے ہیں ۔ کوئی ملک ، کوئی معاشرہ اور کوئی دور اس اجتماع ضدین سے خالی نہیں رہا ۔ ہابیل و قابیل اور موسیٰ و فرعون سے لے کر ہمارے دور میں بھی اس قسم کی چھوٹی بڑی مثالیں قدم قدم پر ملیں گی مگر وہ معاشرہ اور دور اچھا کہا جاتا ہے جس میں نیک بندوں ، خدا ترس ، انسان دوستی اور خدمت خلق کے جذبے سے سرشار افراد کی زیادتی ہو ۔ اسی طرح زندگی کے ہر شعبے اور سرکاری و نجی اداروں میں بھی اچھے اور برے لوگ ہمیشہ رہے ہیں ۔ محکمۂ تعلیم و تدریس بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے ۔ چونکہ محکمۂ تعلیم و تدریس سے متعلق افراد تہذیب نفس اور تطہیر ذات کا نمونہ ہوتے ہیں اور ان کا مقصد نئی نسل کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی کردارسازی اور دیگر اخلاقی خوبیوں کی آبیاری کرنا ہوتا ہے اس لئے اگر اس پیشے میں دو چار ایسی کالی بھیڑیں آجائیں جو بدنفس ، خودغرض ، لالچی اور فتنہ پرور ہوں تو ان کی موجودگی اور تخریبی سرگرمیوں سے پورا ماحول متاثر ہو سکتا ہے ۔ چونکہ ابھی تک اس پیشے میں دوسرے پیشوں کے مقابلے میں کالی بھیڑوں کی موجودگی کا تناسب نسبتاً کم رہا ہے اسی لئے یہ پیشہ بہت اچھا اور کردارساز تصور کیا جاتا ہے ۔ چونکہ اس پیشے میں کالی بھیڑوں کی تعداد نسبتاً کم ہوتی ہے اس لئے ان کی شناخت جلد ہو جاتی ہے اور ان کی شرانگیزی پھیلنے اور جڑ پکڑنے نہیں پاتی ۔ مجھے بھی بعض ایسے ہی عناصر سے سابقہ پڑتا رہا ہے ۔ فاضلکا کے اسکول کی طرح یہاں بھی میرے اسٹاف میں ایک فتنہ پرور اور شرانگیز ٹیچر تھا ۔ یہ بھی بہت زیادہ مفادپرست ، ابن الوقت اور حسد کا مجسمہ تھا ۔ چونکہ مقامی تھا اس لئے اسے متروکہ مال لوٹنے اور ہاتھ رنگنے کے بہت سے مواقع ملے ۔ لوٹے ہوئے مال اور ناجائز طریقوں سے دولت کمانے کی وجہ سے اس کی مالی اور معاشی حالت بہتر ہو گئی ۔ اس میں تمرد اور سرکشی پیدا ہو گئی کسی کو خاطر میں نہیں لاتا تھا ، قاعدے قانون اور نظم و ضبط کی اس کو مطلق پروا نہیں تھی ۔ غالباً اس کی دکان میں سارا کپڑا لوٹا ہوا تھا بہرحال دکان اس

نے اپنی کمائی سے کھولی ہو یا لوٹ کے مال سے اسے ملازمت کی مطلق پروا نہیں تھی ناچار مجھے مجبور ہو کر اس کے خلاف انضباطی قدم اٹھانا پڑا تو اس نے انتقامی طور پر محکمے کو میرے خلاف درخواستیں دینا اور دوسرے لوگوں سے دلوانا شروع کر دیں ۔ تحقیقات پر جب ساری شکایات بے بنیاد ثابت ہوئیں تو اسے معطل کر دیا گیا ۔ تین ماہ تک وہ بالا بالا اپنی بحالی کے لئے دوڑ دھوپ کرتا رہا لیکن جب اس کی ساری کوششیں بے سود ثابت ہوئیں تو اس کے ہوش ٹھکانے لگے ۔ معززین کی خوشامد درآمد کر کے ان سے سفارشیں کرائیں اور تحریری معافی نامہ داخل کیا ۔ اسے کام کرنے کی پھر اجازت مل گئی لیکن جس طرح بچھو اپنی فطرت سے مجبور ہو کر پتھر پر بھی ڈنگ مارنے سے باز نہیں آتا اس لئے کچھ عرصے بعد وہ پھر شرارت پر اتر آیا ۔ میرے خلاف اس کی شرانگیز مہم کی ناکامی کے بعد اس کا تبادلہ ہو گیا ۔ اب پھر اس نے انسپکٹر صاحب کے دفتر کے چکر کاٹنا اور بااثر افراد کی سفارشیں کرانے کا سلسلہ شروع کر دیا ۔ آخر پھر قدموں میں آگرا اور میں نے عفو و درگزر سے کام لیا ۔ مجھ سے تین سال پہلے ریٹائر ہو گیا ۔

مہاجرین کی امداد کے لئے رضاکاروں کی ٹیم کا قیام

سلیمانکی ہیڈ ورکس پاکستان کا پھاٹک تھا ۔ اس لئے کافی عرصے تک ادھر سے مہاجرین کی آمد کا تانتا بندھا رہا ۔ یہاں زندگی کی بنیادی سہولتیں فراہم کرنے کے لئے کوئی منظم اور معقول انتظام نہیں تھا جس کی وجہ سے انہیں بہت سی پریشانیوں سے دوچار ہونا پڑتا تھا اس لئے میں نے اساتذہ اور طلباء پر مشتمل ایک پارٹی تشکیل دی جو مہاجرین میں کھانا ، کپڑے اور دیگر بنیادی ضرورتوں کی چیزیں تقسیم کرتی تھی ۔ یہ پارٹی بیمار مہاجرین کی دوا علاج کا بھی بندوبست کرتی تھی نیز یتیم ، غریب ، نادار اور لاوارث طلباء کے لئے ایک دارالاقامہ کھول دیا تھا جس میں ان کے لئے رہائش ،

خوراک اور لباس وغیرہ کا مفت انتظام کیا جاتا تھا اور کتابیں فراہم کی جاتی تھیں ۔ یہاں پانچ سال کے عرصے میں تقریباً دو سو طلباء کو تعلیم و تربیت فراہم کی گئی جس میں اکثر طالبعلم میٹرک پاس کرنے کے بعد باعزت زندگی گذارنے کے قابل ہو گئے ۔ اس دارالاقامے کے قیام کے سلسلے میں تحصیلدار صاحب دیپال پور اور حاجی غلام دستگیر صاحب کے والدِ گرامی میاں گوہر علی صاحب نے ٹھوس خدمات انجام دیں اللہ تعالیٰ میاں صاحب مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے ۔ آمین ۔ مرحوم نہایت متدین ، بلنداخلاق اور بااثر زمیندار تھے ۔ مجھ سے بڑی عزت و احترام سے پیش آتے تھے ۔ ان کے بھائی حاجی محمد عارف صاحب بھی ویسی ہی خوبیوں کے مالک تھے ان کے تیسرے بھائی حاجی محبوب علی صاحب بھی ہمیشہ مجھ سے تعاون کرتے رہے ۔ تینوں بھائی اب اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں کروٹ کروٹ جنت دے حاجی گوہر مرحوم کی اولاد میں ایک فرزند واقعی گوہر نایاب ثابت ہوا ان کا اسم گرامی محمد سعید ہے اور واقعی وہ اسم بامسمیٰ ہیں ۔ زمینداروں میں ایسے بچے خال خال ہی پیدا ہوتے ہیں ۔ زمینداروں کے بچے عام طور پر عیاش ، رسہ گیر اور بدمعاشوں کے سرغنہ یا سرپرست بن جاتے ہیں لیکن یہ بچہ محمد سعید واقعی سعادت مند نکلا ۔ علم و ادب کا شوقین ، ترقی کا دلدادہ ، سخت کوش اور محنت کا عادی تھا ۔ کچھ عرصے وکالت کرنے کے بعد مجسٹریٹ لگ گیا ، بہت سے ممتاز عہدوں پر فائز ہوا اور ہر جگہ اپنی لیاقت اور ذہانت کا لوہا منوالیا ۔ آج کل غالباً پنجاب ٹرانسپورٹ کے سیکریٹری ہیں ۔ مجھ پر ان کی ہمیشہ لطف و کرم کی نظر رہی اور میری بڑی قدر و منزلت کرتے ۔ اللہ تعالیٰ اس جوہر قابل کو مزید ترقی دے اور ان کی صلاحیتوں کو مزید نکھارے ۔

گدڑی کا لعل

مجھے دو بھائی عبدالرحیم اور عبدالکریم خاص طور پر اچھی طرح سے یاد ہیں ۔

دونوں اسلامیہ ہائی اسکول فاضلکا میں دسویں جماعت میں زیرِ تعلیم تھے ۔ ان کے والد فاضلکا میں فوت ہوگئے تھے اور ان کی بیوہ والدہ بہت بری حالت میں ان دونوں بچوں کو لے کر پاکستان پہنچی تھیں ۔ ان کا کوئی سہارا نہیں تھا وہ دونوں بچوں کو میرے پاس لے آئیں ۔ انہیں میرے سپرد کر کے خود کنگن پور چلی گئیں ۔ میں نے ان دونوں یتیم بچوں کو دارالاقامے میں داخل کر لیا ان کے طعام و قیام اور تعلیم کے تمام اخراجات کا خود کفیل بن گیا ۔ دونوں بچوں نے محنت سے پڑھا ۔ دونوں نے میٹرک پاس کر لیا ۔ عبدالرحیم نے فرسٹ ڈویژن حاصل کی میں اسے بہار انٹر کالج بہاول نگر کے پرنسپل کے پاس خود لے گیا ۔ ان سے تمام کیفیت بیان کر کے عرض کیا کہ اگر آپ اس کی سرپرستی فرمائیں تو اس کی زندگی بھی سنور جائے گی اور آپ کے ادارے کے لئے باعثِ فخر ثابت ہو گا ۔ پرنسپل صاحب نہایت نیک دل اور انتہائی ہمدرد انسان تھے ۔ انہوں نے بلاتامل اس کی سرپرستی قبول فرمالی ۔ لڑکا بھی ہونہار اور سعادت مند تھا اس نے بھی شب و روز جان توڑ کوشش کی اور امتحان میں پوری ریاست بہاول نگر میں اول آیا ۔ مجھے بھی پرنسپل صاحب کے سامنے سرخرو ہونے کا موقع فراہم کیا ۔ اس کامیابی کے نتیجے میں ریاست کی طرف سے مغل پورہ انجینئرنگ کالج میں داخل ہوا ۔ اس کے سارے تعلیمی اخراجات ریاست برداشت کرتی تھی ۔ وہاں سے اعلیٰ نمبروں میں کامیاب ہو کر واپڈا میں ملازم ہو گیا ۔ آج کل انجینئر ہے ۔ دوسرا بھائی محکمۂ انہار میں کلرک ہے ۔

سرحدی شہر کی حفاظت کے لئے دستۂ مجاہدین کا قیام

چونکہ حویلی بھارت کی سرحد کے بالکل قریب واقع ہے اور ہندوؤں نیز سکھوں نے تقسیم کو دل سے قبول نہیں کیا تھا اس لئے یہاں ہر وقت دشمن کے حملے کا خطرہ لگا رہتا تھا ۔ ابھی بھارت کے بہت سے فوجی پاکستان میں پھر رہے تھے اور ہندوؤں

کے قافلوں کو حفاظت سے بھارت پہنچانے میں، سرگرم عمل تھے ۔ خدشہ ہوا کہ وہ جاتے ہوئے حویلی شہر پر حملہ نہ کردیں ۔ یہ خدشہ اس وجہ سے بے بنیاد بھی نہیں تھا کہ انہوں نے چند روز پہلے چک بیدی پر حملہ کر کے تھانیدار کو جان سے مار دیا تھا ۔ یہاں تھانے پر پولیس بہت کم تھی بلکہ برائے نام تھی اس لئے مہاجرین میں کچھ کا انتخاب کر کے انہیں فوجی ٹریننگ دی گئی اور اس طرح مجاہدین کا ایک دستہ تیار کیا گیا ۔ میں نے بھی رائفل خرید لی اور ٹریننگ حاصل کر لی ۔ مجھے مجاہدین کا سالار مقرر کر دیا گیا ۔ ہم نہ صرف دن کے وقت چوکس رہتے تھے بلکہ شام کو پہرہ بھی دیتے تھے کیونکہ رات کو حملے کا زیادہ خطرہ تھا ۔ اس طرح اپنے شہر کی خود حفاظت کرتے تھے ۔ مجاہدین کے دستے کے قیام سے شہر کے باسیوں کے حوصلے بھی بڑھے اور دلجمعی سے کاروبار کرنے کی طرف مائل ہوئے ۔

اسکول کے رقبے میں اضافہ اور توسیع

جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے کہ اسکول کی عمارت ضروریات کے لئے ناکافی تھی ۔ اس میں صرف آٹھ کمرے اور ایک دفتر تھا ۔ طلباء کے کھیل کود کے لئے نہ گراؤنڈ تھی اور نہ ہریالی اور پھلواری وغیرہ نام کی کوئی چیز تھی ۔ البتہ اسکول اور بورڈنگ ہاؤس کی عمارت کے درمیان کوئی ڈیڑھ ایکڑ کا قطعۂ اراضی بیکار پڑا تھا جس پر غلاظت کے انبار لگے رہتے تھے ۔ میں نے اس جگہ کی اچھی طرح صفائی کرائی اور طلبا رضاکاروں کے لئے پریڈ گراؤنڈ تیار کر لی ۔ یہ جگہ صبح کو مارننگ اسمبلی اور شام کے وقت کھیلوں کے لئے استعمال کی جانے لگی ۔ اس کے چاروں طرف درخت لگائے گئے اراضی سے ملحق سکھوں کا ایک جنج ہاؤس اور کٹیا بھی تھی میں نے دیوار کو مسمار کرواکے یہ جگہ بھی اسکول میں شامل کر لی ۔ جنج ہاؤس کو ڈرائنگ روم بنالیا جس کا رقبہ ۶۰×۳۵ فٹ تھا ۔ یہ ایک نہایت شاندار کمرہ بلکہ اچھا خاصا ہال سا تھا جس میں

تقریباً ایک سو طالبعلم بیک وقت بیٹھ کر ڈرائنگ سیکھ سکتے تھے ۔ کٹیا کے ساتھ چھوٹا سا کنواں تھا جس پر رہٹ لگا ہوا تھا ۔ میں نے ایک چھوٹا خرید کر اس کنویں کو چالو کر دیا ۔ گھاس اور پھولوں کے پلاٹوں کے لئے آب پاشی کا بہت اچھا انتظام ہو گیا اس طرح اپنی مدد آپ کے ذریعے پریڈ گراؤنڈ، اسکول کے صحن، گھاس اور پھولوں کے پلاٹ اور سایہ دار درختوں کا بڑا اچھا انتظام ہو گیا ۔ ڈرائنگ روم کے لئے اعلیٰ درجے کا کمرہ اور آب پاشی کے لئے رہٹ حاصل کر لیا ۔ اسکول کی رونق دوبالا ہو گئی ۔ البتہ ہوسٹل کی عمارت کے ارد گرد، بورڈرز کے لئے باہر آرام کرنے اور شام کو کھیلنے کے لئے کوئی جگہ نہ تھی ۔ ہوسٹل کے چاروں طرف جو متروکہ اراضی بیکار پڑی تھی میں نے اسے گھیر لیا اور چار دیواری کر کے ہوسٹل کے ساتھ شامل کر لیا ۔ اس اراضی پر گھاس کے پلاٹ، پھلواری اور والی بال گراؤنڈ تیار کرادیئے نیز سائے دار درخت بھی لگوادیئے ۔

شہر میں روشنی، صفائی، تعلیم اور صحت کے لئے ٹاؤن کمیٹی بنی ہوئی تھی جس کے چیرمین مجسٹریٹ پاک پتن کے نامزد تھے ۔ ہائی اسکول کا ہیڈماسٹر اور سول ڈسپنسری کے انچارج ڈاکٹر علی الترتیب تعلیم اور صحت و صفائی کے نامزد ممبر ہوتے تھے ۔ دو ممبر پبلک سے نامزد کئے جاتے تھے ۔ کل پانچ ممبر ہوتے تھے ۔ شہر کی آبادی تقریباً بارہ ہزار تھی اور اب آبادی بڑھ کر اٹھارہ بیس ہزار تک پہنچ گئی ہے ۔ میں بربنائے منصب تعلیمی کمیٹی کا چیرمین ہوا کرتا تھا ۔ جوں جوں آبادی میں اضافہ ہوتا گیا میں پرائمری اسکولوں کی تعداد میں اضافہ کراتا گیا ۔ پہلے پورے قصبے کے لئے صرف ایک پرائمری اسکول ہوتا تھا اب بتدریج پانچ پرائمری اسکول قائم ہو گئے ۔ لڑکیوں کے لئے ڈسٹرکٹ بورڈ کی طرف سے دو پرائمری اسکول قائم تھے ۔ لڑکوں کے ایک اسکول کو ترقی دے کر مڈل اسکول بنادیا گیا، اسی طرح لڑکیوں کے ایک اسکول کو مڈل اسکول بنادیا گیا بعد میں اسی اسکول کو ہائی اسکول بنا دیا گیا ۔ تمام

اسکولوں کے لئے عمارت، ضروری فرنیچر، سامان تدریس اور اسٹاف مہیا کیا گیا۔ اس کے ساتھ اسکولوں کے تعلیمی معیار کو بھی بلند کیا گیا، صحت و صفائی اور روشنی کے انتظام کی بھی اصلاح کی گئی۔ رات کے وقت پہرے کا معقول انتظام کر کے چوری چکاری کی وارداتوں کا بھی سدباب کیا گیا۔

علاقے میں مہاجرین کی آبادکاری میں اضافے کے ساتھ ساتھ طلباء کی تعداد میں بھی تیزی سے اضافہ ہوتا گیا جس کی وجہ سے اسکول میں مزید کمروں اور فرنیچر کی ضرورت شدت سے محسوس ہونے لگی۔ بڑھتی ہوئی ضرورتوں کا احساس دلانے، تعلیم کو فروغ دینے اور معیارِ تعلیم کو بہتر بنانے کے لئے عوامی اشتراک و تعاون کی اشد ضرورت تھی اس لئے میں نے اپنے رفقائے کار سے صلاح و مشورے کے بعد طلباء کے سرپرستوں کا ایک اجلاس بلایا۔ اجلاس میں معززین اور سرکردہ افراد نے شرکت کی۔ اجلاس میں قصبے میں بڑھتی ہوئی تعلیمی ضروریات، وسائل کی کمی اور عوامی تعاون کی ضرورت کو اجاگر کیا گیا۔ اس اجلاس میں بحث و تمحیص کے بعد اتفاق رائے سے انجمن سرپرستان طلباء (Parents' Association) قائم کردی گئی جس کا صدر حکیم قادر بخش صاحب مرحوم کو اور سیکریٹری (فنانشل) شیخ حاکم علی صاحب مرحوم (کمیشن ایجنٹ) کو بنایا گیا۔ میں خود اس کمیٹی کا ناظم تھا۔ اپنی مدد آپ کے تحت یہ قدم اس لئے اٹھایا گیا کہ ڈسٹرکٹ بورڈ وسائل کی کمی کے باعث عمارت پر کوئی رقم خرچ کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔ لہٰذا فنڈ کے حصول کے لئے دیہات کے دورے شروع کئے گئے۔ زمینداروں اور دیگر باشعور اور مخیر حضرات سے رابطے کئے گئے۔ ان دوروں کے نتیجے میں جو عطیات وصول ہوتے وہ انجمن سرپرستان طلباء کی تحویل میں دے دیئے جاتے۔ ان کوششوں کی وجہ سے اتنی رقم مہیا ہو گئی کہ سنہ ۱۹۴۸ء میں انجمن سرپرستان طلباء کے زیر انتظام ایک پختہ کمرہ تعمیر بھی ہو گیا اور ساتھ ہی ساتھ پچاس ڈیسک اور بنچ بھی بن گئے۔ بعض اوقات میں تقسیم انعامات کے موقعے پر زمینداروں

اور معززین شہر کو مدعو بھی کرلیتا۔ اس موقعے پر ایک تعلیمی نمائش بھی لگائی جاتی جس میں اساتذہ اور طلباء کی نمایاں کارکردگی بھی دکھائی جاتی۔ بچوں کی دستکاریاں، ان کے مشاغل، ان کی خوشخطی، نقشہ کشی اور مصوری وغیرہ کی تشہیر کی جاتی۔ اس نمائش کے موقعے پر قرأت، تجوید، تقاریر، مکالمات، مقالہ جات، نظمیں، نعتیں اور ڈرامے پیش کئے جاتے۔ جسمانی تربیت، فوجی پریڈ اور پی۔ٹی شو بھی ہوتے۔ آخر میں معززین، رؤسا اور سرکردہ افراد کی چائے وغیرہ سے ضیافت کی جاتی جس میں کوئی بڑا زمیندار یا ضلعی افسر مہمان خصوصی ہوتا۔ اس موقعے پر مزید کمروں اور فرنیچر وغیرہ کے لئے عطیات کی اپیل کی جاتی جس کا خاطرخواہ ردعمل ہوتا اس طرح ایک خطیر رقم فراہم ہوجاتی جو فنانشل سیکریٹری شیخ حاکم علی صاحب کے پاس جمع کرادی جاتی۔

رائفل ٹریننگ ڈویژن کا قیام

سنہ ۱۹۴۹ء میں مجھے راؤ مبارک علی خان پی۔ٹی مل گیا۔ یہ شخص فوج میں حوالدار تھا اور اب پنشنر تھا۔ کام میں بڑا مستعد تھا اور فرماں بردار بھی تھا۔ میں نے اس کو اسکول پی۔ٹی کی خود ٹریننگ دی۔ بعض اوقات میں اسے ڈویژن کے اچھے اسکولوں میں بھیج دیتا جہاں وہ ماڈل پی۔ٹی شو دیکھ کر اپنے اسکول میں رائج کرتا۔ میں نے پانچ سو کے قریب ڈمی رائفلیں تیار کرائیں اور اسکول کے تمام اساتذہ اور طلباء کو رائفل ٹریننگ دلوائی۔ رائفل ٹریننگ ڈویژن نے خاصی شہرت اور مقبولیت حاصل کی۔ کبھی کبھی میں ایک دستے کو سکھ اور دوسرے کو پاکستانی بنا کر مصنوعی جنگ کراتا اس مظاہرے کو دیکھنے کے لئے باہر سے بھی لوگ آیا کرتے تھے ڈویژنل انسپکٹر صاحبان بھی ہمارے گیمز، رائفل ٹریننگ، پی۔ٹی شو اور اسکاؤٹنگ کی تعریف پورے ڈویژن میں کیا کرتے تھے۔ میری سند پر ہر سال "Good" ریمارکس دے جایا کرتے تھے۔ اسکول کا بینڈ بھی اعلیٰ درجے کا تھا جو ضلعی مقابلے

میں ہمیشہ امتیازی پوزیشن حاصل کیا کرتا تھا۔

بہترین رفقائے کار

میں اس حیثیت سے بڑا خوش قسمت تھا کہ مجھے چند ایک مستثنیات کو چھوڑ کر بہترین رفقائے کار ملے وہ نہایت محنتی، وفادار اور باصلاحیت تھے۔ ان کے مخلصانہ بھرپور تعاون اور اشتراک سے مجھے حسبِ منشا کام کرنے اور تعلیم کو اپنے حلقے میں عام بنانے کا موقع ملا۔ میرے رفقائے کار میں چوہدری محمد حسین بی۔اے۔بی ٹی، چوہدری عبدالجبار خاں ایس۔اے۔وی، صوفی کرم الٰہی ایس۔اے۔وی، چوہدری ولی محمد جے۔اے۔وی، شیخ الطاف محمد جے۔اے وی، مرزا عبدالحمید نازی ایف۔ایس سی۔سی۔ٹی، مولوی عبیداللہ مولوی فاضل او۔ٹی، قاری فتح محمد خاں منشی فاضل، او ٹی، مولوی محمد حسین ایس۔وی، مولوی محمد شریف منشی فاضل او۔ٹی، راؤ مبارک علی خاں، پی۔ٹی۔آئی، چوہدری رفیع الدین ڈرائنگ ماسٹر، چوہدری محمد محسن بی۔اے، بی۔ایڈ، چوہدری محمد اشرف وٹو بی۔اے، بی۔ایڈ، خان محمد مظفر خاں سی۔ٹی، ملک محمد خاں، ایس [illegible] اور عبدالشکور خاں میرے اسٹاف کے بہترین ممبر رہے ہیں جن کے مخلصانہ اور بھرپور تعاون سے میں نے اسکول کو تعلیمی لحاظ سے نیز کھیلوں، اسکاؤٹنگ، تقریری مقابلوں اور قرأت کے لحاظ سے غرضکہ ہر حیثیت سے صوبائی شہرت کا حامل اسکول بنادیا۔ یہی وجہ تھی کہ طلباء دور دراز کے علاقوں سے میرے اسکول کی طرف کھنچے چلے آرہے تھے۔ منڈی مہرا سنگھ، بصیرپور، دیپال پور، اوکاڑہ، عارف والا اور پاک پٹن تک سے نیز ریاست بہاولپور سے اپنے اپنے علاقوں کے ہائی اسکول چھوڑ کر میرے اسکول میں داخلہ لینے آتے تھے۔ ہوسٹل میں پچھتر بورڈرز رہائش پذیر تھے، مزید طلباء کی بالکل گنجائش نہیں تھی ورنہ یہاں بھی بورڈروں کی تعداد کہیں زیادہ ہو سکتی تھی۔

ہمارے اسکول کی مارننگ اسمبلی بڑی دلکش ہوتی تھی۔ تمام طالبعلم وردی میں ملبوس ہوتے تھے۔ سفید قمیص یا بشرٹ اور خاکی پتلون ہمارے اسکول کی وردی تھی۔ سب سے پہلے دعا پھر حمد ہوتی تھی۔ پھر رائفل ڈرل، بینڈ پر پی۔ٹی اور پھر مارچ پاسٹ ہوتا تھا۔ ہیڈماسٹر صاحب سلامی لیا کرتے تھے اور جھنڈا لہرایا کرتے تھے۔ بعدازاں کبھی ہیڈماسٹر صاحب کبھی اسٹاف کا کوئی ممبر اور کبھی طلباء میں سے کوئی طالبعلم قرآن کریم کی کسی آیت پر پانچ منٹ کی تقریر کرتے تھے۔ آخر میں جن طلبا نے کوئی اچھا کام کیا ہوتا تھا اس کی تعریف کی جاتی تھی تاکہ طالبعلموں میں اچھے کام کرنے کا شوق اور لگن پیدا ہو، جس طالبعلم کے کسی شعوری یا غیرشعوری غلط عمل سے اسکول کی شہرت داغدار ہونے کا امکان ہوتا تھا اس کی مذمت کی جاتی اور اسے غیرت دلائی جاتی تاکہ آئندہ وہ یا کوئی اور طالبعلم اس قسم کی کوئی حرکت نہ کرے پھر کلاسیں اپنے اپنے انچارج کے ساتھ اپنے کمروں میں چلی جاتیں۔ ہر انچارج آدھے گھنٹے درس قرآن دیتا یہ زیرو(Zero) پیریڈ ہوا کرتا تھا اس کے بعد ٹائم ٹیبل کے مطابق کام شروع ہوجاتا۔ پہلے پیریڈ میں ہیڈماسٹر طلباء، اساتذہ اور پبلک کی درخواستوں کا فیصلہ کرتا۔ داخلے اور خارجے کا کام کرتا، اساتذہ کی تعلیمی ڈائریوں کی جانچ پڑتال کرتا اور پھر اسکول کا راؤنڈ لگاتا۔ بعض اوقات کسی کلاس میں جاکر پچھلی بنچ پر بیٹھ کر استاد کے طریقۂ تدریس کو دیکھتا اور انسپکشن بک پر اس کی اصلاح کے لئے ہدایات تحریر کرتا۔ میں خود بھی کلاس لیا کرتا۔ دسویں جماعت کو انگریزی اور اسلامیات میں خود پڑھاتا تھا۔

طلباء کی روزافزوں تعداد کے پیش نظر دو مزید کمروں کی ضرورت شدت سے محسوس ہوئی۔ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے ڈسٹرکٹ بورڈ اپنے وسائل کی کمی کے باعث تعمیر پر روپیہ خرچ کرنے کو تیار نہ ہوا۔ چار و ناچار مجھے اپنا آزمودہ طریقۂ کار اختیار کرنا پڑا یعنی میں نے علاقے کے زمینداروں، صاحب ثروت افراد اور معززین

سے رابطہ کرنے اور اس مقصد کے لئے سرمایہ فراہم کرنے کی غرض سے عطیات جمع کرنے کی مہم بڑی شد و مد سے شروع کی ۔ مضافات کے دورے کئے ۔ اس جد و جہد کے نتیجے میں تقریباً نو ہزار روپے کی رقم جمع ہو گئی جو انجمن سرپرستان طلباء کے سپرد کردی گئی اور اسی کے زیرِ انتظام سنہ ۱۹۵۲ء میں مزید دو پختہ کمرے تعمیر کرائے گئے ۔

اسی سال میں نے یوم والدین منایا اور چوہدری نیاز احمد صاحب ڈپٹی کمشنر کی زیر صدارت جلسۂ تقسیم انعامات بھی منعقد کیا ۔ اس موقعے پر اسکول کے نتائج ، اسپورٹس اور تعلیمی سرگرمیوں کی رپورٹ پیش کی گئی ۔ اس کے علاوہ اسکول کی دیگر تحریکات و مشاغل یعنی اسکاؤٹنگ ، رائفل ٹریننگ ، ڈرامٹیک کلب ، باغبانی ، زراعت فن تقریر و تحریر کے مقابلے ، مارچ پاسٹ (بینڈ پر) ، پی ۔ ٹی شو ، ارضی و دیواری چارٹس ، سول ڈیفنس ، جمناسٹک ، نقشہ نویسی و خطاطی وغیرہ کے نمونے صدرِ جلسہ نیز معززین و سرکردہ افراد کے علاوہ پبلک کو دکھائے گئے جسے بے حد پسند کیا گیا ۔ اسکول اور طلباء کی ان سرگرمیوں کی نہ صرف دل کھول کر داد دی بلکہ ڈپٹی کمشنر موصوف نے بھی سراہا ۔ انہوں نے ان سرگرمیوں سے متاثر اور خوش ہو کر خود اپنی جیبِ خاص سے دو ہزار روپے کا عطیہ عنایت کیا اور پبلک سے بھی دل کھول کر عطیات دینے کی اپیل کی ۔ ان کے اس فیاضانہ عمل اور پرجوش اپیل کا یہ نتیجہ نکلا کہ اسکول کے تعمیری فنڈ میں رقم جمع ہو گئی ۔ اس کے علاوہ صدرِ موصوف اسکول کی تعمیری تحریکوں اور نتائج وغیرہ پر اس قدر خوش ہوئے کہ انہوں نے ہر جماعت میں اول آنے والے طلباء کے لئے ضلع کے خاص فنڈ سے وظائف دینے کا اعلان بھی فرمایا اور ضلع میں جہاں بھی گئے میرے اسکول کی دل کھول کر تعریف کی ۔ ان کے اس عمل اور حوصلہ افزائی سے میرے اسٹاف کے حوصلے اور بے لوث تعلیمی خدمات انجام دینے کی لگن اور بڑھ گئی ۔ صاحبِ موصوف میرے کام سے اتنے متاثر اور خوش ہوئے کہ میں جب کبھی بھی ان کی عدالت میں یا ان کی کوٹھی پر جاتا تو نہایت تپاک اور

عزت و احترام سے پیش آتے اور میرے ہر کام کو بخوشی انجام دیتے ۔ چھوٹے بڑے سرکاری اہلکاروں اور ذمے دار افسروں میں اچھے کاموں کی حوصلہ افزائی کرنے کا ایسا ہی جذبہ پیدا ہو جائے تو ہمارے نہ صرف بہت سے حل طلب مسائل حل ہو جائیں بلکہ عوام کے دلدر بھی دور ہو جائیں ۔ اس موقعے پر یہ عرض کرنا نامناسب نہ ہوگا کہ ایک موقعے پر معززین شہر کے اسلحے کے لائسنس کسی خاص وجہ سے ضبط کر لئے گئے سب نے مجھ سے سفارش کرنے کو کہا ۔ چنانچہ معززین کے بے حد اصرار پر میں ضلع کے ڈپٹی کمشنر جناب نیازی صاحب کے پاس گیا وہ اسی خلوص اور تپاک سے پیش آئے ۔ آنے کی وجہ دریافت کی تو میں نے مختصر الفاظ میں اپنا مدعا بیان کیا ۔ نیازی صاحب نے بلا کسی تامل اور چون و چرا کے اسلحے کے لائسنس بحال کر دیئے ۔

مجھ پر قاتلانہ حملے کی ناکام کوشش

میں ٹیچروں اور طالب علموں میں نظم و ضبط ، حسنِ اخلاق اور حسنِ سلوک کے معاملے میں فطرتاً سخت گیر تھا ۔ اس مسئلے میں کسی قسم کی رو رعایت نہیں کرتا تھا ۔ میں اس عقیدے کو سختی سے عملی جامہ پہنانے کی کوشش کرتا تھا کہ اسکول صرف درس گاہ نہیں بلکہ تربیت گاہ بھی ہے ۔ حسنِ اخلاق ، اعلیٰ انسانی خوبیوں ، نظم و ضبط اور اصول پرستی کے بغیر تعلیم انفرادی اور اجتماعی ترقی میں ممد و معاون نہیں ہو سکتی ۔ گھر پر اپنے بچوں کے ساتھ بھی اسی اصول پر سختی سے عمل کرتا تھا ۔ شفقتِ پدری کو بالائے طاق رکھ کر بچوں کو بھی نظم و ضبط اور حسنِ اخلاق کا عادی بنانا چاہتا تھا کیونکہ انسان کی کردار سازی کا عمل گھر اور اسکول ہی سے شروع ہوتا ہے ۔ بچے کچی لکڑی اور گیلی مٹی کے مانند ہوتے ہیں ابتدا میں انہیں جس طرف چاہے موڑ دو یا جس شکل میں چاہے ڈھال دو وہ ویسے ہی بن جاتے ہیں ۔ اسی وجہ سے میری عادت

تھی کہ میں کسی ٹیچر یا طالبِ علم کی طرف سے اسکول یا پلے گراؤنڈ میں بدنظمی اور بدتہذیبی برداشت نہیں کرتا تھا اس سلسلے میں انتہائی سخت گیر تھا اور سخت سزا دینے کا قائل تھا۔ بہت ممکن ہے اس دور میں بعض لوگوں کو میری یہ روش انتہائی سخت نظر آئے لیکن اس کا قائل ہوں کہ بچوں کو موتیوں کا نوالہ کھلائے مگر شیر کی نظر سے دیکھے تاکہ وہ بے راہ رو ہونے سے محفوظ رہیں بہرحال نظر اپنی اپنی پسند اپنی اپنی۔ اس ضمن میں ایک واقعے کا ذکر نامناسب نہ ہوگا۔ ایک دن میرے پاس رپورٹ پہنچی کہ دسویں جماعت کا ایک طالبِ علم ظہور الحسن ولد ماسٹر فضل محمد، شبیر ولد مولوی امیرالدین کے ہمراہ والی بال گراؤنڈ میں بدنظمی پیدا کررہا ہے اور ماسٹر محمد انور صاحب انچارج ٹیم کے ساتھ گستاخی سے پیش آرہا ہے۔ میں موقعے پر پہنچ گیا۔ شبیر بھاگ گیا اور ظہور کو پکڑ لیا گیا۔ تحقیقات پر اس کا جرم ثابت ہوگیا۔ میں نے اسے وہیں گراؤنڈ پر سبق آموز سزا دی۔ ماسٹر فضل محمد اس بات پر مشتعل ہوگیا۔ وہ اپنے دونوں بھائیوں، تینوں لڑکوں اور محلے کے کچھ لوگوں کو ساتھ لے کر رات نو بجے میرے مکان پر چڑھ آیا۔ میں شور سن کر باہر نکلا تو معلوم ہوا کہ ماسٹر فضل محمد اپنی پارٹی کے ہمراہ مسلح ہوکر مجھ سے انتقام لینے کے لئے حملہ آور ہوا ہے۔ میں نے مکان کا پھاٹک بند کرلیا اور ان کے اگلے اقدام کا انتظار کرنے لگا۔ گھر میں فرخندہ اور دو چھوٹے بچوں کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ بچوں کی والدہ اپنی ہمشیرہ کے پاس قصور گئی ہوئی تھیں۔ میں نے اپنی بندوق بھرلی۔ پارٹی باہر شور مچاتی رہی اور ماسٹر فضل محمد کا بڑا لڑکا عبدالجبار خاں کے مکان سے بالائی منزل پر چڑھ آیا۔ وہ مشترکہ دیوار کو پھاند کر ہمارے مکان میں پھاندنے والا ہی تھا کہ میں نے فائر کھول دیا۔ وہ بدحواس ہوکر دیوار سے دھڑام سے نیچے گر پڑا اور یہ شور مچ گیا کہ گولی چل گئی۔ ہیڈماسٹر نے بندوق داغ دی۔ گولی کی آواز سنتے ہی بھگدڑ مچ گئی۔ ہجوم گھبراہٹ کے عالم میں اپنی جان بچانے کے لئے اِدھر اُدھر چھپنے لگا۔ میں نے اسی اثناء میں اپنے چپراسی کو رقعہ

دے کر ایس۔ ایچ۔ او پولیس کو اس حملے کی اطلاع دی اور فوری طور پر امداد طلب کی۔ چنانچہ پولیس ایک ایس۔ آئی کی سرکردگی میں میرے مکان پر پہنچ گئی اور تمام لوگوں کو گھیر گھار کر تھانے لے گئی۔ بیانات سننے کے بعد ایس۔ ایچ۔ او نے ماسٹر فضل محمد اور اس کی پارٹی کو خوب لتاڑا اور جب پرچہ درج ہونے لگا تو معززین درمیان میں پڑگئے، ماسٹر فضل محمد اور اس کے لڑکوں سے تحریری معافی نامہ لیا گیا میں نے یہی سزا کافی سمجھی اور انہیں معاف کردیا۔ اسی روز میں نے محسوس کیا کہ بندوق کی قیمت وصول ہوگئی اور اس کا گھر پر رکھنا کتنا ضروری ہے۔

کم اصل سے وفا نہیں

میں بچپن سے "کم اصل سے وفا نہیں" والی کہاوت سنتا چلا آیا تھا مگر اب تک مجھ پر اس کا مفہوم واضح نہیں ہوا تھا مذکورہ واقعے کے بعد مجھ پر اس کہاوت کی حقیقت بھی واضح ہوئی اور سمجھ میں آیا کہ چونکہ کہاوتیں صدیوں کے تجربات کے نتیجے میں بنتی ہیں اس لئے ہمیشہ ہر جگہ اور ہر دور میں صحیح ثابت ہوتی ہیں۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ماسٹر فضل محمد جے۔ وی مدرس تھا۔ جالندھر کا مہاجر تھا اور قوم کا موچی تھا۔ جن دنوں یہ حویلی میں آیا میں ٹاؤن کمیٹی کا وائس پریذیڈنٹ تھا، میں نے اسے کمیٹی میں ملازمت دلوادی اور دوسرے ہی سال ایک اور برانچ کھول کر پرائمری اسکول نمبر ۲ کا اول مدرس لگادیا۔ ابھی اس کی دو سال کی سروس ہوئی تھی کہ میں نے پرزور سفارش کرکے محکمۂ تعلیم سے ایس۔ وی کی خاص سند لے دی۔ میونسپل اسکولوں میں ایس۔ وی کی کوئی اسامی نہیں تھی، میں نے ایس۔ وی کی ایک خاص اسامی منظور کروائی اور فضل محمد کو اسی اسامی پر لگا کر کمیٹی سے ایس۔ وی کا گریڈ منظور کروایا لیکن یہ شخص مارِ آستین ثابت ہوا میرے مخالفوں کے ساتھ مل کر میرے خلاف سازشوں میں نہ صرف شریک ہوتا رہا بلکہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا رہا اور مجھے

نقصان پہنچانے میں اپنی طرف سے کبھی کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی ۔ بزرگوں نے سچ ہی کہا ہے کہ "کم اصل سے وفا نہیں ۔" آج کل پینشن پارہا ہے اور اپنے رویے پر بظاہر نادم ہے ۔

ہوسٹل کے احاطے میں مسجد کی تعمیر

قیام پاکستان سے پہلے چونکہ اس اسکول اور اس سے متعلق ہوسٹل پر ہندوؤں اور سکھوں کا عمل دخل تھا لہذا یہاں کوئی مسجد نہیں تھی ۔ اس زمانے میں بورڈرز بھی ہندوؤں اور سکھ طالب علم ہوا کرتے تھے اس لئے کبھی یہاں مسجد بنوانے کا کسی کو خیال نہیں آیا ۔ قیام پاکستان کے بعد ہوسٹل کے سارے بورڈرز مسلمان تھے اس لئے ہوسٹل کے احاطے میں ایک مسجد کی تعمیر اشد ضروری ہو گئی تاکہ تمام بورڈرز پنج وقتہ نماز باجماعت ادا کر سکیں اور ماہِ رمضان المبارک میں حافظِ قرآن کے پیچھے تراویح پڑھا کریں ۔ اسی طرح موسم سرما میں تمام اساتذہ اور طلباء ظہر کی نماز اس مسجد میں باجماعت ادا کیا کریں ۔ چنانچہ ایک منصوبے کے تحت مسجد کی تعمیر کی مہم شروع کی گئی اور سنہ ۱۹۵۳ء میں مسجد کی بنیادیں رکھ دی گئیں ۔ پہلے صرف ایک چبوترہ تیار کیا گیا ۔ اس پر پچہتر بورڈرز باجماعت نماز ادا کرنے لگے ۔ صوفی کرم الٰہی صاحب ، ایس ۔ اے ۔ وی بورڈنگ ہاؤس کے سپرنٹنڈنٹ تھے انہوں نے پابندیٔ نماز کے سلسلے میں بورڈ سے پورا پورا تعاون کیا ۔ مسجد کی تعمیر کے لئے سرمایہ درکار تھا ۔ سوال یہ تھا کہ یہ سرمایہ کیسے اور کہاں سے حاصل کیا جائے ۔ چونکہ یہ مسئلہ خالصتاً دینی یعنی مسجد کی تعمیر کا مسئلہ تھا اس لئے خواص و عوام کی طرف سے زیادہ تعاون کی توقع تھی ۔ لہذا عوام سے رابطہ کرنے کی مہم شروع کرنے کی غرض سے پہلا قدم تو یہ اٹھایا گیا کہ انجمن سرپرستان طلباء کا اجلاس منعقد کیا گیا ۔ ممبران کی توجہ بورڈرز کے لئے مسجد کی ضرورت اور اہمیت کی جانب مبذول کرائی گئی ۔ سبھی نے نہایت خوش دلی سے اس تجویز کو سراہا اور اتفاقِ رائے سے شہر اور مضافات کے لوگوں کا تعاون اور ان سے مالی امداد حاصل کرنے کے لئے دورے کرنے کا

پروگرام بنایا گیا ۔ حکیم قادر بخش صاحب مرحوم میرے گہرے دوست تھے ۔ علاقے میں کافی اثر و رسوخ کے مالک تھے ۔ وہ مجھے اپنے ساتھ میاں خدا یار خاں رئیس نیکہ حیات کی خدمت میں لے گئے وہ ان دنوں اسمبلی کے ممبر بھی تھے اور ڈسٹرکٹ بورڈ کے بھی ۔ حکیم صاحب نے ان سے میرا تعارف بڑے اچھے انداز میں کرایا ۔ رسمی تعارف کے بعد میاں صاحب نے اسکول کے بارے میں مجھ سے معلومات حاصل کیں ۔ ان کی گفتگو سے مجھے یہ بھی اندازہ ہوا کہ انہیں تعلیم و تدریس کے فروغ سے گہری دلچسپی ہے ۔ میں نے میاں صاحب کو اسکول کے تقسیمِ انعامات کے جلسے کی صدارت پیش کی جو انہوں نے منظور فرمالی ۔ یہ تقریب غالباً اکتوبر سنہ ۱۹۵۳ء میں منعقد ہوئی تھی ۔ میاں صاحب اسکول کی تمام سرگرمیوں اور بچوں کے تقریری مقابلوں ، ڈراموں اور سالانہ نتائج سے بہت زیادہ متاثر ہوئے نیز میری سالانہ رپورٹ سن کر بہت خوش ہوئے ۔ تقسیم انعامات کے بعد انہوں نے پانچ سو روپے نقد عطا کئے اور مسجد کی تعمیر کے لئے مزید مالی امداد دینے کا وعدہ فرمایا ۔ اس کے علاوہ اسکول کے غریب و نادار طلباء کی مالی امداد بھی وقتاً فوقتاً کیا کرتے تھے ، میں جب بھی غریب اور یتیم طلباء کو ان کی خدمت میں خط دے کر بھیجتا وہ کبھی خالی ہاتھ واپس نہ بھیجتے اس کی حسبِ ضرورت مدد فرماتے ۔ اس طرح وہ ہر سال غریب طلباء کے لئے کتابوں کی خریداری ، مڈل اور میٹرک کے امتحانات کی داخلہ فیس کی مد میں ہر سال معقول رقم عنایت کرتے ۔ اب وہ ہم میں موجود نہیں ہیں اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ غریقِ رحمت کرے ۔ آمین ۔ وہ میرے بھی مخلص اور گہرے دوست بن گئے تھے ۔ مجھ پر جب کبھی کوئی افتاد پڑتی بڑی مسرت کے ساتھ میری دستگیری کرتے اور بڑی مسرت کے ساتھ میری مدد کرتے ۔ اسی طرح میاں نور محمد صاحب نیکا رئیس اعظم پیر غنی سے میاں سعید محمد کے ذریعے تعارف ہوا ۔ وہ اسمبلی کے ممبر اور ڈسٹرکٹ بورڈ کے وائس چیرمین تھے ۔

ڈسٹرکٹ بورڈ کے چیرمین سے ایک اہم معرکہ

اسکول کے ہائی کلاسز کے اچھے نتائج اور اسکول کی مقبولیت نے بیٹھے بٹھائے مجھے ایک انوکھے مسئلے سے دو چار کردیا۔ ہوا یوں کہ ڈسٹرکٹ بورڈ کے چیرمین جناب ملک فتح محمد خاں کو بیٹھے بٹھائے کیا سوجھی کہ انہوں نے اسکول کے ہائی کلاسز کو توڑنے کا فیصلہ کیا، غالباً وہ کلاسز کو اپنے موضع میں منتقل کرنا چاہتے تھے خدا جانے یہ بات انہوں نے خود سوچی تھی یا کسی نے انہیں سجھائی تھی۔ چونکہ وہ ڈسٹرکٹ بورڈ کے چیرمین تھے اس لئے اس بات کا قوی اندیشہ تھا کہ وہ اپنے اثر و رسوخ اور منصب کی وجہ سے اس تجویز کو عملی جامہ پہنا سکتے ہیں۔ میں نے اس تجویز کی ڈٹ کر زبردست مخالفت کی۔ شہر کے معززین کا اجلاس بلایا، اس تجویز کے ممکنہ مضر اثرات کی جانب ان کی توجہ مبذول کرائی اور احتجاجی قرارداد منظور کرائی۔ اس تجویز کے خلاف زمینداروں سے صوبے کے گورنر اور وزیرِ تعلیم کے نام تار بھجوائے، شہر میں جلوس نکلوایا اور مکمل ہڑتال کرائی اخبارات میں کبھی خبروں اور مراسلوں اور کبھی مضمون کی شکل میں اس کے خلاف زوردار مہم چلائی۔ وزیرِ تعلیم، محکمۂ تعلیمات کے ڈائریکٹر اور انسپکٹر کے پاس علاقے کے معززین اور سربرآوردہ حضرات کا وفد بھجوایا۔ ان سب کوششوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ ملک فتح محمد خاں کو ہتھیار ڈالنا پڑے اور اپنا فیصلہ واپس لینا پڑا۔ انہیں یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ سارے ایجی ٹیشن کے پیچھے میرا ہاتھ ہے انہوں نے وقتی طور پر تو پسپائی قبول کرلی لیکن مجھے نقصان پہنچانے کے درپے ہوگئے۔

اصول پرستی وبالِ جان بن گئی

میرا اصول تھا کہ سالانہ امتحان کے نتیجے کا اعلان کرنے کے بعد کسی فیل شدہ طالبِ علم کے بارے میں کوئی سفارش قبول نہیں کرتا تھا خواہ وہ سفارش کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو۔ ایک مرتبہ نتیجے کا اعلان ہو جانے کے بعد ڈسٹرکٹ بورڈ کے چیرمین صاحب نے دو فیل شدہ طالبِ علموں کو پاس کردینے کے لئے پرزور سفارش کی۔ میں نے اپنے اصول کے مطابق ان کی سفارش پر عمل نہیں کیا۔ اس بات نے بھی ان کی ناراضگی میں مزید اضافہ کردیا۔

میاں غلام دستگیر صاحب مقامی زمیندار این۔ اے۔ سی حویلی کے نامزد ممبر تھے۔ اس سے قبل وہ آنریری سیکریٹری رہ چکے تھے۔ ان کی دلی خواہش تھی کہ انہیں وائس چیرمین منتخب کرلیا جائے لیکن میں چاہتا تھا کہ یہ عہدہ کسی مہاجر ممبر کو ملنا چاہیئے۔ خان محمد عثمان، خان عبدالغفور خاں ایم۔ او، انچارج ڈسپنسری اور میں کمیٹی کے نامزد ممبر تھے۔ اجلاس ہوا تو میرا نام تجویز ہو گیا اور میں کمیٹی کا وائس چیرمین منتخب ہو گیا۔ اس منصب پر میرا انتخاب میاں غلام دستگیر صاحب کو ناگوار گذرا۔ انہوں نے ملک فتح شیر خاں چیرمین ڈسٹرکٹ بورڈ کے پاس میری شکایت کردی۔ میرے خلاف اس شکایت نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ ملک صاحب کی مجھ سے ناراضگی کی یہ تیسری وجہ بھی پیدا ہو گئی۔ اب انہوں نے میرے خلاف کارروائی کرنے کا فیصلہ کیا۔ بقول کسے " قصور ڈھونڈ کے پیدا کئے جفا کے لئے۔ " اب وہ مجھے کسی نہ کسی طرح زک پہنچانے میں سرگرداں رہے۔ انہیں میرے خلاف کوئی اور بات تو نہیں ملی کیونکہ اسکول مسلسل ترقی کررہا تھا اور نتائج ہر سال بہتر ہوتے جارہے تھے اسکول کی دیگر تعلیمی و غیر تعلیمی سرگرمیاں قابلِ رشک تھیں جن کا چرچا ذمے دار سرکاری افسر اور معززین شہر کرتے رہتے تھے۔ اسی وجہ سے زمیندار اور سرکردہ افراد

اسکول کی عمارت کی توسیع اور مسجد کی تعمیر کے لئے فراخ دلی سے عطیات دے رہے تھے ۔ جب ملک فتح شیر خاں صاحب چیرمین ڈسٹرکٹ بورڈ کو میرے خلاف کوئی ٹھوس شکایت نہ ملی تو انہوں نے اس بات پر مجھ سے جواب طلبی کرتے ہوئے لکھا کہ آپ ڈسٹرکٹ بورڈ کے ملازم ہیں ، آپ نے میری اجازت حاصل کئے بغیر ٹاؤن کمیٹی حویلی کی ممبرشپ اور وائس پریذیڈنٹ شپ کیوں قبول کی ۔ کیوں نہ آپ کو ملازمت سے برخواست کردیا جائے ۔ حسن اتفاق سے ان دنوں مخدومی صاحب ملتان کے ڈویژنل انسپکٹر تھے ۔ وہ میرے اسکول کا سالانہ معائنہ کر چکے تھے اور میرے کام سے بہت زیادہ متاثر تھے ۔ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کافی ہوتا ہے ۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور چیرمین صاحب کی ناراضگی کی تمام وجوہ تفصیل سے بیان کیں ۔ انہوں نے بڑی توجہ سے میری گزارشات سماعت فرمائیں ۔ جواب طلبی کی پوری حقیقت اور پس منظر سے واقف ہو گئے ۔ وہ نہایت دھڑلے والے ، جرأت مند اور قابل افسر تھے ۔ میری نہ صرف دل جوئی کی بلکہ بڑی حوصلہ افزائی بھی کی ۔ انہوں نے فرمایا آپ اس پسماندہ علاقے میں تعلیم کی توسیع و فروغ کے لئے نیز دیگر سماجی خدمات کے سلسلے میں مفید ترین کام کررہے ہیں ۔ مطلق پریشان نہ ہوں اور اپنے کام کو جاری رکھیں ۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھیں ، انشاءاللہ آپ کو کسی قسم کا کوئی نقصان نہیں پہنچے گا ۔ البتہ وائس پریذیڈنٹ شپ سے مستعفی ہوجائیں کیونکہ یہ ایگزیکیٹو پوسٹ ہے اور ملازم کی حیثیت سے آپ یہ پوسٹ پیشگی منظوری کے بغیر قبول نہیں کرسکتے لیکن آپ ممبر رہ سکتے ہیں کیونکہ بحکم گورنر بلحاظ عہدہ این ۔ اے ۔ سی کے ممبر ہیں ۔ چنانچہ میں نے ان کے مشورے پر عمل کیا ۔ ادھر مخدومی صاحب نے کمشنر کو رپورٹ کردی کہ چیرمین ڈسٹرکٹ بورڈ ساہیوال تعلیمی معاملات میں ناجائز مداخلت کررہا ہے کمشنر نے ملک صاحب سے جواب طلبی کر لی ۔ چیرمین صاحب بھاگے بھاگے میرے پاس آئے ۔ انہوں نے از خود مجھ سے صلح کر لی اور مجھے کمیٹی کے وائس چیرمین

کا عہدہ برقرار رکھنے کی بھی اجازت دے دی ۔ اس واقعے سے اور کمشنر کی طرف سے ان سے جواب طلبی کی وجہ سے ان کی نظروں میں میرا وقار بھی بڑھ گیا ۔ اس واقعے سے میرے اس یقین میں مزید پختگی آ گئی کہ جو شخص اصول پر قائم رہے ، حق و صداقت کے دامن کو مضبوطی سے پکڑے رہے اور جرأت و حوصلے کے ساتھ اپنے جائز اور معقول موقف پر ڈٹا رہے تو کامیابی اس کے قدم ضرور چومتی ہے ۔ اس کا وقار دونوں جہاں میں بلند ہوتا ہے اور اس کی دنیا اور آخرت دونوں سنورتی ہیں ۔ تکلیفوں سے بھی دو چار ہونا پڑتا ہے ، مصائب بھی جھیلنا پڑتے ہیں اور قربانیاں بھی دینا پڑتی ہیں مگر یہ سب عارضی ہوتی ہیں ۔ بااصول ان قربانیوں اور اصول پرستی کی بھٹی سے نکل کر نکھرتا اور ابھرتا ہے اور بلند مقام حاصل کرتا ہے ۔ یہ ہے وہ سبق جو میں نے زندگی میں جدوجہد سے سیکھا ہے ۔

ایک اور آزمائش

تھانہ بھون ضلع مظفرنگر صوبہ یوپی (انڈیا) میں ہماری مزروعہ اراضی تھی لیکن نقل جمعبندی یا فرد پٹواری میرے پاس موجود نہیں تھی ۔ ساری اراضی چچا نور علی کے قبضے میں تھی ۔ میں نے حلفیہ بیان داخل کر کے یہاں حویلی میں چوبیس ایکڑ اراضی الاٹ کرالی تھی ۔ یہ اراضی چاہی اور نہری تھی ۔ زمین بھی بڑی زرخیز تھی ۔ معقول پیداوار ہوجاتی تھی ۔ جس کی وجہ سے کنبے کا اچھا خاصا گزارہ ہو رہا تھا کچھ آسودگی ہو گئی تھی ۔ یہ اراضی پانچ سال تک ہمارے پاس رہی ۔ جب تک بیگم امت الرحمن حیات رہیں اراضی ہمارے پاس رہی ان کی وفات کے بعد ٹوٹ گئی ۔ وجہ یہ ہوئی کہ میرے چچا ہندوستان ہی میں رہنا چاہتے تھے ، وہ اپنی اراضی اور ہماری اراضی ملا کر اپنا گذر اوقات کر سکتے تھے ۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ فاقوں مریں اس لئے میں نے اپنی اراضی پاکستان منتقل کرانے کی درخواست نہیں دی اور جو اراضی

یہاں الاٹ کرائی تھی اس کا قبضہ چھوڑ دیا ۔ میری حالت پہلے کی بہ نسبت خاصی بہتر ہو چکی تھی ۔ میں اس اراضی کے بغیر بھی گذارہ کر سکتا تھا ۔ بہرحال اس اراضی سے جو آمدنی مجھے ہو جاتی تھی میں اس سے محروم ہو گیا تھا ۔ مگر جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے کہ میرا گذر بسر مذکورہ اراضی کے بغیر ہو رہا تھا مگر میرے ایک "کرم فرما" نے ایک نئی پریشانی سے دوچار کرنے کی کوشش کی ۔ میرے اسٹاف میں ایک ٹیچر محمد علی تھے جو نہایت بے پروا، غیر ذمہ دار، آرام طلب اور فطرتاً بڑے متمرد تھے ۔ ان کے غیر ذمے دارانہ رویے کا اثر دوسرے اساتذہ پر بھی پڑ سکتا تھا اس لئے میں نرمی سے سمجھاتا اور فرائض کو ذمے داری سے ادا کرنے کی ترغیب دیتا لیکن جب یہ محسوس کرتا کہ سیدھی انگلی گھی نہیں چڑھ سکتا تو پھر میں سختی سے انہیں سرزنش کرتا ۔ جیسا کہ عموماً نکمے اور کام چور افراد کی عادت ہوتی ہے وہ اپنی اصلاح کرنے کے بجائے سازشیں کرنا شروع کر دیتے ہیں ۔ چنانچہ انہوں نے بھی راہِ راست اختیار کرنے اور ذمے داری سے اپنے فرائض انجام دینے کے بجائے ڈسٹرکٹ بورڈ کے ایک آرائیں ممبر چوہدری عبدالکریم سے میرے خلاف ایک بے بنیاد شکایت کر کے میرے گریڈ کے متعلق انکوائری کروادی ۔ انکوائری کمیٹی ، صدر ، سیکریٹری اور مینجر پر مشتمل تھی ۔ مجھے انکوائری کمیٹی کے روبرو پیش ہو کر صفائی پیش کرنے کو کہا گیا ۔ میں نے سابقہ اسلامیہ ہائی اسکول میں اپنے گریڈ کے بارے میں دستاویزی ثبوت پیش کر دیئے ۔ اس کے برعکس، چوہدری عبدالکریم میرے خلاف کوئی ثبوت پیش نہ کر سکے ۔ انہوں نے کمیٹی کو بتایا کہ انہیں ماسٹر محمد علی نے گمراہ کیا تھا اور معلومات فراہم کی تھیں ۔ چنانچہ میرا گریڈ بحال رکھا گیا اور مسٹر محمد علی کو وارننگ دے دی گئی ۔ بات یہیں ختم نہیں ہوئی بلکہ اسٹاف میں بعض ٹیچر ایسے بھی شامل ہو گئے تھے جو اسکول کے نظم و ضبط کو تباہ کر رہے تھے ۔ میں نے جب انہیں روکا ٹوکا اور اس قسم کی تخریبی کارروائیوں سے باز رکھنے کی کوشش کی تو انہوں نے میرے خلاف ایک پارٹی بنالی ۔

ان میں ایک ٹیچر عبدالقیوم خاں پی ۔ ٹی ۔ آئی تھے جو طالب علموں کی جسمانی تربیت کے معیار کو اپنی بے پروائی اور آرام طلبی کی وجہ سے پست کر رہے تھے ۔ وہ اکثر و بیشتر شام کے وقت کھیلوں کی نگرانی کے لئے نہ جاتے ۔ کھلاڑی ایک دوسرے سے لڑ بھڑ کے واپس آجاتے ۔ جب ان سے ذمے داری اور ایمانداری سے ڈیوٹی انجام دینے کے لئے کہا جاتا تو وہ جواب میں فرماتے کہ اچھی کارکردگی دکھانے سے مجھے کوئی ڈی ۔ سی نہیں لگا دے گا ۔ وہ اسپورٹس کے سامان کے بھی انچارج تھے ۔ اسکول کا اچھا اسپورٹس کا سامان مقامی دکان داروں کے ہاتھ فروخت کر دیتے اور نکما خارج شدہ سامان خانہ پری کے لئے اسٹاک رکھ دیتے ۔ میں ان سے اس لئے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا کہ وہ نہ صرف اسکول پر ایک بھاری بوجھ تھے بلکہ کھلاڑی طالب علموں میں نظم و ضبط کی حالت روزانہ بد سے بدتر ہوتی جارہی تھی ۔ دوسرے ٹیچر مولوی محمد امین ایس ۔ وی تھے ۔ ان کا تعلق مشہور لکھوی خانوادے سے تھا ۔ شکل و شباہت مولویانہ تھی لیکن اعمال بلکہ کرتوت خبیثانہ تھے ۔ گویا وہ اس شعر کی عملی تفسیر تھے

سیرت کو دیکھئے تو سراپا فریب و مکر
صورت کو دیکھئے تو یہ کچھ جانتے نہیں

چونکہ میں اس خاندان کا دل سے معتقد تھا اس لئے انہیں بھی میں نے ان کے بزرگوں کی طرح نیک بلکہ فرشتہ صفت تصور کیا اور انہیں بورڈنگ ہاؤس کا سپرنٹنڈنٹ مقرر کر دیا ۔ چونکہ صوفی کرم الٰہی صاحب کا تبادلہ ہو گیا تھا اس لئے انہیں بہت زیادہ سہولتیں حاصل ہو گئیں ۔ رہائش مفت ، کھانا مفت ، سروس مفت ۔ تھوڑے ہی عرصے بعد انہوں نے کھل کھیلنا شروع کر دیا ۔ رفتہ رفتہ اپنی کینچلی اتار پھینکی اور اپنے اصلی روپ میں ظاہر ہو گئے ۔ انہیں جتنی سہولتیں اور آسائشیں ملتی گئیں ان کا پیٹ اور ان کی جیب بڑھتے گئے ۔ فنڈز میں خورد برد شروع

کردیا۔ لڑکوں سے چھیڑچھاڑ شروع کردی۔چند ایک سرپرستوں کی طرف سے بھی ان کی شیطانی حرکتوں کی شکایات موصول ہونے لگیں۔چنانچہ ان شکایات کی اپنے طور پر تصدیق کرنے کے بعد انہیں بورڈنگ ہاؤس سے علیحدہ کردیا گیا۔ یہ حضرت بھی مخالف پارٹی میں شامل ہوگئے۔

مخالف گروپ میں شامل تیسرا ٹیچر چوہدری اعجازالحق تھا۔ یہ بی۔اے، بی۔ٹی تھا اور میرا شاگرد تھا۔ طبیعت میں سرکشی اور اکھڑپن تھا۔ اس لئے میں اسے اپنے اسکول کی ملازمت میں لینے سے گریز کرتا تھا۔ اس کے والد چوہدری عبدالحق صاحب کے ساتھ میرے تعلقات دوستانہ ہی نہیں بلکہ برادرانہ تھے۔یہی وجہ تھی کہ میں ان کے مسلسل اصرار کرنے کی وجہ سے اسے اسکول کے اسٹاف میں شامل کرنے پر رضامند ہوگیا۔ کچھ عرصے تک تو صحیح رہا لیکن پھر فطری تقاضوں کی بنا پر سرکشی پر اتر آیا۔جماعت میں سگریٹ نوشی، تعاون سے گریز اور ڈیوٹی سے فرار اس کا روزمرہ کا معمول بن گیا۔ مخالف ٹولے کی صحبت اور ہم جلیسی نے اس کو کھل کر میری مخالفت کرنے پر آمادہ کردیا اور باغی ٹولے نے اپنا آلۂ کار بنا کر مجھ پر قاتلانہ حملہ کرنے پر بھی آمادہ کرلیا۔ میں نے ان کے والد کو بلا کر تمام واقعات سے آگاہ کیا۔ اس کے والد نے اسے بہت سمجھایا بجھایا اور غلط روش کو ترک کرنے پر زور دیا لیکن وہ باپ کی نصیحت بلکہ حکم کو بھی نظرانداز کرکے اپنی باغیانہ روش پر گامزن رہا اور اپنے والد سے بھی باغی ہوگیا۔

ایک دن تقریباً نو بجے صبح میں دفتر میں اکیلا بیٹھا ہوا اخبار پڑھ رہا تھا کہ یہ شخص پستول یا چھرے سے مسلح ہوکر دفتر میں داخل ہوا۔ اسلحہ قمیص کے نیچے چھپایا ہوا تھا۔ نہایت گستاخانہ انداز میں مجھ سے مخاطب ہوا۔ اس کے دوسرے دو ساتھی دفتر کے باہر منڈلا رہے تھے اور بھیانک نتیجے کا بےچینی سے انتظار کررہے تھے۔ میں نے اس کے خطرناک ارادوں کو بھانپ لیا تھا کسی قسم کے خوف یا خطرے کا اظہار

کئے بغیر میں نہایت اطمینان کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرکے دفاع کے لئے ذہنی اور عملی طور پر تیار ہوگیا۔ اسی اثناء میں میاں محمد اشرف وٹو اچانک دفتر میں آگئے۔ انہیں دیکھ کر اعجاز پریشان ہوگیا۔ غالباً اسے اپنے خطرناک منصوبے کی ناکامی کا یقین ہوگیا۔ اعجاز دفتر کے دروازے پر جاکر چوکھٹ کے بالائی حصے کو پکڑ کر کھڑا ہوگیا۔ اشرف وٹو اپنی حاضری لگاکر باہر نکلے ہی تھے کہ میں بھی اعجاز کے بازو کے نیچے سے باہر نکل کر سیدھا پولیس تھانے پہنچا اور ایس۔ایچ۔او کو سارا واقعہ اور اس کا پس منظر تفصیل سے بیان کردیا۔ اس نے فوراً اعجاز کو طلب کرلیا۔ وہ اپنے ہمراہ اپنے والد اور مولوی عبیداللہ جلال آبادی کو لے کر تھانے میں حاضر ہوگیا۔ تھانیدار نے اسے بہت سخت سست سنائی اور بےحد شرمندہ کیا۔ تھانیدار رپٹ درج کرنے لگا تو معززین نے مداخلت کرکے اعجاز سے معافی منگوادی۔ لیکن اس طرح میرا اطمینان نہ ہوا۔ مجھے شبہ تھا کہ وہ اپنی عادت سے مجبور ہوکر پھر شرارت کرے گا لہذا میں نے اس کے ممکنہ شر سے بچنے کے لئے ایک رپورٹ ڈویژنل انسپکٹر کو ملتان اور دوسری رپورٹ ڈپٹی کمشنر کو ساہیوال کردی۔ ڈویژنل انسپکٹر اس وقت ربانی صاحب تھے۔ انہوں نے اعجاز کو ملتان طلب کرلیا۔ دونوں باپ بیٹے ملتان میں ان کے دفتر میں پیش ہوئے۔ میں بھی جا پہنچا۔ انسپکٹر صاحب نے بہت ڈانٹ ڈپٹ کی اور مجھ سے معافی منگوائی۔ اس فیصلے سے بھی میرا کلی اطمینان نہیں ہوا۔ میں ڈپٹی کمشنر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ ڈسٹرکٹ کونسل کے چیرمین بھی تھے۔ میں نے تمام ماجرا من وعن ان کو سنایا۔ انہوں نے تینوں سازشی ٹیچروں کے تبادلے کے احکامات جاری کردیئے۔ تینوں کا تبادلہ دیپالپور ہوگیا۔ وہاں کے ہیڈماسٹر صاحب نے بھی انہیں قبول نہیں کیا۔چنانچہ چند دن ہی بعد شیخ فاضل میں ان کے تبادلے کے احکامات جاری ہوگئے۔ دوماہ بھی گذرنے نہ پائے تھے کہ وہاں کے ہیڈماسٹر صاحب نے بھی انہیں اپنے اسکول میں رکھنا پسند نہ کیا اور منڈی ہیرا سنگھ میں جو

ضلع کا کالا پانی مشہور تھا ان کا تبادلہ کرا دیا۔ اب اعجاز کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ انہوں نے دوبارہ واپس آنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ چیرمین کے پاس متعدد بااثر افراد کی سفارشیں بھجوائیں۔ اس کے علاوہ میرے پاس بھی معافی تلافی کے علاوہ اپنے اسکول میں دوبارہ واپس لینے کے لئے متعدد سفارشیں بھجوائیں۔ لیکن میں زخم خوردہ تھا اور دودھ کا جلا مٹھا بھی پھونک پھونک کر پیتا ہے اس لئے دوبارہ جیتی مکھی نگلنے پر آمادہ نہ ہوا اور اس کی کوئی کوشش کامیاب ہونے نہیں دی۔ تین سال کی جلاوطنی اور قریہ قریہ بلکہ در در کی ٹھوکریں کھانے کے بعد اسے کچھ سبق حاصل ہوا پھر میرے مکان پر آ گیا۔ وہ اپنے کرتوتوں پر سخت نادم اور پشیمان تھا۔ حقیقتاً رو پڑا۔ اپنی غلطیوں اور گناہوں کا اعتراف کیا اور خلوص دل سے تائب ہوا۔ میں نے بھانپ لیا کہ یہ تبدیلی حقیقی ہے بناوٹی نہیں، منافقت نہیں ہے بلکہ اس کے دل کی آواز ہے۔ اس لئے میں نے نہایت فراخدلی سے اسے معاف کر دیا اور اسے دوبارہ اپنے اسکول میں لے آیا۔ بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ اس کی توبہ واقعی توبۃ النصوح تھی۔ قلب ماہیت ہو چکا تھا۔ اب وہ میرے بیٹوں سے بڑھ کر میرا احترام اور فرماں برداری کرنے لگا۔ واقعی میرے پسینے پر اپنا خون بہانے کے لئے دل سے تیار تھا۔ اب اس کی دنیا بھی سدھر گئی اور آخرت بھی۔ نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ اپنے اہل و عیال میں زندگی بسر کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ظلمت و تیرگی سے نکال کر نور ہدایت عطا فرمایا۔ نماز کا پابند ہو گیا ہے اور اس نے چہرے پر داڑھی بڑھا کر اپنے چہرے کو منور کر لیا ہے۔ سچ ہے یضل من یشاء ویھدی من یشاء۔

میاں نور الصمد صاحب رئیس بنگہ صالح سے بھی قبلہ حکیم قادر بخش صاحب مرحوم کی معرفت میرا تعارف ہوا وہ بھی باحوصلہ اور دیندار رئیس تھے۔ انہوں نے بھی مسجد کی تعمیر میں میرا ہاتھ بٹایا۔ انجمن سرپرستان طلبائے حویلی کے خزانچی شیخ علی حاکم صاحب مرحوم نے بڑی توجہ اور دلچسپی کے ساتھ مسجد کی تعمیر کا کام شروع کرایا۔

اور تقریباً پانچ چھ سال کے عرصے میں مسجد پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ اب یہاں سارے اساتذہ اور طالب علم موسم سرما میں نماز ظہر باجماعت ادا کرتے ہیں۔ اکثر میں خود امامت کے فرائض انجام دیتا۔ بورڈرز پانچوں وقت کی نماز باجماعت ادا کیا کرتے مسجد کی صفائی، مسجد کے سامان کی فراہمی وغیرہ کی دیکھ بھال کے لئے ایک نماز کمیٹی بنادی گئی جو نماز میں بورڈرز کی حاضری اور شرکت کی ذمے دار بھی تھی۔ رمضان المبارک کے مہینے میں مسجد میں بڑی رونق اور چہل پہل رہتی۔ مسجد کی انتظامی کمیٹی کی طرف سے تمام بورڈرز کی سحری اور افطار کا باقاعدہ اور بہت اچھا انتظام تھا۔ اسکول کے ایک طالب علم حافظ محمد بشیر تراویح میں قرآن شریف سنایا کرتے تھے۔ مسجد کے لئے تقریباً پندرہ ہزار روپے جمع کئے گئے تھے جو انجمن سرپرستان طلبائے حویلی کے خزانچی شیخ حاکم علی کے پاس جمع کرا دیئے گئے تھے اور انہی کی معرفت تعمیر پر خرچ ہوئے۔ انہوں نے آمد و خرچ کا باقاعدہ حساب رکھا ہوا تھا۔ یہ مسجد صرف ادائیگیٔ نماز کا کام نہیں دیتی تھی بلکہ یہاں اسلامیات کے مضمون اور ناظرۂ قرآن کی تدریس بھی ہوتی تھی۔ علاوہ ازیں عربی مضمون کی کلاسیں بھی مسجد میں لگتی تھیں۔ اس طرح یہ مسجد عبادت گاہ بھی تھی اور دینیات اور عربی کی درسگاہ بھی تھی۔

مجھے چند ایک اساتذہ بڑے اچھے اور مخلص مل گئے تھے۔ ان میں سے ایک عبداللطیف تھے جو ان ٹرینڈ بی۔اے تھے۔ یہ ریاست بہاولپور سے آئے تھے۔ نہایت محنتی، بڑے زیرک، حساس اور دیانت دار تھے۔ انہیں اپنے کام سے عشق تھا دوسرے ٹیچر عبدالشکور تھے۔ یہ بھی ان ٹرینڈ بی۔اے تھے لیکن بہت قابل، محنتی اور بڑے وفادار تھے۔ ڈیوٹی کو ڈیوٹی ہی نہیں بلکہ عبادت سمجھ کر ادا کرتے تھے۔ یہ دونوں لائق اور محنتی اساتذہ کچھ عرصے میرے پاس رہے۔ بی۔ٹی کی ٹریننگ حاصل کرنے کے بعد گورنمنٹ سروس اختیار کر لی۔ اسی طرح مولوی محمد عبیداللہ صاحب

مولوی فاضل او۔ٹی عربی ٹیچر بھی نہایت مخلص، متدین اور وفاشعار مدرس تھے۔ وہ اپنے فرائض نہایت محنت و جانفشانی اور فرض شناسی کے جذبے کے تحت انجام دیتے تھے۔ ان کا نتیجہ ہمیشہ سو فیصدی رہتا تھا۔ وہ پنجاب ٹیچرز یونین ساہیوال کے جنرل سیکریٹری بھی رہے انہوں نے اس حیثیت سے بڑی گراں قدر خدمات انجام دیں۔ ہمیشہ اجتماعی مفاد کے لئے سرگرمی اور خلوص دل سے جدوجہد کرتے رہے۔ عالم شباب ہی میں اس دارفانی سے عالم جاودانی کی طرف کوچ کر گئے

اللہ مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور ان کی قبر کو اپنے نور سے منور فرمائے۔ آمین۔

میرے ایک اور رفیق کار بھی بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ ان کا اسم گرامی چوہدری رفیع الدین تھا اور ڈرائنگ ٹیچر تھے۔ نہایت محنتی اور بڑے مخلص کارکن تھے۔ ان کے مضمون کا نتیجہ بھی ہمیشہ سو فیصد رہتا تھا۔ یہ اپنے فن کے ماہر تھے۔ ہرسال افسران بالا معائنے کے بعد ان کی سند پر ہمیشہ "Good" کا ریمارک دیتے تھے۔ اچانک ان پر فالج کا حملہ ہوا جس سے وہ جانبر نہ ہوسکے اور خالق حقیقی سے جا ملے۔ اللہ تعالیٰ انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے ان کے پسماندگان کی گذر بسر کا کوئی ذریعہ موجود نہ تھا اس لئے ان کے لڑکے نصیر احمد کو جو زیادہ پڑھا لکھا نہ تھا اسکول میں بطور چپراسی لگا لیا تھا تاکہ مرحوم کے پسماندگان فاقہ کشی سے محفوظ رہیں۔ میرے یہ رفقائے کار ایسے تھے کہ جن کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ میں اس معاملے میں بالعموم خوش قسمت رہا ہوں کہ میرے بیشتر رفقائے کار، لائق و فائق، اپنے مضامین میں ماہر، انتہائی محنتی اور وفادار تھے۔ جنہیں طلباء کی فلاح و بہبود اور اسکول کی نیک نامی کا ہمیشہ خیال رہا۔ انہوں نے ہمیشہ ذاتی مفادات پر اجتماعی مفادات کو ترجیح دی جس کی وجہ سے مجھے نسبتاً زیادہ دلجمعی سے کام کرنے کا موقع ملا

اور اپنے اسکول کا معیارِ تعلیم بلند کرنے، اسکول کی نیک نامی میں اضافہ کرنے، طلباء کی ذہنی، جسمانی اور اخلاقی تربیت کرنے پر بھرپور توجہ مرکوز کرسکا۔

تعلیم میں بلیک مارکٹنگ کا آغاز

جس طرح آسمان پر سعد ستاروں کے ساتھ کچھ منحوس ستارے بھی ہوتے ہیں یا ہر گلے میں کچھ کالی بھیڑیں بھی ہوتی ہیں اسی طرح تقریباً ہر ادارے میں اچھے، مخلص اور دیانت دار کارکنوں کے ساتھ چند ایک بدطینت کارکن بھی ضرور ہوتے ہیں۔ اس کلیے سے میرا اسٹاف بھی مستثنیٰ نہیں تھا۔ جہاں مجھے بالعموم دیانت دار، محنتی، مخلص اور اہل رفقائے کار نصیب ہوئے وہیں بدنام کنندہ نکونامے چند کے مصداق کچھ غلط قسم کے کارکن بھی ملے۔ میرے اسٹاف میں بھی ایسے دو ٹیچر شامل ہوگئے تھے جو بھیگی بلی کی طرح بظاہر شریف اور وفا کیش تھے لیکن خبثِ باطنی کے پیکر تھے۔ ان میں سے ایک ٹیچر ظہورالحسن بی۔اے ان ٹرینڈ تھا جو ماسٹر فضل محمد کا لڑکا تھا اور میرا شاگرد بھی رہ چکا تھا۔ دوسرا ٹیچر مولوی محمد شریف، میٹرک، منشی فاضل، او۔ٹی تھا جو منڈی ہیرا سنگھ سے میرے پاس آیا تھا۔ دونوں ٹیچروں نے ایک نیا دھندا شروع کیا تھا جس سے ہمارا اسکول قطعی ناآشنا تھا۔ دونوں مل کر نویں جماعت کے طالب علموں کو اس شرط پر پاس کرانے کا ٹھیکہ لیتے تھے کہ ان سے ٹیوشن کرائیں جس کا معاوضہ وہ سو روپے فی طالبِ علم وصول کرتے تھے۔ اس کا طریقہ یہ تھا کہ وہ سالانہ امتحان کے انگریزی اور حساب کے پرچے پہلے سے معلوم کر کے انہیں دے دیتے تھے اور امتحان کے دوران بھی ان کی مدد کرتے تھے۔ مجھے ان کی انتہائی رکیک اور قابلِ مذمت حرکت کا بروقت علم ہوگیا۔ دکھ تو بہت ہوا لیکن یہ ظاہر کرنا مناسب نہیں سمجھا کہ مجھے اس بات کا علم ہوگیا ہے کیونکہ اس امکان کو نظر انداز

نہیں کیا جاسکتا تھا کہ وہ ان کی ناجائز طریقے پر مدد کرنے کا کوئی اور راستہ نکال لیں ۔ میں نے خاموشی سے سالانہ امتحان کے پرچے تبدیل کر دیئے اور کسی کو اس کی بھنک تک نہیں دی انگریزی اور ریاضی کے پرچے خود تیار کئے کہ مبادا وہ ٹیچروں سے معلوم کر کے متعلقہ طالب علموں کو بتادیں ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ٹھیکے والے تمام طالب علم فیل ہو گئے ۔ ایک کہرام مچ گیا ۔ طالب علموں کے سرپرستوں نے ان ٹیچروں سے رقم کی واپسی کا سختی سے مطالبہ کیا ۔ نہ صرف یہ راز فاش ہو گیا بلکہ بعض طلباء کے سرپرستوں نے آکر مجھ سے شکایت کی ۔ میں نے ان دونوں ٹیچروں کو بلا کر بہت لتاڑا ۔ اس وقت تو وہ تھوڑی دیر چپ رہے پھر عذر لنگ پیش کرنے لگے ۔ انہوں نے اپنی اس حرکت پر شرمندہ ہونے کے بجائے مجھ سے انتقام لینے کی سازش تیار کی سابقہ تجربات کی روشنی میں مجھے بھی اندازہ تھا کہ وہ خاموش نہیں بیٹھیں گے بلکہ اپنی اس مستقل ناجائز آمدنی بند ہونے پر اپنی بساط کے مطابق مجھ سے انتقام لینے کی کوشش کریں گے اس لئے میں ان کی طرف سے بہت محتاط ہو گیا بلکہ ان کی خفیہ سرگرمیوں کے بارے میں معلومات حاصل کرتا رہا ۔ وہ بھی بہت ہشیار تھے ۔ انہوں نے سازش کے دائرۂ عمل میں نہ تو اسکول کے ٹیچروں کو شامل کیا اور نہ اس کی چار دیواری تک محدود کیا بلکہ اس سازش میں چند شوریدہ سر لڑکوں اور دو بدمعاشوں کو شامل کیا لیکن جسے اللہ تعالیٰ عزت عطا فرمائے اسے کوئی طاقت ذلیل نہیں کر سکتی ۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ مکروا ومکراللہ ۔ ان اللہ خیرالماکرین ۔ دسویں جماعت کے جن دو طلباء مختار اور خورشید کو اس سازش میں شامل کیا گیا تھا غیرت مند ثابت ہوئے یا ان کے ضمیر نے انہیں ملامت کی ، بہرحال وجہ کچھ ہو انہوں نے اس سازش کا پورا نقشہ کھول کر بیان کر دیا ۔

میرا لڑکا محمد اسلم خاں ، ایف ۔ اے ، ان ٹرینڈ ، اسکول میں ٹیچر تھا ۔ وہ غروبِ آفتاب کے بعد کھانے سے فارغ ہو کر باہر سیر کو نکل جاتا تھا ۔ مئی کا مہینہ تھا

سازش یہ تھی کہ یہ دو لڑکے اسلم کے ہمراہ چہل قدمی کریں اور اسے ترغیب دے کر نہر کے کنارے کنارے سیر کرتے ہوئے سلطان خاں پٹواری کی چاہی اراضی کے قریب پہنچیں تو اسے ترغیب دے کر نہر سے ملحق اس کھیت میں لے آئیں جہاں سلطان خاں کے بڑے لڑکے نے خربوزوں اور ککڑیوں (تروں) کا باڑھ لگایا ہوا تھا ۔ سلطان خاں کا یہ کھیت اڈہ بس کے قریب واقع ہے ۔ اس جگہ کے قریب ایک فلم بھی دکھائی جارہی تھی ظہور اور اشرف دو بدمعاشوں کے ساتھ فلم کے نزدیک پھرتے رہیں ۔ جب وہ دونوں لڑکے اسلم کو لے کر خربوزے توڑنے کے بہانے کھیل میں داخل ہوجائیں تو سیٹی بجادیں اور چور چور کا شور مچادیں ۔ وہ تمام گروپ مسلح ہو کر وہاں پہنچ جائے ۔ پہلے تو اسلم کی خوب پٹائی کریں اور پھر انچارج چوکی پولیس کے حوالے کر دیں جس سے وہ پہلے ہی معاملہ طے کر چکے ہوں گے ۔ میں نے ان دونوں کو خوب شاباش دی ۔ ان کی پیٹھ ٹھونکی اور سینے سے لگایا اور انہیں تھانیدار کے پاس لے گیا ۔ اس وقت ایس ۔ ایچ ۔ او چوہدری رحمت اللہ تھے ۔ وہ سازش کا منصوبہ سن کر بڑے حیران ہوئے ۔ تھانیدار صاحب نے ان بچوں سے مخاطب ہو کر کہا ۔ اگر واقعی تمہارے بیانات سچے ہیں تو انہیں سچ ثابت کر کے دکھاؤ ۔ پروگرام کے مطابق اس پوری اسکیم کو عملی جامہ پہناؤ ۔ میں اپنے ساتھیوں کے ہمراہ فلم کے مرکز کے قریب موجود رہوں گا ۔ شور سنتے ہی موقعے پر پہنچ جاؤں گا ۔ اور اگر یہ اسکیم غلط ثابت ہوئی اور تمہارے بیانات جھوٹے نکلے تو تمہیں سزا دی جائے گی ۔ لڑکوں نے اسکیم کو صحیح ثابت کرنے کی حامی بھر لی ۔ انہوں نے ایک اور لڑکے نذیر احمد کو مصنوعی اسلم بنایا ۔ سیر کے لئے نہر کے کنارے لے گئے اور باڑے میں داخل ہو گئے ۔ دو تین خربوزے توڑے پھر سیٹی بجادی ۔ دونوں ٹیچر ظہور اور اشرف اور دونوں غنڈے مسلح ہو کر وہاں پہنچ گئے اور چور چور کا شور مچادیا ۔ تھانیدار صاحب اس وقت اپنے ساتھیوں کے ہمراہ موقعے پر جاپہنچے اور پوری پارٹی کو گرفتار کر لیا ۔ تھانے میں لا کر

پہلے تو چاروں کی خوب پٹائی کی اور پھر حوالات میں بند کردیا ۔ سازش کا منصوبہ فاش ہو گیا اور مجرموں نے اپنے گناہ کا اعتراف کر لیا ۔ ماسٹر اشرف نے تو بھاری قیمت دے کر اپنا پیچھا چھڑا لیا ۔ باقی تین مجرموں کا چالان ہو گیا ۔ انہیں ہتھکڑیاں پہنا کر مجسٹریٹ پاک پٹن کے روبرو پیش کردیا گیا ۔ اور اس طرح خود آج اپنے دام میں صیاد آگیا والی بات ہو گئی ۔ چونکہ مجسٹریٹ کو حقیقتِ حال کا علم ہو گیا تھا ۔ اس لئے اس سازشی ٹولے کا چند ماہ تک پیشیاں بھگتا بھگتا کر کچومر نکال دیا ۔ میری رپورٹ پر ظہور ملازمت سے برخواست ہو گیا اور اشرف کا تبادلہ ہو گیا ۔ جب ظہور نے بی ۔ ٹی کے لئے درخواست گذاری تو پرنسپل سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور نے میری رپورٹ پر داخلہ دینے سے انکار کردیا ۔

یہ سچ ہے کہ نیک کام کرنے والے کی راہ میں شیطان بڑی بڑی رکاوٹیں کھڑی کردیتا ہے لیکن اگر نیکو کار صبر و استقلال کے دامن کو مضبوطی سے تھامے رکھے تو اللہ تعالیٰ ان رکاوٹوں کو مسمار کر کے اس کے لئے راستہ صاف کردیتے ہیں ۔

ہل جزاء الاحسان الاحسان

پنجاب ٹیچرز یونین کی صدارت

تقسیم ہند سے پہلے پنجاب ٹیچرز یونین ، بورڈ کے اساتذہ کی ایک نمائندہ اور سرگرم عمل جماعت تھی جس کا وجود تقسیم کے بعد بھی قائم رہا ۔ لیکن یہ یونین اب ایک جسدِ بے روح کے مانند ہو گئی تھی ۔ بورڈ ٹیچرز یونین ضلع ساہیوال اسی جماعت کی ضلعی شاخ تھی ۔ اس کی حیثیت ہرچند کہیں کہ ہے نہیں ہے کے مانند تھی ۔ میں نے ڈسٹرکٹ بورڈ ہائی اسکول کا چارج سنبھالنے کے بعد اس جماعت کی مجلس عاملہ کے اجلاسوں میں باقاعدگی سے جانا شروع کیا ۔ میں نے شدت سے محسوس کیا کہ جماعت میں روح مفقود ہے ۔ نشستند و گفتند و برخواستند والا معاملہ تھا ۔ چونکہ اساتذہ کے مسائل حل نہیں ہورہے تھے اس لئے اساتذہ نے اس کی سرگرمیوں اور کارروائیوں میں حصہ لینا چھوڑ دیا تھا ۔ کئی اجلاس کے بعد میں نے محسوس کیا کہ ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی ، اس مردے کو زندہ کیا جائے اور اسے فعال بنا جائے ۔ جماعت کی اہمیت اور افادیت کو تو سب ٹیچر محسوس کرتے تھے کیونکہ ان کے حل طلب مسائل بڑھتے جارہے تھے جنہیں اجتماعی جد و جہد ہی سے حل کرنا ممکن تھا مگر سوال یہ تھا کہ بلی کے گلے میں گھنٹی کون ڈالے ، کیونکہ مردہ جماعت میں روح پھونکنے کی بجائے نئی جماعت قائم کرنا اور اسے فعال بنانا زیادہ آسان ہوتا ہے اس لئے کوئی شخص اس بھاری پتھر کو اٹھانے کی جرأت نہیں کرتا تھا اسے ہاتھ لگا کر یا اسے چھو کر چھوڑ دیتا تھا ۔ میں نے چند مخلص دوستوں سے صلاح و مشورہ کیا ۔ جو ساتھی ڈھل مل یقین تھے ان میں عمل کی روح پھونکی اور بیشتر کو اپنا ہمنوا بنایا اور اسے زندہ کرنے اور سرگرم عمل بنانے کا عزم بالجزم کیا ۔ بقول میر

سب پہ جس بار نے گرانی کی

اس کو یہ ناتواں اٹھا لایا

چنانچہ آئندہ سال جب ضلعی ٹیچرز یونین کا ساہیوال میں سالانہ اجلاس ہوا تو میرے جوش و جذبے کو دیکھتے ہوئے میرے احباب نے صدارت کے لئے میرا نام تجویز کر دیا اور چند ایک دوستوں نے اس تجویز کی پرزور تائید کی۔ لہذا میں آئندہ سال کے لئے پنجاب ٹیچرز یونین ضلع ساہیوال کا بلامقابلہ منتخب ہو گیا۔ منصب صدارت قبول کرنے اور کام کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ یہ منصب پھولوں کی سیج نہیں بلکہ کانٹوں کا بستر ہے مگر میں نے بھی یہ سوچ کر کہ

ہرچہ بادا باد ما کشتی در آب انداختیم

اب میرے سر پر بہت بڑی ذمے داری آن پڑی لیکن میں نے مشکلات سے گھبرانا نہیں بلکہ مشکلات و مسائل پر قابو پانا سیکھا تھا اس لئے میں اس اضافی ذمے داری کو بحسن و خوبی انجام دینے کی فکر میں لگ گیا اور اپنے رفقائے کار کا انتخاب کیا۔ میں نے مولوی محمد عبیداللہ مرحوم کو جو میرے اسکول میں عربی ٹیچر تھے، جنرل سیکریٹری نامزد کر دیا۔ چوہدری محمد ابراہیم صاحب میرے سینئر نائب صدر منتخب ہو گئے۔ میں نے پورے ضلع سے مخلص اور سرگرم عمل ساتھیوں کو چن کر اپنی کابینہ بنالی جو ضلعی مجلس عاملہ کہلاتی تھی۔ اس کے بعد ضلع کی چاروں تحصیلوں کے دورے کئے اور ہر تحصیل میں ایک ایک صدر عام انتخاب کے ذریعے منتخب کیا۔ ہر سنٹر کا ہیڈماسٹر تحصیلی مجلس عاملہ کا ممبر ہوتا تھا اور ہر تحصیلی صدر تحصیلی مجلس عاملہ کا ممبر ہوتا تھا۔ ہر تحصیلی صدر کو ہدایت تھی کہ وہ اپنی تحصیل کا دورہ کر کے تنظیم کو مضبوط اور فعال بنائے، اساتذہ کی شکایات سنے، ان کے مطالبات کو نوٹ کرے اور اصلاح احوال کے لئے ان کی تجاویز وصول کرے۔ جو مسائل مقامی نوعیت کے ہوں انہیں اپنی ذاتی کوششوں سے مقامی طور پر حل کرے اور باقی مسائل اور تجاویز ضلعی صدر

کے پاس پہنچادے۔ جب چاروں تحصیلوں کے مسائل جمع ہو جاتے تو میں اپنی کابینہ کا اجلاس بلاتا اور ان مسائل پر غور و خوض کرنے کے لئے مجلس عاملہ کے سامنے پیش کر دیتا۔ ان مسائل کو حل کرنے کے لئے قراردادیں منظور کی جاتیں جو متعلقہ افسران کو بھیج دی جاتیں۔ بعض ایسے مسائل جو محض ذاتی اور بالمشافہ گفت و شنید سے حل ہو سکتے تھے انہیں پیش کرنے کے لئے مجلس عاملہ میں سے تین یا چار ممبروں کا ایک وفد تشکیل کیا جاتا جو ڈسٹرکٹ انسپکٹر مدارس، سیکریٹری ڈسٹرکٹ بورڈ اور ڈپٹی کمشنر سے ملاقات کے لئے وقت لے کر ان سے ملتا اور متعلقہ مسائل حل کراتا۔ صوبائی سطح پر حل طلب مسائل کو صوبائی مجلس عاملہ کے سامنے پیش کرتا اور ان کا حل تلاش کرنے کے لئے جدوجہد کرتا۔ وقتاً فوقتاً ساہیوال، چیچہ وطنی، اوکاڑہ، پاک پتن، عارف والا، بصیرپور، دیپالپور اور حویلی میں علاقائی اجلاس منعقد کئے جاتے اور اساتذہ کو صوبائی اور ضلعی یونین کی سرگرمیوں سے آگاہ کیا جاتا۔ ان سے آپس میں مکمل اتحاد و اتفاق کی اپیل کی جاتی۔ فرائض منصبی کو بحسن و خوبی انجام دینے کی جانب ان کو توجہ مبذول کرائی جاتی۔ طالب علموں کے اخلاق و کردار کی تعمیر کے لئے تاکید کی جاتی اور اچھی کارکردگی کے سرٹیفکیٹ تقسیم کر کے محنتی اور مخلص کارکن اساتذہ کی حوصلہ افزائی کی جاتی۔ اساتذہ کے آپس کے اختلافات اور تنازعات کو مذاکرات کے ذریعے اطمینان بخش طریقے پر بحسن و خوبی رفع کر دیا جاتا۔ ضلعی ٹیچرز کے سالانہ اجلاس میں ضلع کے پانچ چھ اساتذہ بڑی سرگرمی سے حصہ لیتے۔ اس اجلاس کے دو سیشن ہوتے۔ پہلے سیشن کی صدارت کے لئے بعض دفعہ ڈپٹی انسپکٹر مدارس کو اور بعض دفعہ ضلع کے ڈپٹی کمشنر کو اور بعض دفعہ صوبائی وزیر تعلیم کو مدعو کیا جاتا۔ ان کے سامنے اساتذہ کے حل طلب مسائل پیش کئے جاتے جنہیں حل کرنے کے لئے صدر جلسہ اپنے بھرپور تعاون کا یقین دلاتے۔ اس طرح ضلع کے اساتذہ میں اپنی یونین سے سرد مہری اور بے دلی ختم ہو گئی اب وہ یونین کی تنظیم

اور اس کی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے لگے اور ان کے حوصلے بلند ہو گئے ۔
تنظیم کو فعال اور سرگرمِ عمل بنانے کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ ایک طرف اساتذہ میں عمل اور اپنی کارکردگی بڑھانے کا ایک نیا جذبہ پیدا ہو گیا اور دوسری طرف اساتذہ کے ایک عرصے سے حل طلب مسائل جلد از جلد حل ہونے لگے ۔ انہیں وقت پر سالانہ ترقیاں ملنے لگیں ۔ بقایا جات کی جلد از جلد ادائیگی ہونے لگی ۔ مستحق اساتذہ کو سلیکشن گریڈ باقاعدگی سے ملنے لگے ۔ اس کے علاوہ اساتذہ ، کلرکوں کی اور دفتری دھاندلیوں اور اندھیر نگریوں سے محفوظ ہو گئے جس کی وجہ سے ان میں یہ احساس تیزی سے بڑھنے لگا کہ وہ ایک معزز اور قابل احترام پیشے سے وابستہ ہیں ۔ اس سے پہلے دفتری کلرک ان کی جائز شکایات اور مطالبات کے سلسلے میں ان کو مہینوں جھلاتے ، دفتر کے چکر لگواتے اور ان کے دلوں پر اپنی حاکمیت اور برتری کا سکہ جمانے کے لئے انہیں بلاجواز تنگ کیا کرتے تھے جس کی وجہ سے اکثر اساتذہ احساسِ کمتری کا شکار ہو کر مدرسی کا پیشہ چھوڑ دیتے تھے ۔ مختصر یہ کہ یونین میں جان پڑ گئی ۔ اساتذہ یونین کے وفادار ہو گئے ان میں انفرادی سوچ اور عمل کے بجائے اجتماعی سوچ ادر عمل کی اہمیت و افادیت کا احساس و ادراک بڑھ گیا ۔ ضلعی یا صوبائی صدر کی ہر آواز پر دل و جان سے لبیک کہنے لگے ۔ یہ خودستائی نہیں بلکہ اظہارِ حقیقت ہے کہ یہ میرا ہی کام تھا کہ چار چار سال کی سروس کے سینئر انگلش اساتذہ کو سلیکشن گریڈ دلوا دیئے ۔ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا تھا کہ اساتذہ کے حقوق حاصل کرنے کے لئے مجھے سیکریٹری ڈسٹرکٹ بورڈ ، ڈپٹی انسپکٹران اور ان کے عملے سے جنگ کرنا پڑتی تھی جس کی وجہ سے وہ مجھے نقصان پہنچانے کے درپے ہو جاتے تھے ۔ ایک دفعہ شیخ ظفر علی صاحب سیکریٹری ڈسٹرکٹ بورڈ سے مذاکرات کے دوران اتنی گرما گرمی ہو گئی اور بات اتنی بڑھ گئی کہ مجھے نوٹس جاری کر دیا کہ کیوں نہ آپ کے خلاف عدالت میں ہتکِ حرمت اور ازالۂ حیثیتِ عرفی کا دعویٰ دائر کر دیا جائے ۔ میں نے اس دھمکی آمیز نوٹس

کی کوئی پروا نہیں کی اور اپنے موقف پر ڈٹا رہا ۔ جب اس چپقلش کا علم جناب اویس صاحب ڈپٹی کمشنر کو ہوا تو انہوں نے مداخلت کر کے ہماری صلح کرا دی ۔

***
***
***

اساتذہ کی ہڑتال

ہڑتال ختم کرانے کے لئے رشوت کی پیشکش

اسی زمانے کی بات ہے کہ پنجاب ٹیچرز یونین نے اساتذہ کی تنخواہوں میں اضافہ کرنے اور بورڈ کے اسکولوں کو قومیانے کا مطالبہ کیا مگر متعلقہ اربابِ اقتدار نے ٹیچرز یونین کو پہلے کی طرح بے جان اور بے عمل سمجھتے ہوئے ان کے مطالبات کو درخور اعتنا نہیں سمجھا بلکہ حقارت سے رد کر دیا۔ جب مذاکرات کے ذریعے یہ مسئلہ حل نہ ہوا تو پنجاب ٹیچرز یونین نے بحالتِ مجبوری آخری حربے کے طور پر صوبہ گیر ہڑتال کا فیصلہ کیا۔ فیصلے کے بعد بھی اربابِ اقتدار ٹس سے مس نہ ہوئے اور بالآخر اساتذہ بحالتِ مجبوری ہڑتال پر چلے گئے۔ ہمارے ضلع کے بھی تمام اسکول ہڑتال میں شامل ہو گئے۔ پہلے تو نوکرشاہی یہی سمجھتی رہی کہ اساتذہ یہ انتہائی قدم نہیں اٹھائیں گے اور اگر حالات سے مجبور ہو کر اٹھا بھی لیا تو ہڑتال زیادہ نہیں چل سکے گی بلکہ چند دنوں کے عرصے میں ٹائیں ٹائیں فش ہو جائے گی۔ ڈسٹرکٹ بورڈ کے ایڈمنسٹریٹر نے ہڑتال کھلوانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ دھونس دھمکی سے لے کر ترقیوں کا لالچ دیا۔ غرض یہ کہ اس کی تخریب و تحریص، تہدید و ترہیب اور تمام دھمکیاں ناکام ہو گئیں۔ میں ٹیکسی لے کر پورے ضلع کا دورہ کرتا رہا اور اساتذہ کے حوصلے بڑھاتا رہا۔ اور انہیں اپنے جائز موقف پر ڈٹے رہنے کی ترغیب دیتا رہا جب ہتھیار ختم کرانے کے تمام آزمودہ طریقے اور ہتھکنڈے ناکام ہو گئے تو ایک شاطرانہ چال چلی گئی۔ ایڈمنسٹریٹر صاحب نے اپنے اسٹینو کو ہائی اسکول شیخ فاضل کے ہیڈ ماسٹر جناب عبدالحمید خاں صاحب اور مڈل اسکول ۶۶ / ۶۹ کے ہیڈ ماسٹر صاحب کے ہمراہ ایک بلینک چیک دے کر میرے پاس حویلی بھیجا جس پر ایڈمنسٹریٹر صاحب کے

دستخط تھے۔ مجھے چیک کے ساتھ یہ پیغام بھی زبانی بھجوایا گیا کہ آپ جتنی رقم چاہیں یونین کے لئے، اپنے لئے یا اساتذہ کی تنخواہوں کے لئے چیک پر لکھ کر بینک سے نکلوالیں اور ہڑتال ختم کرنے کی ہدایت جاری کر دیں۔ یہ لالچ معمولی نہیں تھی۔ ایسی پیشکشوں پر بڑے بڑوں کی رال ٹپکنے لگتی ہے لیکن انہیں یہ اندازہ نہیں تھا کہ ٹیچر لاکھ غربت و افلاس کے مارے کیوں نہ ہوں بڑے باشعور، صاحبِ کردار اور فرض شناس ہوتے ہیں۔ میرے دونوں ساتھی جو اسٹینو گرافر کے ساتھ آئے تھے مجھے یہ پیشکش قبول کرنے کی ترغیب دے رہے تھے۔ بہت ممکن ہے کہ وہ اوپری دل سے محض اسٹینو گرافر کے علم میں لانے کے لئے مجھے ترغیب دے رہے ہوں بہرحال آخر وقت تک وہ مجھے پیشکش قبول کرنے کا مشورہ دیتے رہے۔ میں نے اپنے ساتھیوں کو اس ہڑتال شکن سنہری پیشکش سے آگاہ کیا اور اپنے فیصلے میں ان کا صلاح و مشورہ شامل کر کے اسے اجتماعی فیصلہ بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے ان حالات میں مجھے اور میرے ساتھیوں کو ثابت قدم رکھا۔ نہ ہم اس دامِ تزویر میں پھنسے اور نہ دھمکیوں سے مرعوب ہوئے۔ میں نے ان ساتھیوں کو جو اسٹینو گرافر کے ساتھ آئے تھے اور مجھے چیک قبول کرنے کا مشورہ دے رہے تھے سختی سے جھڑکتے ہوئے کہا کہ آپ خود اس مظلوم طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ انتہائی افسوس کی بات ہے کہ آپ ہمارے ضلع کو بدنام کرانا اور صوبائی جماعت سے غداری کرا کے ہمارے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ لگوانا چاہتے ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا اور نہ ہو گا میں اور میرے ساتھی جماعت سے غداری کر کے علیحدہ کوئی سمجھوتا کرنے کو تیار نہیں حکومت کو چاہئے کہ ہماری مرکزی جماعت سے گفت و شنید کرے۔ ہم مرکز کے فیصلے کے ہر حال میں پابند رہیں گے۔ میری گفتگو کا یہ اثر ہوا کہ ان کے ہوش ٹھکانے لگے اور وہ بھی مجھ سے متفق ہو گئے۔ صاف صاف کہہ دیا کہ میں مرکز کو نظر انداز کر کے کسی قسم کی سودے بازی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ خدا کا لاکھ

لاکھ شکر ہے کہ اس نے اس آزمائش کے موقعے پر مجھے اور میرے ساتھیوں کو ثابت قدم رکھا۔

اساتذہ کی تحریک کی کامیابی

میں نے ضلعی ہیڈکوارٹر پر ایک ضلعی دفتر کھول دیا تھا جہاں ہمہ وقت ایکشن کمیٹی کے ممبر موجود رہتے تھے اور مرکزی یونین سے مسلسل رابطہ قائم رکھتے تھے۔

اساتذہ کی پرعزم جدوجہد اور ثابت قدمی کی وجہ سے ہماری اسٹرائک کامیاب ہوئی بالآخر حکومت نے مذاکرات کا سلسلہ شروع کیا۔ کافی بحث و مباحثے اور رد و قدح کے بعد حکومت نے پرائمری تعلیم اپنی تحویل میں لے لی۔ اساتذہ کی تنخواہوں اور اسکیلوں میں بھی معتدبہ اضافہ ہوا۔

صدر ایوب کے دور میں حکومت میں جمالی کوٹ کے میاں محمد یسین خاں ایڈوکیٹ وزیر تعلیم مقرر ہوئے۔ وہ میرے علاقے کے زمیندار تھے۔ ان سے میرے بہت اچھے تعلقات تھے اور میرا بڑا احترام کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے خاندان کے سارے بچے میرے شاگرد تھے۔ میاں صاحب خود بھی میرے اسکول کے اولڈ بوائے تھے اس لئے مجھے اپنے استاد کا درجہ دیتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ پنجاب ٹیچرز یونین کے صدر مولانا عبدالغفار صاحب غفاری جب بھی میاں صاحب سے ملاقات کرنے کے لئے جاتے مجھے اپنے ساتھ ضرور لے جاتے۔ یونین کے اکثر مسائل میری معرفت حل ہوجاتے۔ ایک دفعہ غفاری صاحب کے کسی اخباری بیان پر ان سے سخت برہم ہوگئے۔ غفاری صاحب بڑے دل برداشتہ تھے اور وہ سوچنے پر مجبور ہوگئے کہ ان کی وجہ سے یونین کے کاز کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ لہذا انہوں نے اپنے طور پر صدارت سے مستعفی ہونے کا فیصلہ کیا تاکہ ان کی وجہ سے یونین اور اساتذہ کے مفادات متاثر نہ ہوں۔ انہوں نے اپنے اس فیصلے کا مجھے عندیہ دیا۔ میں نے ان کے

اس فیصلے سے اتفاق نہیں کیا۔ میرے خیال میں غفاری صاحب کا صدر رہنا یونین کے مفاد میں تھا اور ان سے وعدہ کیا کہ میں میاں صاحب کی غلط فہمی دور کرنے کے لئے بھرپور کوشش کروں گا اور مجھے اللہ تعالیٰ کی ذات سے یقین ہے کہ میں اپنی کوشش میں ضرور کامیاب ہوں گا۔ میری اس یقین دہانی پر غفاری صاحب نے استعفیٰ دینے کا ارادہ ترک کردیا۔ چنانچہ میں نے تنہائی میں میاں محمد یسین خاں وزیر تعلیم سے ملاقات کی۔ مجھے ان سے تبادلۂ خیالات کرنے کے لئے تقریباً ایک گھنٹے کا موقع مل گیا۔ دوران گفتگو میں نے اساتذہ اور یونین کے مسائل کا بھی تذکرہ کیا اور ضمناً غفاری صاحب کے بارے میں میاں یسین صاحب کی تمام غلط فہمیاں بھی دور کردیں۔ نتیجتاً میاں صاحب نے غفاری صاحب کو ملاقات کرنے کا موقع دینے کا وعدہ کرلیا۔ چنانچہ میں غفاری صاحب کی زیر قیادت مرکزی یونین کے ایک وفد کو لاہور میں وزیر تعلیم میاں محمد یسین سے ملاقات کرانے کے لئے لاہور سیکریٹریٹ میں وزیر تعلیم کے دفتر لے گیا۔ میاں صاحب نے نہایت خندہ پیشانی سے وفد کو ملاقات کی اجازت دیدی۔ کھڑے ہوکر غفاری صاحب سے بغل گیر ہوئے اور وفد کے تمام ممبروں کی مشروبات سے ضیافت کی۔ تقریباً ڈیڑھ گھنٹے تک وفد کو تنہائی میں گفتگو کرنے کا موقع دیا۔ گفت و شنید کے نتیجے میں ساری غلط فہمیاں دور ہوگئیں اور وزیر موصوف نے یونین کے مسائل پر ہمدردانہ غور کرنے کا وعدہ کیا۔ جب تک میاں صاحب وزیر تعلیم رہے ہمارے صوبائی اور ضلعی سالانہ اجلاسوں کی صدارت فرماتے رہے اور ہمارے بیشتر مسائل ان کے ناخن تدبیر سے حل ہوتے رہے۔ غفاری صاحب اور یونین کے دوسرے ذمے دار اراکین کا خیال تھا کہ وزیر تعلیم سے ان ملاقاتوں اور مسائل کے حل ہونے میں میرا بڑا ہاتھ تھا۔ جب کبھی غفاری

صاحب کسی وفد کے ہمراہ مجھے نہ لے جاتے یا میں خود بعض ناگزیر مصروفیات اور مجبوریوں کے باعث وفد کے ساتھ نہ جاسکتا تو میاں صاحب سب سے پہلے یہی سوال کرتے کہ چوہدری صاحب کیوں نہیں آئے ؟

اساتذہ کے بے سہارا یتیم بچوں کے لئے فنڈ کا قیام

بہت سے اساتذہ ایسے بھی تھے جن کا تنخواہ کے علاوہ آمدنی کا کوئی دوسرا ذریعہ نہیں تھا ۔ اساتذہ کی تنخواہیں بھی اتنی قلیل ہوتیں کہ گذر بسر بھی بہت مشکل سے ہوتا تھا ۔ ایسے حالات میں بچت کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا ۔ ایسے اساتذہ جن کی آمدنی کا واحد ذریعہ قلیل ماہانہ تنخواہ ہوتی تھی ، ان میں سے اگر کسی کا انتقال ہو جاتا تو اس کے پسماندگان پر ایک قیامت ٹوٹ پڑتی ۔ ان کی تعلیم و تربیت کے اخراجات تو کجا دو وقت کی روٹی کی فراہمی بھی ایک بڑا مسئلہ بن جاتی تھی ۔ میں نے ضلعی یونین میں ایک فنڈ کھولا ہوا تھا جس میں سے ان یتیم بچوں کو ماہوار وظائف دیئے جاتے تھے تاکہ وہ اپنی تعلیم جاری رکھ سکیں ۔ میں نے اپنے دور صدارت میں تقریباً پینتالیس یتیم بچوں کو وظائف جاری کئے اور یہ وظائف گریجویشن تک جاری رہے ۔ اس کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا بلکہ اس میں توسیع بھی ہوتی رہی ۔ جن طالب علموں کو میں نے وظائف جاری کئے تھے ان میں سے کئی ایک برسر روزگار ہو گئے تھے ۔

بصیرپور ایک مردم خیز علاقہ

مولوی عبیداللہ صاحب کے انتقال کے بعد میں نے چوہدری فیض احمد ایف اے ۔ سی ٹی کو اپنا جنرل سیکریٹری نامزد کر دیا ۔ یہ نوجوان میرا ہی قدیم شاگرد تھا اور ٹریننگ حاصل کرنے کے بعد میرے اسکول میں ہی انگلش ٹیچر لگ گیا تھا ۔ اس نوجوان نے پوری تن دہی کے ساتھ میرا ساتھ دیا اور پورے جذبۂ ایثار کے ساتھ اپنے

فرائض انجام دیئے ۔ آج کل اپنے گھر بصیرپور گورنمنٹ ہائی اسکول میں تعینات ہے اور حج کی سعادت بھی حاصل کر چکا ہے ۔ جب بھی کہیں ملتا ہے نہایت ادب و احترام سے پیش آتا ہے ، اللہ تعالیٰ اس کی عمر دراز فرمائے اور اس کے جذبہ ایمانی کو قبولیت عطا فرمائے اور اسے اپنے اکلوتے بیٹے کی خوشیاں دیکھنا نصیب ہوں ۔ آمین ۔

بصیرپور کا ایک اور لڑکا محمد یسین ایس ۔ وی بھی بڑا مؤدب اور فرماں بردار تھا ۔ اب بھی جب کبھی ملتا ہے بڑی عزت و احترام سے پیش آتا ہے ۔ آج کل ریلوے میں غالباً انجینئر ہے ۔ اس نے ایم ۔ ایس سی کیا تھا ۔ اللہ تعالیٰ اُسے بھی دن دوگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے ۔ بصیرپور واقعی ایک مردم خیز علاقہ تھا اور میرے شاگردان رشید کا گڑھ تھا ۔ کس کس کا ذکر کروں ۔ نہ اتنی گنجائش ہے اور نہ اتنا وقت ہے ۔ میری دلی خواہش ہے کہ میرے تمام شاگرد اور یونین کے رفقائے کار مجھے آخری آرام گاہ تک پہنچانے کے لئے کندھا دینے کے لئے جمع ہوجائیں اور مجھے سپردِخاک کرنے کے بعد روزانہ نمازِ فجر کے بعد کم از کم ایک رکوع تلاوت کر کے ایصال ثواب کیا کریں ۔

رفقائے کار کی طرف سے حوصلہ افزائی

میرے اکثر رفقائے کار بڑے مخلص ، بڑے گرم جوش اور سرگرم عمل انسان تھے ۔ تعلیمی اور تنظیمی کاموں میں نہ صرف مجھ سے بھرپور تعاون کرتے تھے بلکہ میری حوصلہ افزائی کرنے کے لئے نمائندہ مناصب پر مجھے منتخب کیا کرتے تھے ۔ میرے افتخار کے لئے کیا یہ کم بات ہے کہ میری معذرت کے باوجود وہ مجھے ہر سال بلامقابلہ سالانہ اجلاس میں صدر منتخب کر لیتے تھے ۔ سنہ ۱۹۵۹ء سے لے کر سنہ ۱۹۷۰ء تک مسلسل یہی کچھ ہوتا رہا ۔ یہاں تک کہ سنہ ۱۹۷۱ء میں میں ریٹائر ہو گیا لہذا میں نے صدارت سے بھی ریٹائر ہونے کا اعلان کر دیا ۔ مجھے صرف ایک سال سستانے اور

آرام کرنے کا موقع ملا ۔

مولانا عبدالغفور صاحب غفاری صدر پنجاب ٹیچرز یونین نے بھی میرے ریٹائرمنٹ کے موقعے پر یونین کے ترجمان اخبار " کارکن " میں میری خدمات کو سراہتے ہوئے قارئین کو بتایا تھا کہ میاں محمد یسین خاں وٹو وزیرِ تعلیم جب غفاری صاحب سے ناراض ہو گئے تھے تو چوہدری عطا الہی صاحب نے مصالحت کنندہ کا کردار ادا کیا تھا اور جب خان محمد علی خاں وزیرِ تعلیم ہوئے تو غفاری صاحب کو ان کی سرگرمیوں پر ناراض ہو کر آواگت نظربند کیا تھا تو انہوں نے آواگت کی نظربندی ختم کرانے میں اہم کردار ادا کیا تھا ۔ اسی طرح بورڈ کے اسکولوں کو قومیانے کے سلسلے میں اہم پارٹ ادا کیا اور ضلعی سطح پر ہر طبقے کے اساتذہ کے پیچیدہ مسائل بڑی جدوجہد اور دانشمندی سے حل کرائے ۔ میرے رفقائے کار نے جس انداز سے میری خدمات کو سراہا ان کی وسیع القلبی ہے ورنہ من آنم کہ من دانم ۔

یونین کے ساتھ وابستگی کے دوران میرا تعارف ایک نہایت ہی برگزیدہ ، بزرگ اور مخلص کے ساتھ ہوا ۔ ان کے اخلاق کریمانہ ، اخلاص ، اوصافِ حمیدہ ، امانت ، دیانت ، محنت اور جذبۂ ایثار و قربانی نے مجھے اتنا متاثر کیا کہ میں نے ان کو اپنا بھائی بنا لیا ۔ میں نے ان کو اپنا ہم خیال ، ہم عقیدہ ، اور ہم مسلک پایا ۔ ان کا اسم گرامی اور نام نامی صوفی محمد شفیع ہے

جن سے مل کر زندگی سے پیار ہو جائے وہ لوگ
آپ نے شاید نہ دیکھے ہوں مگر ایسے بھی ہیں

سرور بارہ بنکوی

صوفی صاحب بی ۔ اے ، بی ۔ ٹی ہیں اور گورنمنٹ ہائی اسکول حنڈیروا ضلع ملتان سے بطور ہیڈماسٹر ریٹائر ہوئے ہیں ۔ ان کی مستقل سکونت وہاڑی ضلع ملتان میں ہے ۔

صوفی صاحب قبلہ پنجاب ٹیچرز یونین کے ستون ہیں ۔ آپ کی مخلصانہ خدمات کی وجہ سے ضلع ملتان کے اساتذہ ریٹائرمنٹ کے بعد بھی آپ کو ضلعی صدارت سے سبکدوش کرنا پسند نہیں کرتے ۔ آپ پنجاب کے گزیٹڈ اسٹاف کے بھی صدر ہیں اور ضلع کی ہیڈماسٹرز ایسوسی ایشن کے بھی آپ صدر رہے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ انہیں عمردراز عطا فرمائے ۔ گذشتہ سال انہیں حج کی سعادت بھی نصیب ہوئی ۔

ریٹائرمنٹ کے بعد ایک اور کامیاب معرکہ

صدر ایوب خان کا دورِ آمریت اپنے شباب پر تھا ۔ سیاست شجر ممنوعہ بن چکی تھی ۔ آمریت کے دور میں یونینوں کی سرگرمیاں اربابِ اقتدار کی آنکھوں میں ہمیشہ کھٹکتی رہتی ہیں ۔ وہ نہیں چاہتے کہ ان کی من مانی کارروائیوں کے خلاف کوئی آواز بھی بلند کرے ۔ وہ تو بس یہی چاہتے ہیں کہ وہ کہیں اور سنا کرے کوئی والی کیفیت ہر شعبۂ حیات میں رہے ۔ ان کے نزدیک اپنے حقوق کا مطالبہ کرنے والا سب سے بڑا مجرم ہوتا ہے ۔ ان کا بس چلتا تو حقوق انسانیت کے طلبگاروں اور علمبرداروں کو توپ دم کر دیتے لیکن مجبوری یہ تھی بقول شاعر کہ

بس نہیں چلتا کہ پھر خنجر کفِ قاتل میں ہے

جس دور میں سیاسی سرگرمیوں پر سخت پابندیاں ہوں اور محبِ وطن اور قوم پرست سیاسی رہنماؤں کو سیاسی اچھوت بنا کر گوشہ نشینی پر مجبور کر دیا جائے وہاں بیچارے ٹیچروں کی کیا مجال کہ حقوق طلبی کر سکیں ۔ لیکن پنجاب ٹیچرز یونین چونکہ ایک غیرسیاسی جماعت تھی اس لئے وہ اپنے جائز حقوق کے حصول کے لئے کوشاں تھی ۔ صدر ایوب خاں کے دور میں جب خان محمد علی خاں وزیرِ تعلیم ہوئے تو مشیرِ تعلیم کی مخالفت کی وجہ سے پنجاب ٹیچرز یونین زیرِ عتاب آ گئی ۔ یونین پھر بھی کسی قسم کا جلسہ

کرنے ، جلوس نکالنے اور پریس کانفرنس پر پابندی عائد کر دی گئی

نہ تڑپنے کی اجازت ہے نہ فریاد کی ہے
گھٹ کے مرجاؤں یہ مرضی مرے صیاد کی ہے

یونین کے مرکزی صدر کو اوا لبت میں نظر بند کر دیا گیا ۔ یونین کی تمام سرگرمیاں ختم ہو گئیں ۔ اس پابندی سے مجلس عاملہ بالکل بے بس ہو گئی ۔ کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ کیا کیا جائے اور کس طرح صورتِ حال سے نمٹا جائے ، ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے اور منہ میں تالے ڈالنے سے تو مسئلہ حل نہیں ہوگا ۔ ٹیچروں میں نہ اتنا دم خم تھا کہ وہ اس حکم کی خلاف ورزی کرنے کے بارے میں سوچ سکے ۔ سوچ سکیں ۔ بالآخر نئی صورتِ حال سے نمٹنے کے لئے ہم نے فیصلہ کیا کہ ریٹائرڈ اساتذہ کو لاہور میں جمع کیا جائے کیونکہ اجتماع پر کوئی پابندی نہیں تھی ۔ یہ ساری کارروائی نہایت احسن طریقے پر انجام دی گئی ۔ کسی غیر متعلقہ شخص کو اس کی بھنک تک نہیں پڑی ۔ مرکزی مجلس عاملہ کے ارکان خفیہ خفیہ دہلی مسلم ہوٹل میں جمع ہو گئے ۔ مجلس عاملہ کی صدارت کا مسئلہ پیش ہوا غفاری صاحب نظر بندی کی وجہ سے لاہور نہ پہنچ سکے اور کوئی دوسرا رکن گرفتاری کے اندیشے کی وجہ سے آمادہ نہ ہوا ۔ بالآخر

قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

چنانچہ میں نے اس اجلاس کی صدارت کی ۔ اجلاس نے متفقہ طور پر منظور شدہ ایک قرارداد کے ذریعے یونین پر ناروا پابندیوں کے خلاف احتجاج کیا اور یہ فیصلہ کیا کہ دوسرے دن صبح اساتذہ کے جلوس کی قیادت صوفی محمد شفیع صاحب کریں ۔ یہ [illegible] [illegible] راضی ہو گیا اور اگلے [illegible] لاہور میں ایک [illegible]

جلوس صوفی صاحب کی قیادت میں نکلا ۔ میں بھی ان کی قیادت میں شانہ بشانہ شریک تھا ۔ اس طرح اساتذہ نے جلسے اور جلوس کی پابندی کی دھجیاں اڑادیں ۔

اس زمانے میں میاں محمد یسین خاں وٹو وزیر بلدیات تھے ، میں ان سے ملا اور ان کے ہمراہ خان محمد علی خاں وزیرِ تعلیم سے ملاقات کی ۔ ٹیچروں کے مسائل اور یونین کی سرگرمیوں کے متعلق تفصیل سے بات چیت کی ۔ اس بات چیت کے نتیجے میں غفاری صاحب کی نظر بندی ختم ہو گئی ۔ اس زمانے میں یہ ہماری بہت بڑی کامیابی تھی ۔

سنہ ۶۵ء کی جنگ میں ٹیچرز یونین کی خدمات

سنہ ۱۹۶۵ء کی پاک و ہند جنگ کے دوران ٹیچرز کی یونین نے حکومت کا ہاتھ بٹانے کے لئے سرگرمی سے حصہ لیا میں نے اپنے ضلع کی طرف سے گھر گھر جا کر جنگ سے متاثرہ لوگوں کی امداد کے لئے نقد چودہ ہزار روپے ، پارچہ جات اور بستروں کے تین ٹرک بذریعے مرکزی یونین حکومت کو پیش کئے اور ضلع ساہیوال کے ڈپٹی کمشنر کی معرفت بستروں اور پارچہ جات کے دو ٹرک دیئے گئے ۔

تراویح کے دوران ریکارڈنگ کے خلاف تحریک

رمضان المبارک کے مہینے میں نمازِ مغرب کے بعد جب تراویح پڑھنے اور قرآن شریف سننے کا وقت ہوتا تو سینما گھر میں ریکارڈنگ شروع ہوجاتی تھی جس کی وجہ سے ہر مسجد میں تراویح کی نماز اور تلاوتِ کلام مجید میں بہت زیادہ خلل پڑتا ۔ اس وقت ہمارے بورڈنگ ہاؤس میں تقریباً پچھتر بورڈرز داخل تھے وہ سب روزے رکھتے تھے اور ہوسٹل کی مسجد میں تراویح باجماعت پڑھتے تھے ۔ حافظِ قرآن کلام الٰہی سناتے تھے ۔ صوفی کرم الٰہی صاحب اس وقت ہوسٹل کے سپرنٹنڈنٹ تھے ۔ میں اور وہ بھی طالب علموں کے ساتھ شامل ہو کر قرآن شریف سنتے تھے ۔ ہم دونوں نے سینما کی ریکارڈنگ کو بری طرح محسوس کیا ۔ اس سے ایک طرف ماہِ مبارک کی حرمت متاثر ہوتی تھی اور دوسری طرف طلباء دلجمعی سے نہ تو کلام الٰہی کی تلاوت سن سکتے تھے اور نہ نماز ادا کرسکتے تھے ۔ نماز ختم ہونے کے بعد میں نے طالب علموں کو روک لیا اور ان کے سامنے ایک مدلل اور پرجوش تقریر کی اور ریکارڈنگ کی بدعت کو روکنے کی پرزور اپیل کی ۔ نوجوان خون زیادہ گرم ہوتا ہے اور ان میں مذہبی جوش و جذبہ بھی بہت زیادہ ہوتا ہے ۔ بہت سے طلباء مشتعل ہوگئے اور مرنے مارنے پر تیار ہوگئے ۔ پہلے تو میں نے ان کے دینی جذبے کو سراہا اور ساتھ ہی ساتھ ان کے جوش کو ٹھنڈا کرتے ہوئے انہیں سمجھایا کہ عقل کے ناخن لو ۔ جذبات میں آکر کوئی ایسی حرکت نہ کر بیٹھو کہ امن و امان کا مسئلہ پیدا ہو ۔ اسلام امن و آشتی کا مذہب ہے اس لئے اس سلسلے میں ہم جو بھی قدم اٹھائیں وہ عدم تشدد کے اصول پر ہو ۔ کسی کے خلاف ہاتھ اٹھانے سے مسئلہ حل نہیں ہوگا ۔ بلکہ دوسرے مسائل پیدا ہوں گے ۔ ہمیں ایسا اقدام کرنا چاہیئے کہ سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے یعنی تراویح کے وقت ریکارڈنگ کا سلسلہ بند ہوجائے ۔ اس لئے مناسب یہ ہے کہ ابھی ہم سینما والوں کو

نہ چھیڑیں بلکہ فلم بین حضرات کو بڑے پیار اور محبت، منت و سماجت سے سمجھائیں کہ وہ فلم دیکھنے سے باز رہیں ۔ وہ بھی مسلمان ہیں اگر ہم ان پر ماہِ رمضان المبارک کی دینی اہمیت واضح کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ ہمارے معروضات پر توجہ نہ دیں ۔ یقیناً اگر انہیں اخلاق سے سمجھایا جائے تو اس کا خاطر خواہ اثر ہوگا ۔ اور جب فلم بین حضرات کی بھاری اکثریت فلم دیکھنے سے اجتناب کرے گی تو پھر اس وقت کا شو سینما کے منتظمین خود بھی بند کردیں گے کیونکہ وہ سارا دھندا نفع کمانے اور دولت بٹورنے کے لئے کرتے ہیں اور اس طرح نہ رہے گا بانس اور نہ بجے گی بانسری ۔ سب نے ہماری رائے سے اتفاق کیا اور طے یہ ہوا کہ سینما ہاؤس کے دروازے پر پرامن پیکٹنگ کرنا ہوگی اور اگر سینما کے منتظمین یا ان کے گرگے اشتعال انگیز رویہ اختیار کریں تو اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کی بجائے حسنِ اخلاق کے پھولوں سے دیا جائے اس اسکیم کو عملی جامہ پہنانے کے لئے پچھتر طلباء کو پانچ پانچ کی ٹولیوں میں تقسیم کردیا ۔ اس طرح طلباء کی پندرہ ٹولیاں بن گئیں ۔ ہر ایک گروپ کا ایک ایک لیڈر مقرر کردیا گیا ۔ لیڈر کے تقرر کے وقت بھی اس بات کا خیال رکھا گیا کہ لیڈر تیز مزاج نہ ہو بلکہ ٹھنڈے دل و دماغ کا مالک ہوتا کہ سینما گھر کے منتظمین کے ممکنہ اشتعال انگیز ردِعمل کا صبر و تحمل اور خوش خلقی سے مقابلہ کیا جائے ۔ ان میں سے ایک گروپ سینما ہاؤس کے صدر دروازے پر کھڑا ہوگا اور فلم بینوں کو بڑی منت سماجت سے اندر جانے سے باز رکھنے کی کوشش کرے گا ۔ باقی گروپ اس کے ارد گرد پھیل جائیں گے اور فلم بینوں کو بڑی لجاجت سے سمجھائیں گے کہ یہ رمضان المبارک کا مہینہ ہے اسے اللہ تعالیٰ نے اپنا مہینہ کہا ہے، اس وقت ہر مسجد میں تراویح پڑھی جاتی ہے حافظ صاحبان قرآن شریف سناتے ہیں ۔ سینما گھروں میں اس وقت گانوں کی ریکارڈنگ شروع کی جاتی ہے جس سے عبادت میں خلل پڑتا ہے اور عام مسلمانوں میں اس روش کے خلاف اشتعال پیدا ہوتا ہے جس سے امن

امان کا مسئلہ بھی پیدا ہو سکتا ہے ۔آپ سب مسلمان ہیں اور ہم سب مسلمانوں کا دینی اور اخلاقی فریضہ ہے کہ اس ماہِ مبارک کا احترام کریں اور عام مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس نہ پہنچائیں ۔ مسجدوں کی رونق بڑھائیں ، تراویح میں قرآن شریف سنیں ۔ تعجب بلکہ افسوس کی بات ہے کہ سینما والے بھی مسلمان ہونے کے باوجود محض چند ٹکوں کی خاطر اس وقت ریکارڈنگ لگا کر شہراللہ یعنی رمضان المبارک کی بے حرمتی کرتے ہیں اور مسلمانوں کو اطمینان ، توجہ اور دلجمعی سے قرآن شریف سننے سے دانستہ یا نادانستہ طور پر باز رکھتے ہیں ۔ اس لئے ہم سب مسلمانوں کا فرض ہے کہ سینما کا بائیکاٹ کریں ۔ کوئی مسلمان فلم نہ دیکھے اور ماہِ رمضان کے وقار اور احترام کو قائم رکھنے کے لئے ان زر پرستوں کو سبق سکھایا جائے اگر ایک مہینے مسلمان سینما نہیں دیکھیں گے تو نہ قیامت آجائے گی اور نہ آسمان پھٹ پڑے گا ۔ بلکہ رمضان المبارک کی کھلم کھلا اور جان بوجھ کر بے حرمتی کرنے سے عذاب بھی نازل ہو سکتا ہے ۔ طلباء کو اس بات کی بھی تاکید کی گئی کہ اگر سینما والے یا پولیس والے آپ کو پیکٹنگ کرنے سے باز رکھنے کے لئے آپ پر ہاتھ اٹھائیں یا اشتعال انگیز اور تشدد آمیز رویہ اختیار کریں تو آپ ہرگز ہرگز اینٹ کا جواب پتھر سے نہ دیں بلکہ ان کی زیادتیوں اور اشتعال انگیز اقدامات کو خندہ پیشانی اور صبر و استقامت سے برداشت کریں ۔ بالفاظِ دیگر کسی قسم کی انتقامی کارروائی نہ کریں ۔ تشدد کا جواب تشدد سے اور گالم گلوچ کا جواب گالم گلوچ سے نہ دیں ۔ طالبِ علموں کو یہ بھی ہدایت کی گئی کہ اگر تمہیں سینما کے دروازے سے زبردستی ہٹایا جائے تو وہاں لیٹ جاؤ اور اگر وہ تمہیں اٹھا کر دوسری جگہ لے جائیں تو دوسرا گروپ اس کی جگہ آجائے ۔ بہرصورت پر امن رہو کیونکہ پرامن اور خوش اخلاق رہنے ہی میں تمہاری جیت ہے اور تحریک کی کامیابی یقینی ہے ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا ۔ بورڈرز گروپ بنا کر سینما ہاؤس پہنچ گئے پیکٹنگ زور شور سے شروع کر دی گئی ۔ میں اور صوفی صاحب بھی بھیس بدل

کر رات کے وقت ایک ایسے گوشے میں کھڑے ہوگئے جہاں سے کوئی ہمیں نہ دیکھ سکے اور بورڈرز رضاکاروں کی سرگرمیوں کا جائزہ لیتے رہے ۔ سینما والے بڑے حیران و ششدر تھے کہ یہ بلائے بے درماں کہاں سے نازل ہو گئی ۔ ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ کیا کیا جائے اور اس طوفان بلا سے کیسے پیچھا چھڑایا جائے ۔ پہلے تو وہ حسبِ روایت سختی سے پیش آئے ۔ لیکن اس مرتبہ ان کا یہ آزمودہ حربہ ناکام ہو گیا ۔ رضاکاروں نے سختی کا جواب نرمی اور خوش اخلاقی سے دیا تو وہ ہکا بکا رہ گئے کہ اب کیا کریں ۔ ارد گرد نظر اٹھا کے دیکھا تو انہیں اپنے چاروں طرف طالبِ علموں کا منظم اور پرامن گروپ کام کرتے نظر آیا ان کے واقعی چھکے چھوٹ گئے ان کو یہ خطرہ بھی تھا کہ اگر زیادہ سختی کی تو کہیں بات اور آگے نہ بڑھ جائے اور عوام الناس بھی طالبِ علموں کی تحریک میں شامل ہو کر سینما ہی پر ہلہ نہ بول دیں ۔ اس پرامن تحریک کا نتیجہ یہ ہوا کہ فلم بین حضرات ٹکٹ خریدنے کی بجائے طلباء کی پرجوش اور مدلل تقریریں سننے لگے اور ان کے دلائل ، جذبۂ ایمانی اور نظم و ضبط سے بہت متاثر ہوئے ۔ ٹکٹ گھروں پر جہاں پہلے فلم بینوں کی ریل پیل تھی کتے لوٹنے لگے ۔ لوگوں نے نہ صرف ٹکٹ خریدنا بند کر دیئے بلکہ جو لوگ ٹکٹ خرید چکے تھے وہ ٹکٹ واپس کرنے لگے ۔ اس رات فلم نہ چل سکی ۔ سینما والوں کو کوئی آمدنی نہ ہوئی بلکہ لینے کے دینے پڑ گئے ۔ پولیس بھی بے بس نظر آتی تھی ۔ بعض پولیس والے طلباء کی جانب اشارہ کرتے ہوئے آپس میں کہہ رہے تھے اس بھڑ کے چھتے کو چھیڑنا مناسب نہیں ۔ اگر بات بڑھ گئی تو بہت زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتی ہے ۔ پہلے دن یہ معرکہ بحسن و خوبی سر ہو گیا ۔ اس کامیابی سے طالبِ علموں کے حوصلے بھی بڑھے اور اس بدعت کے سدِ باب کے امکانات بھی پیدا ہوئے ۔ دوسرے روز سینما کے مالک اور ایس ۔ ایچ ۔ او میرے

پاس آئے ۔ انہوں نے رات کے واقعے کی تمام تفصیلات بیان کیں ۔ حالانکہ میں نے اور صوفی صاحب نے بھیس بدل کر ساری کارروائی کو بچشمِ خود دیکھا تھا لیکن میں نے ان سے انجان بن کر دریافت کیا کہ لڑکوں نے کوئی شرارت ، شرانگیزی ، توڑپھوڑ یا ناشائستہ حرکت تو نہیں کی ۔ سینما کے مالک نے لڑکوں کے رویے کی تعریف کرتے ہوئے جواب دیا کہ مجھے ایسی کوئی شکایت تو نہیں ملی ۔ تو میں نے ان سے دریافت کیا کہ آپ نے پھر کیوں میرے پاس آنے کی زحمت گوارا کی ۔ انہوں نے کہا کہ اس بات کا علم تو آپ کو ہوگا کہ یہ ہمارا کاروبار ہے ۔ اگر ہم پورے مہینے کاروبار بند کردیں تو ہمیں کتنا نقصان ہوگا ۔ میں نے ان کی تمام باتوں کو غور سے سنا ۔ اس دوران میں ایس ۔ ایچ ۔ او بالکل خاموش بیٹھے رہے ۔ جب وہ اپنا نقطۂ نظر پیش کر چکے تو میں نے کہا کہ بفضلہ تعالیٰ آپ بھی مسلمان ہیں ، ایس ۔ ایچ ۔ او صاحب بھی مسلمان ہیں ، میں بھی اور میرے طالب علم بھی مسلمان ہیں ۔ یقیناً آپ حضرات کو بھی اس حقیقت کا علم ہوگا کہ ماہِ رمضان المبارک و متبرک ترین مہینہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے شہراللہ یعنی اپنا مہینہ کہا ہے اس کے احترام اور تقدس کو تمام مسلمانوں کی طرح آپ بھی مانتے ہیں ۔ لہٰذا ہم سب کا فرض ہے کہ اپنے کسی عمل سے اس کے احترام پر آنچ نہ آنے دیں اور اب تو اللہ کے فضل سے پاکستان بن گیا ہے ۔ اب یہ ملک مسلمانوں کا ملک ہے اگر اس ملک میں بھی رمضان المبارک کا احترام نہیں ہوگا تو کہاں ہوگا ۔ سینما کے مالک میری بات کاٹ کر کچھ کہنا چاہتے تھے میں نے عرض کیا کہ آپ مجھے اپنی بات مکمل کرلینے دیجئے ۔ میں نے سلسلۂ گفتگو دوبارہ شروع کرتے ہوئے کہا کہ یقیناً آپ دونوں حضرات کو اس بات کا یقینی طور پر علم ہوگا کہ اس مہینے میں تراویح ہوتی ہیں ۔ حافظانِ قرآن مساجد میں قرآن کی تلاوت کر کے مسلمانوں کو سناتے ہیں ۔ آپ لوگ بھی تراویح میں شرکت کرتے ہوں گے تراویح

کے وقت اگر سینما گھروں میں فلمی گانوں کے ریکارڈ بجائے جائیں تو اس کی وجہ سے تراویح قرآن کی تلاوت سننے میں خلل پڑے گا اور پڑتا ہے اور ماہِ رمضان المبارک کا احترام اور مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوتے ہیں ۔ اس لئے اگر لڑکوں نے اس روش کے خلاف پرامن اور شائستہ طریقے پر احتجاج کیا اور لوگوں کو سینما دیکھنے سے باز رہنے کی شائستگی اور خوش اخلاقی کے ساتھ تلقین کی تو کیا گناہ کیا ۔ اگر ہم مسلمان مسلمانوں کے ملک پاکستان میں رمضان المبارک کا احترام نہیں کریں گے اور عبادت میں خلل اندازی کریں گے تو پھر دنیا ہمیں کیا کہے گی ۔ وہ تو کہئے یہ تحریک طالب علموں نے شروع کی جو نظم و ضبط کے پابند ہیں اور جنہیں شائستگی اور خوش اخلاقی کی تعلیم و تربیت دی جاتی ہے ، اگر یہ تحریک کسی اور طبقے کی طرف سے چلائی جاتی تو خدا جانے کیا صورتِ حال پیش آتی ۔ سینما کے مالک اور ایس ۔ ایچ ۔ او نے میرے خیالات سے اتفاق کیا ۔ بالآخر اتفاق رائے سے یہ فیصلہ ہوا کہ عشاء کی نماز اور نمازِ تراویح ختم ہونے تک ریکارڈنگ نہیں چلائی جائے گی اور نہ ہی فلم دکھائی جائے گی ۔ میں نے بچوں کو اس کامیابی پر مبارکباد دی ۔

محسن کشی کا ایک اور واقعہ

کسی شاعر نہ کہا ہے اور کیا خوب کہا ہے کہ " جس پر کرو کرم کبھی ، کرتا ہے دشمنی وہی " ۔ حالانکہ ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں جو احسانات کو نہ صرف ہمیشہ یاد رکھتے ہیں بلکہ ان کا برملا اعتراف بھی کرتے ہیں ۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ نیک و بد اور اچھے اور بروں کا وجود صبحِ ازل سے ہے اور شامِ ابد تک جاری رہے گا ۔ محسن کشی بھی انسانی فطرت میں شامل ہے البتہ حساس لوگوں کو اس قسم کے واقعات اور طرزِ عمل سے دلی کوفت اور ذہنی اذیت نسبتاً زیادہ ہوتی ہے ۔ مجھے بھی زندگی میں کچھ ایسے لوگوں سے سابقہ پڑا ہے جنہوں نے میری راہ میں کانٹے بوئے اور مجھے نقصان

پہنچانے کی حتی الامکان کوشش کی مگر رب العزت کی مہربانی سے میرے مخالفین کی میرے خلاف ریشہ دوانیاں اور سازشیں نہ صرف ناکام ہوئیں بلکہ ان کو منہ کی کھانا پڑی اور ذلیل و خوار ہونا پڑا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ حویلی میں ایک شخص محمد اصغر رہتا تھا۔ یہ ڈاکٹر غلام علی ایم۔ اے۔ او حویلی کا بیٹا تھا۔ بہت زیادہ چالاک، عیار، اوباش اور مفاد پرست تھا۔ جنرل مرچنٹ بھی تھا۔ ساتھ میں اسٹیشنری بھی رکھتا تھا۔ اس کے پاس باٹا کی ایجنسی بھی تھی۔ میں اپنے اسکول کی تمام ضروریات کی چیزیں اس کی دکان ہی سے خریدتا تھا اور طلباء کو بھی اسی کی دکان سے اسٹیشنری وغیرہ خریدنے کی ترغیب دیا کرتا تھا۔ چونکہ اس کے والد میرے دوست تھے اس لئے میں اس کی جائز مدد کرنا اپنا اخلاقی فرض خیال کرتا تھا۔ کچھ عرصے بعد ٹاؤن کمیٹی کے انتخابات ہوئے۔ میں نے اپنے ووٹ اس کی مرضی کے خلاف اپنی صوابدید کے مطابق بہتر امیدوار کو دیئے۔ یہ بات اصغر کو ناگوار گذری۔ وہ نہ صرف مجھ سے ناراض ہو گیا بلکہ مجھے نقصان پہنچانے پر تل گیا۔ وہ میرے خلاف اس کے سوا اور کیا کر سکتا تھا کہ حکام بالا کے پاس میرے خلاف جھوٹے الزامات پر مشتمل درخواستیں بھجوائے۔ سو اس نے ایسا ہی کیا۔ کوئی ایسا متعلقہ محکمہ نہیں چھوڑا جس کے افسران بالا کو میرے خلاف درخواستیں نہ بھیج سکا ہو۔ ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف اسکولز، ڈویژنل انسپکٹر، ڈائریکٹر محکمۂ تعلیم، وزیر تعلیم، گورنر حتیٰ کہ صدر تک میرے خلاف درخواستیں بھیجیں۔ اس کے علاوہ انٹیلیجنس کے محکمے کو بھی شکایت کی گئی کہ اسکول میں بہت کچھ خورد برد ہو رہا ہے اور خود ذاتی طور پر بھی افسران سے مل کر ان کے کان بھرتا رہا۔ اتنے بڑے پیمانے پر مہم چلانے کا کچھ نہ کچھ تو اثر ہونا تھا۔ لہٰذا ہر طرف سے تحقیقات شروع ہو گئیں۔ ڈپٹی کمشنر نے سیکریٹری ڈسٹرکٹ بورڈ شیخ ظفر علی کو انکوائری کے لئے بھیجا۔ انہوں نے یونین فنڈز وغیرہ کی پڑتال کی۔ کوئی چیز قابل اعتراض نہ نکلی۔ تمام الزامات غلط ثابت ہوئے اصغر اور امان کو خفت اٹھانا

پڑی۔

امان اللہ قوم کا ماچھی ہے۔ وہ ماچھی قوم کی طرف سے ٹاؤن کمیٹی کا ممبر منتخب ہو گیا تھا اور اصغر کمیٹی کا نامزد ممبر تھا۔ اصغر نے امان اللہ کو اپنے ساتھ ٹھیکیدار بنایا ہوا تھا۔ یہ دونوں مشترکہ ٹھیکے لیتے تھے۔ اس لئے امان اللہ اس کی ہاں میں ہاں ملاتا تھا۔ ان دونوں نے پھر شکایت کی کہ چوہدری عطاالٰہی نے ڈسٹرکٹ بورڈ کی اراضی پر ناجائز قبضہ کر کے دکان بنالی ہے۔ انجینئر ڈسٹرکٹ بورڈ نے اپنے اوورسیئر کو انکوائری کے لئے بھیجا۔ اس نے تحقیقات کی اور الزام غلط ثابت ہوا۔ دونوں کو پھر منہ کی کھانا پڑی۔

صدرِ مملکت، گورنر اور ڈائریکٹر تعلیم کے دفاتر میں جو درخواستیں میرے خلاف بھیجی گئی تھیں وہ سب کی سب ڈویژنل انسپکٹر ملتان کے پاس رپورٹ کے لئے جمع ہو گئیں۔ چنانچہ ایک ڈپٹی انسپکٹر اور ایک ڈویژنل آڈیٹر، ایک اسٹینو اور دو اے ڈی افسر انکوائری کے لئے اسکول میں آئے۔ دونوں شکایت کنندگان کو بھی طلب کیا گیا۔ یہ سارا عملہ مسلسل تین دن تک اسکول کے تمام حسابات کی جانچ پڑتال کرتا رہا۔ سب نے میرے حق میں نہ صرف بیانات دیئے بلکہ ذاتی طور پر میری اور میرے تمام کاموں کی بہت تعریف کی۔ کسی ایک شخص نے میرے خلاف ایک لفظ تک نہیں کہا۔ اب اصغر اور امان اللہ سے کہا گیا کہ وہ اپنے الزامات کے ثبوت میں کوئی دستاویزی یا شخصی شہادت پیش کریں۔ انہوں نے بڑی بے چارگی سے جواب دیا کہ ہمارے پاس کوئی شہادت نہیں ہے۔ میرے خلاف سرکاری انکوائری کی خبر پوری آبادی میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ لوگ باگ ان بے بنیاد الزامات کے خلاف احتجاج کرنے کے لئے جمع ہو گئے اور نمازِ جمعہ کے بعد شہر کے عوام کا ایک جلوس نکلا جو میرے حق میں نعرے لگاتا ہوا انکوائری افسر کی جائے قیام پر پہنچا۔ جلوس کے لیڈروں نے انکوائری افسر سے ملاقات کی اور انہیں بتایا کہ ہیڈ ماسٹر صاحب اس

علاقے میں بڑے ہردلعزیز ہیں ۔ انہوں نے اس علاقے کی مخلصانہ اور ٹھوس خدمات انجام دی ہیں ۔ یہ دونوں نہایت شریر شخص ہیں ۔ ان کی جھوٹی اور بے بنیاد شکایات پر انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچنا چاہیئے ۔ ادھر حسابات اور کاغذات کی جانچ پڑتال میں کوئی قابلِ اعتراض یا قابلِ گرفت بات نظر نہیں آئی ۔ اصغر اور امان اللہ شرمندہ ہو کر خاموشی سے بھاگ کھڑے ہوئے ۔ ان شریروں کی ایک شکایت یہ بھی تھی کہ تعمیر کے نام پر جو رقم پبلک سے وصول کی گئی ہے اسے بھی غبن کرلیا گیا ہے ۔ انجمنِ سرپرستانِ طلباء نے اس کا جواب یہ دیا کہ عمارت کی کمی کی وجہ سے ہمارے بچے دھوپ میں بیٹھتے تھے اور باد و باراں کے دوران انہیں اسکول سے چھٹی دے دی جاتی تھی کیونکہ سر چھپانے کے لئے کوئی کمرہ نہیں تھا ۔ اس صورتِ حال کی وجہ سے طلباء کی پڑھائی کا نقصان ہوتا تھا ۔ ہیڈماسٹر صاحب کا ہم سب پر یہ بہت بڑا احسان ہے کہ انہوں نے در در کوچہ بکوچہ اور قریہ بقریہ جا کر کمروں کی تعمیر کے لئے رقم جمع کی اور ہمارے پاس جمع کرادی اور ہمارے ہی ہاتھوں عمارت کی تعمیر پر خرچ کرائی ۔ ہمارے فنانشل سیکریٹری کے پاس پائی پائی کا حساب موجود ہے جو ملاحظے کے لئے پیش ہے ۔ انکوائری افسر نے وہ پختہ کمرے اور پختہ مسجد بھی دیکھی جو میں نے شیخ حاکم علی صاحب ، فنانشل سیکریٹری کے ذریعے تعمیر کرائی تھی ۔ انکوائری افسر ، اپنی مدد آپ کے تحت عمارات کی تعمیر کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے ۔ ایک شکایت یہ بھی تھی کہ وہ سرکاری پانی جو گراؤنڈ کے لئے منظور ہے وہ ہیڈماسٹر صاحب فروخت کردیتے ہیں ۔ ضلعدار صاحب کو بلوایا گیا اور ان سے اس شکایت کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے بتایا کہ پانی فروخت کرنا تو کجا وہ تو دوسروں کا پانی بھی توڑ کر اپنی گراؤنڈ کو لگالیتے ہیں ۔ میرے پاس کاشتکاروں کی شکایات پہنچتی رہتی ہیں ۔ انکوائری افسر نے اس آٹھ ایکڑ اراضی کا موقعے پر معائنہ کیا جو بطور گراؤنڈ استعمال ہوتی تھی ، جس پر ہری بھری گھاس لگی ہوئی تھی اور ارد گرد سایہ دار درخت لگے

ہوئے تھے ۔ وہ یہ سارا منظر دیکھ کر بہت خوش ہوئے ۔ ایک اور شکایت یہ تھی کہ ہیڈماسٹر صاحب طلباء کے ذریعے دباؤ ڈال کر انتخاب کے موقعے پر اپنے دوستوں کے لئے زبردستی ووٹ حاصل کرتے ہیں ۔ اصل میں ساری شکایات کی جڑ یہی بات تھی کہ میں نے ٹاؤن کمیٹی کے انتخاب میں اس کی مرضی کے برعکس اپنی صوابدید کے مطابق بہتر امیدوار کو ووٹ دیا تھا ۔ پبلک نے اس شکایت کی بھی پرزور الفاظ میں تردید کی ۔ قصہ مختصر میرے خلاف کوئی شکایت صحیح ثابت نہیں ہوئی اور انکوائری کمیٹی نے تمام شکایات کو بے بنیاد قرار دیتے ہوئے میرے حق میں شاندار رپورٹ متعلقہ افسران کو بھیج دی ۔

میرے خلاف اپنی تمام سازشوں اور کوششوں کی ناکامی کے بعد بھی وہ اپنی فتنہ انگیز سرگرمیوں سے باز نہیں آیا ۔ اس مرتبہ اس نے میری دشمنی میں پرانے اساتذہ کو زک پہنچانے اور اسکول کے تعلیمی معیار کو چوپٹ کرنے کے لئے ایک نیا شوشہ چھوڑا ۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ سنہ ۱۹۶۲ء میں ہمارا اسکول ٹاؤن کمیٹی حویلی کی تحویل میں آگیا ۔ اس سے مزید مشکلات پیدا ہوگئیں ۔ اصغر کی پارٹی کمیٹی میں برسرِاقتدار تھی اور وہ خود بھی نامزد ممبر تھا ۔ ماسٹر فضل محمد جو پہلے بھی محسن کش ثابت ہوا تھا نامزد ممبر تھا ۔ اصغر ہر دوسرے تیسرے دن دو تین ممبروں کو ساتھ لے کر اسکول میں آجاتا اور میرے اندرونی انتظام میں مخل ہوتا ۔ کبھی کسی فنڈ کی جانچ پڑتال اور کبھی کسی کام کی جانچ پڑتال کا مطالبہ کرتا ۔ میں نے تنگ آکر اسکول میں اس کا داخلہ بند کردیا اور اساتذہ کو ہدایت جاری کردی کہ اسے کسی فنڈ کا حساب کتاب نہ دکھایا جائے اور کسی قسم کی جانچ پڑتال نہ کرنے دی جائے بلکہ اپنا تدریسی کام جاری رکھا جائے ۔ اصغر نے مجھ سے انتقام لینے کے لئے پرانے اسٹاف پر ضربِ کاری لگانے کی بھرپور کوشش کی ۔ اصغر نے کمیٹی میں تجویز پیش کی کہ چونکہ ہائی اسکول کا پرانا اسٹاف بہت زیادہ تنخواہیں لے رہا ہے اور کمیٹی اتنے زیادہ اخراجات کی

محتمل نہیں ہو سکتی اس لئے تمام قدیم اسٹاف کو نکال کر نیا اسٹاف کم تنخواہ پر بھرتی کر لیا جائے ۔ اس نا سمجھ کو سروس رولز کا قطعی علم نہیں تھا وہ بورڈ اور ٹاؤن کمیٹی کے اسکولوں کے غالباً بنئے کی دکان سمجھے ہوئے تھا کہ جب جسے چاہا نکال دیا اور اس کی جگہ کم اجرت پر کسی نئے آدمی کو رکھ لیا ۔ اسے اس بات کا قطعی علم نہیں تھا کہ مستقل عملے کو بیک جنبش قلم سروس سے الگ نہیں کیا جاسکتا ۔ بہرحال میں ڈپٹی کمشنر صاحب کے پاس گیا اور کمیٹی کی تحویل میں اسکول دینے کے مضر نتائج سے آگاہ کیا ۔ چنانچہ ڈپٹی کمشنر صاحب نے فی الفور حکم جاری کردیا کہ ڈسٹرکٹ بورڈ فوراً ہائی اسکول کو اپنی تحویل میں لے لے ۔ چنانچہ جون سنہ ۱۹۶۳ء کو ہمارا اسکول دوبارہ ڈسٹرکٹ بورڈ کی تحویل میں چلا گیا اور ہم نے سکون و اطمینان کا سانس لیا ۔

اپنے اس اقدام کی ناکامی کے بعد بھی وہ نچلا نہیں بیٹھا ۔ وہ میرا تبادلہ کرانے کے لئے سر توڑ کوششیں کرتا رہا ۔ جب میاں محمد یسین خاں وٹو اور میاں غلام محمد صاحب مانیکا (یہ دونوں ان دنوں اسمبلی کے ممبر تھے) کو میرے خلاف اصغر کی معاندانہ سرگرمیوں کا علم ہوا تو انہ[illegible] ڈویژنل انسپکٹر ربانی صاحب کو میری سفارش میں خطوط لکھے جن میں اس علاقے میں میری خدمات اور میری ضرورت و اہمیت کو واضح کیا گیا نیز اصغر کی مخالفت کو نجی و ذاتی وجوہ پر محمول کرتے ہوئے لکھا کہ چوہدری صاحب کا حویلی سے تبادلہ نہ کیا جائے ۔ اسی طرح علاقے کی پندرہ یونین کونسلوں کے چیرمینوں نے فرداً فرداً ڈپٹی کمشنر کو لکھا کہ اصغر ایک شرارتی انسان ہے اس کے بے بنیاد الزامات کی وجہ سے ہیڈ ماسٹر صاحب کو کسی قسم کا کوئی نقصان نہیں پہنچنا چاہیئے ۔ اب اصغر سے جواب طلب کیا گیا کہ ایک ہردلعزیز اور سرگرم عمل ہیڈ ماسٹر کے خلاف بلاجواز طوفان برپا کرنے کی وجہ سے کیوں نہ آپ کی نامزدگی منسوخ کردی جائے ۔ اب اصغر کو اپنی اصل قدر و قیمت کا پتہ چلا ۔ اب آستین الٹی اس کے گلے میں پڑی تھیں ۔ اپنی تمام مذموم حرکتوں اور کوششوں کی ناکامی کے

بعد اسے یقین ہو گیا کہ میں ہیڈ ماسٹر صاحب کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا ۔ اس لئے اس نے غالباً یہ سوچ کر کہ دریا میں رہ کر مگرمچھ سے بیر اچھا نہیں ہے نہ صرف میری مخالفت ترک کردی بلکہ وہ خود اور اس کا ساتھی امان اللہ ہمیشہ کے لئے قصبہ حویلی چھوڑ گئے ۔ خس کم جہاں پاک ۔

ملک فتح شیر خاں چیرمین ڈسٹرکٹ بورڈ ساہیوال کو اب اچھی طرح علم ہو چکا تھا کہ میں قرب و جوار کے علاقے میں بہت زیادہ ہردلعزیز ہو گیا ہوں ۔ لہذا جب دوبارہ چیرمین کا انتخاب قریب آیا تو اسے ممبران ڈسٹرکٹ بورڈ کے ووٹوں کی شدید ضرورت تھی ۔ اس نے اپنے ووٹوں کی تعداد بڑھانے کے لئے ایک ماہ میں چار مرتبہ تبادلہ کیا اور ہر مرتبہ تبادلہ منسوخ کرنے کے لئے میرے توسط سے ایک ممبر ڈسٹرکٹ بورڈ کے ووٹ کی ضمانت طلب کی ، چنانچہ جمال کوٹ کے میاں محمد یسین خاں ، بصیرپور کے میاں ظفر علی اور عارف والا کے میاں فیض احمد جویہ کے ووٹ ڈالنے کے وعدے پر میرے تبادلے کے آرڈر منسوخ کئے ۔ ان کا خیال تھا کہ یہ سارے ممبر میرے زیر اثر ہیں ۔ چوہدری نذیر احمد صاحب میری مخلص اور گہرے دوست تھے ۔ بڑے وضعدار اور بڑے اصول کے آدمی تھے ۔ جب میں فاضلکا میں اسلامیہ ہائی اسکول کا ہیڈ ماسٹر تھا اس وقت وہ گورنمنٹ ہائی اسکول میں ہیڈ ماسٹر تھے ہمارے آپس میں نہایت بے تکلفانہ روابط تھے ۔ جب کبھی میں ملتان چلا جاتا تو مشروبات سے میری خاطر تواضع فرماتے اور میرے مسائل فوری طور پر حل کردیتے ۔ ایک دفعہ وہ ساہیوال کے دورے پر تشریف لائے ۔ ریسٹ ہاؤس میں قیام پذیر تھے ۔ میں ان سے ملاقات کے لئے گیا ۔ یہاں بھی بڑے تپاک سے ملے اور مجھے اپنے پاس بٹھا کر چائے میں شریک کرلیا ۔ اتنے میں میاں غلام دستگیر صاحب پستول لگائے ادھر آ نکلے ۔ میں نے میاں صاحب کو دور سے دیکھ لیا ۔ چونکہ میرے ان کے تعلقات کشیدہ تھے اس لئے مجھے گمان ہوا کہ شاید وہ میرے خلاف چوہدری صاحب سے شکایت

کریں ۔ میں نے چوہدری صاحب سے کہا کہ حویلی کا ایک زمیندار آپ سے ملاقات کرنے آرہا ہے غالباً وہ آپ سے میری شکایت کرے گا ۔ ان دنوں ہمارے تعلقات ٹاؤن کمیٹی حویلی کے وائس پریذیڈنٹ کے انتخاب کے سلسلے میں انتہائی کشیدہ تھے ۔ چوہدری صاحب نے فرمایا آپ مطلق پروا نہ کریں ۔ آپ بیٹھے رہئے اور تماشہ دیکھئے ۔ میاں صاحب کو نہ تو انسپکٹر صاحب سے میرے روابط کا علم تھا اور نہ انہیں چوہدری کے پاس میری موجودگی کا علم تھا ۔ جونہی میاں صاحب اجازت لے کر کمرے میں داخل ہوئے ، چوہدری صاحب نے اٹھ کر ان سے بڑی گرمجوشی سے مصافحہ کیا اور ساتھ ہی میری طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ۔ آپ سے ملئے یہ چوہدری عطاالٰہی صاحب حویلی کے ہائی اسکول کے ہیڈماسٹر ہیں بڑے لائق فائق اور منتظم ہیں ۔ میرے گہرے دوست ہیں ۔ میرے ڈویژن کے بہترین ہیڈماسٹروں میں ان کا شمار ہوتا ہے ۔ چوہدری صاحب کی زبانی میری تعریف و توصیف سننے کے بعد میاں صاحب کو میری تعریف کرنے اور ان کی ہاں میں ہاں ملانے کے سوا اور کوئی چارہ نظر نہ آیا ۔ وہ میرے خلاف کوئی حرفِ شکایت زبان پر نہ لائے ۔ کچھ عرصے بعد جب تمام غلط فہمیاں دور ہوگئیں تو میاں صاحب سے نہ صرف دوستانہ بلکہ ہمدردانہ روابط قائم ہوگئے جو اب تک قائم ہیں اور انشاءاللہ تاحیات قائم رہیں گے ۔ کچھ عرصے بعد چوہدری نذیر احمد صاحب ترقی پاکر لاہور چلے گئے اور گورنر کے دفتر میں مشیر تعلیم ہو گئے ۔ پنجاب ٹیچرز یونین کے صدر صاحب جب کبھی یونین کا کوئی وفد تشکیل دے کر چوہدری صاحب سے ملاقات کے لئے جاتے تو مجھے اس وفد میں ضرور شامل کرتے کیونکہ انہیں چوہدری صاحب کے ساتھ میرے اچھے روابط کا بخوبی علم تھا ۔

سنہ ١٩٦٨ء میں کمشنر ملتان نے مجھے ڈسٹرکٹ کونسل ساہیوال کی تعلیمی سب کمیٹی کا ممبر نامزد کردیا اور چیرمین کو ہدایت جاری کردی کہ تعلیمی امور میں میری رائے اور مشورے کو اہمیت دی جائے ۔ چنانچہ ڈسٹرکٹ کونسل کی تعلیمی سب کمیٹی

کے اجلاس میں باقاعدگی سے مدعو کیا جاتا ۔ اسی زمانے میں چوہدری محمد اسلم ڈسٹرکٹ کونسل کے چیف آفیسر اور میاں عبدالحق صاحب وائس چیرمین تھے ۔ جب میں نے یہ نوٹ کیا کہ میری رائے کو اہمیت دینے کی بجائے نظرانداز کیا جاتا ہے اور اساتذہ کے مفاد کو نقصان پہنچایا جارہا ہے تو میں نے سخت احتجاج کیا اور کمشنر ملتان سے ملاقات کے دوران پوری صورتِ حال سے ان کو آگاہ کردیا ۔ کمشنر نے حکم جاری کردیا کہ بورڈ کے تعلیمی امور صرف اس کمیٹی میں پیش کئے جائیں جو ضلع کے دو ہیڈماسٹروں پر مشتمل ہو اور اس کمیٹی کی سفارشات کو منظور کیا جائے ۔

مخالفین کی ایک اور ناکامی

میرے دفتر کے عقب میں ایک متروکہ پلاٹ تھا جس پر میرا قبضہ تھا ۔ قصبے کے بعض حضرات اس پلاٹ پر نظر رکھے ہوئے تھے ۔ اسے الاٹ کرا کے اس پر دکان تعمیر کرانا چاہتے تھے ۔ میں اس معاملے میں بہت چوکس تھا اور ان لوگوں کی ہر کوشش کو ناکام بنا دیتا تھا ۔ اس پر اپنے قبضے کو قطعی شکل دینے کے لئے میں نے اس پر عمارت کا کچا ڈھانچہ کھڑا کردیا اور اپنے لڑکے ڈاکٹر اکرم کے نام الاٹمنٹ کے لئے درخواست گذار دی ۔ مولوی عبیداللہ جلال آبادی نے شد و مد کے ساتھ مخالفت شروع کردی ۔ ماسٹر فضل محمد ، امان اللہ اور اصغر اس کے ساتھ شامل ہوگئے ۔ شبیر ولد امیرالدین بھی اسی گروپ میں شامل ہو گیا ۔ کمیٹی کے اجلاس میں ایک ریزولیوشن پاس کرایا گیا جس میں کہا گیا کہ ایک ہفتے کا نوٹس دے کر اپنے صفائی کے عملے کے ذریعے کچی عمارت مسمار کردی جائے ۔ نوٹس ملنے پر میں ڈپٹی کمشنر ساہیوال کی خدمت میں پیش ہوا جنہوں نے میرے معروضات سماعت کرنے کے بعد ٹاؤن کمیٹی کے نام حکم امتناعی جاری کردیا ۔ جب ڈپٹی کمشنر کا یہ حکم امتناعی کمیٹی کو موصول ہوا تو مخالف ممبران اپنا سا منہ لے کر بیٹھ رہے ۔ ڈپٹی سٹلمنٹ کمشنر

حویلی کے دورے پر تشریف لائے انہیں موقعے کا معائنہ کرایا گیا ۔ مخالفین نے متعلقہ افسر کے کان بھرنے اور انہیں بھڑکانے کی ہر امکانی کوشش کی لیکن انہوں نے مخالفین کی مخالفت کو رد کر کے متنازعہ پلاٹ اکرم کے نام الاٹ کر دیا اور پلاٹ کی قیمت ادا کرنے اور دیگر متعلقہ واجبات داخل کرنے کا حکم جاری کر دیا ۔ چنانچہ تمام واجبات ادا کر کے بیع نامہ متعلقہ محکمے سے حاصل کر لیا گیا ۔ اس کے بعد مجوزہ تعمیر پر دس ہزار روپے خرچ ہوئے ۔ خیال یہ تھا کہ ریٹائرمنٹ کے بعد میں اس دکان میں کاروبار شروع کروں گا اور جب کوئی لڑکا ملازمت سے ریٹائر ہو گا تو وہ یہ کاروبار سنبھال لے گا ۔

چند ناقابلِ فراموش باتیں

متعدد سربرآوردہ حضرات نے ہمارے اسکول کی تعلیمی اور دیگر سرگرمیوں کو مختلف اوقات میں ہمیشہ سراہا اور عملے کی خدمات کو زبردست خراج تحسین پیش کیا ۔ اس موقعے پر چند واقعات کا ذکر نامناسب نہ ہو گا ۔

سنہ ۱۹۶۱ء میں یوم والدین اور جلسۂ تقسیم انعامات شاندار طریقے پر منعقد کیا گیا ۔ اس تقریب کی صدارت میاں محمد یسین وٹو وزیر تعلیم نے کی ۔ چونکہ میاں صاحب خود اس اسکول کے اولڈ بوائے تھے اور ان کے خاندان کے بیشتر بچے اسی ادارے سے تعلیم حاصل کرتے رہے ہیں اس لئے میاں صاحب کو اپنے اس قدیم ادارے کی تقریب کی صدارت کے فرائض انجام دینے کی بے حد خوشی ہوئی ۔ انہوں نے اسکول کی تعلیمی سرگرمیوں ، بچوں کی تقاریر ، اسکول کے نتائج اور جسمانی ورزشیں دیکھ کر انتہائی مسرت کا اظہار کیا ۔ اپنی صدارتی تقریر میں پورے اسٹاف اور میری انتھک کوششوں کے حوصلہ افزا ٹھوس نتائج کی بہت تعریف کی ۔ انہوں نے اس موقعے پر اسکول کے یتیم اور نادار بچوں کی کتابوں اور فیس وغیرہ کے لئے ایک گراں قدر عطیہ عنایت فرمانے کے علاوہ ہر طرح کی امداد کا وعدہ بھی فرمایا ۔ ان کے اس حوصلہ افزا رویے سے اسکول کے تدریسی اور دیگر عملے کی کارکردگی اور پرخلوص سرگرمیوں میں مزید اضافہ ہوا ۔

ایک دفعہ ڈویژنل انسپکٹر ملتان جناب فاروقی نے میرے اسکول کا معائنہ کرنے کے بعد اعلیٰ کارکردگی سے متاثر ہو کر اپنے ڈویژن کے سب سے بڑے اور مشہور میونسپل ہائی اسکول گوجرہ کی ہیڈ ماسٹری کی پیشکش فرمائی ، ان کی اس حوصلہ افزا اور قدرشاس پیشکش کو میں اپنی ذاتی مجبوریوں کے باعث قبول نہ کر سکا ۔

سنہ ۱۹۶۸ء میں چوہدری مظفر قادر ڈپٹی کمشنر ساہیوال کو اسکول کے جلسۂ تقسیمِ انعامات کی صدارت کرنے کی دعوت دی گئی جسے انہوں نے بخوشی قبول فرمایا انہوں نے بھی اسکول کے نتائج، سرگرمیوں اور بچوں کی تعلیمی، ذہنی، جسمانی، اخلاقی اور مذہبی تعلیم و تربیت دیکھ کر انتہائی مسرت کا اظہار فرمایا اور ایک ٹیوب ویل اور اسکول کی عمارت میں توسیع کے لئے دو کمروں کی تعمیر کا وعدہ فرمایا اور تین ماہ کے اندر اندر ان وعدوں کو عملی جامہ پہنادیا۔

ہمارے اسکول کی دسویں جماعت کے طالبِ علم میٹرک کا امتحان دینے کے لئے ہر سال پاک پتن جایا کرتے تھے جس کی وجہ سے طلباء کو، مجھے اور ان کے والدین کو بڑی پریشانیوں اور دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ علاوہ ازیں طلباء کے والدین اور سرپرستوں پر مزید مالی اخراجات کا بوجھ بھی بڑھ جاتا تھا۔ ظاہر ہے وہاں طالبِ علموں کے لئے معقول رہائش اور خوراک کا انتظام کرنا پڑتا تھا۔ نگرانی کے لئے اساتذہ کو ان کے ہمراہ بھیجنا پڑتا تھا بعض دفعہ خود جانا پڑتا تھا۔ اس وجہ سے اسکول کو اضافی اخراجات برداشت کرنا پڑتے تھے۔ ان پریشانیوں سے نجات حاصل کرنے کے لئے میں نے کافی دوڑ دھوپ کے بعد سنہ ۱۹۶۹ء میں بورڈ سے اپنے اسکول میں سنٹر منظور کرالیا۔ اور امیدواروں کو ہال میں بٹھانے کے لئے چوہدری منظور قادر ڈپٹی کمشنر کی معرفت کافی فرنیچر ڈسٹرکٹ بورڈ سے حاصل کرلیا۔ اس طرح طلباء، اسٹاف اور طلباء کے سرپرستوں کو بہت زیادہ ذہنی سکون اور اطمینان بھی ہوا اور طلباء کے سرپرست مزید اخراجات سے بچ گئے۔

مسٹر مظفر قادر ہمارے اسکول کی تعلیمی اور غیر تعلیمی سرگرمیوں سے اتنا زیادہ خوش تھے کہ انہوں نے ہمارے اسکول کو ضلع کا ماڈل اسکول بنانے کا وعدہ فرمایا تھا۔ اس کے علاوہ میں جب کبھی بھی ان سے اسکول کے لئے کسی سہولت یا مراعات کے لئے استدعا کرتا وہ فوراً منظور کرنے کا حکم جاری کردیتے۔ اسٹاف میں

بھی انہوں نے میری درخواست پر کافی اضافہ کردیا۔ چنانچہ جب میں ریٹائر ہوا تو اسکول کا اسٹاف بتیس اساتذہ پر مشتمل تھا۔

سنہ ۱۹۷۰ء میں جب ڈویژنل انسپکٹر ملتان علامہ شبیر بخاری نے ہمارے اسکول کا معائنہ کیا تو وہ ہمارے اسکول کی اچھی کارگذاری سے اتنے زیادہ متاثر ہوئے کہ وہ ڈویژن کے دوسرے اسکولوں کے ہیڈماسٹروں کو ہمارا اسکول دیکھنے کی ترغیب دیا کرتے تھے۔ جہاں جاتے ہمارے اسکول کی تعریف کرتے اکثر اساتذہ کی اسناد پر "Good" ریمارکس لکھتے میری سند پر "Excellent" (نہایت شاندار) " ریمارک تحریر فرماگئے۔ ایسا ریمارک صوبے بھر میں کسی دوسرے ہیڈماسٹر کو نہیں ملا۔

حرفِ آخر

یہ ہے میری سرگذشت، مجھے اس حقیقت کے اعتراف میں قطعی کوئی جھجک محسوس نہیں ہوتی کہ میں نے اپنی زندگی میں کوئی بڑا تیر نہیں مارا۔ اور تیر مار بھی کیسے سکتا تھا کیونکہ جب ذرا ہوش سنبھالا تو باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ قریبی عزیزداروں میں کوئی ایسا نہیں تھا جو میری سرپرستی کرتا تو کجا میرے سر پر دستِ شفقت ہی پھیرتا۔ لے دے کے ایک چچا تھے انہوں نے نہ صرف میرے والد کے حصے کی اراضی پر قبضہ کرلیا بلکہ میری والدہ کا زیور بھی دبا لیا تھا۔ کچھ دنوں بعد والدہ بھی جو کسی نہ کسی طرح محنت کر کے میری اور میری چھوٹی بہن کی کفالت کرتی تھیں داغِ مفارقت دے کر اللہ کو پیاری ہوگئیں۔ اب میں اور میری چھوٹی بہن تنہا رہ گئے تھے۔ میں اکثر تنہائی میں سوچا کرتا تھا کہ

کیا مری کائنات میں کوئی مرے سوا نہیں

ان حالات میں جب سر چھپانے کی جگہ نہ ہو اور دو وقت کی روٹی کا کوئی انتظام نہ ہو، تعلیم حاصل کرنا تو کجا زندہ رہنا کارے دارد والی بات تھی۔ میں نے اسکول کی تعلیم کو خیرباد کہہ کر محنت مزدوری کی اور اس حالت میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ مجھے اچھی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے میں کتنے پاپڑ بیلنا پڑے اس کی تفصیلات آپ کتاب میں پڑھ چکے ہوں گے۔ ان حالات میں کوئی بہت زیادہ نمایاں مقام حاصل کرنا ناممکن نہ سہی مشکل ضرور تھا۔ ناممکن نہ سہی میں نے اس لئے کہا کہ بعض بڑے لوگوں نے ایسے ہی حالات سے گذر کر جن سے میں گذرا تھا، اعلیٰ ترین مناصب حاصل کئے تھے اگر میرے پیشِ نظر صرف میری اپنی ذات ہوتی اور بڑے مناصب کا حصول میرا نصب العین ہوتا تو شاید اس میدان میں بھی میں بالکل ناکام نہ رہتا۔ لیکن میں ایام

لغویت میں جن حالات سے گذرا تھا انہوں نے مولانا حالی کی اس نصیحت کہ "تیرنے والو ڈوبتوں کو تراؤ" پر عمل کرنے کی ترغیب دی۔ میں نے تعلیم کے دوران بھی اور تعلیم کی تکمیل کے بعد بھی ہمیشہ یہی سوچا کہ اس معاشرے میں چوہدری عطاالہی واحد شخص نہیں بلکہ ہزاروں اور لاکھوں بے سہارا ایسے بچے ہوں گے جنہیں اگر تعلیم و تربیت کے مواقع فراہم ہوجائیں تو وہ معاشرے کے لئے اثاثہ ثابت ہوں۔ مجھے شروع ہی سے یہ احساس تھا کہ ماں کی گود کے بعد بچوں کی ذہنی نشوونما اور کردار سازی کا سب سے بڑا اور مؤثر گہوارہ ایک اچھا اسکول ہے اور ہر بچے کو بالخصوص بے سہارا یا کم مایہ والدین کے بچوں کو اچھی ابتدائی تعلیم ملنا چاہیئے۔ اس احساس میں سماجی شعور کی آمیزش نے مجھے درس و تدریس کے پیشے کو اختیار کرنے پر آمادہ کیا ورنہ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد کسی اور محکمے میں بھی جاسکتا تھا یا محکمۂ تعلیم ہی میں سرکاری ملازمت حاصل کر کے بڑا افسر بن سکتا تھا۔ مجھے بارہا محکمۂ تعلیم میں پیشکشیں بھی ہوئیں لیکن میں نے ہائی اسکولوں کی ہیڈماسٹری کو ترجیح دی۔

مجھے خوشی ہے کہ میں نے قیامِ پاکستان سے پہلے فاضلکا میں جو اب مشرقی پنجاب کا حصہ ہے، پرائمری اسکول کو مڈل اسکول اور پھر اسے مسلم ہائی اسکول فاضلکا بنادیا۔ اور اگر پاکستان نہ بنتا تو مسلم ہائی اسکول فاضلکا یقینی طور پر کالج کا درجہ حاصل کرلیتا۔ جیسا کہ آپ نے گذشتہ صفحات میں پڑھا ہوگا کہ مسلم ہائی اسکول فاضلکا اپنے علاقے کا ہر حیثیت سے ایک بہترین ہائی اسکول بن گیا تھا۔ جس کے میٹرک کا نتیجہ سو فیصد تک ہوگیا تھا۔ بیشتر طالبِ علم فرسٹ ڈویژن اور سیکنڈ ڈویژن میں کامیاب ہوتے تھے۔ تھرڈ ڈویژن میں کامیاب ہونے والے اِکا دکا طالبِ علم ہوتے تھے۔ اسی طرح قیامِ پاکستان کے بعد حویلی کے ڈسٹرکٹ بورڈ کے ہائی اسکول نے بھی ہر شعبے میں دن دونی رات چوگنی ترقی کی۔ میں اگر کسی دوسرے محکمے میں یا محکمۂ تعلیم ہی میں کسی ایگزیکٹو پوسٹ پر تعینات ہوتا تو میرا منصب اور آمدنی

تو ضرور بڑھ جاتی لیکن تعلیم کی توسیع اور تعلیم کے معیار کو ترقی دینے میں اتنی کامیابی نصیب نہ ہوتی ۔

یہ بات میں بلاخوفِ تردید اور بڑے فخر سے کہہ سکتا ہوں کہ مسلم ہائی اسکول فاضلکا اور حویلی کے بورڈ کے ہائی اسکول سے فارغ ہو کر بلاشبہ ہزاروں لڑکے نہ صرف زیورِ علم سے آراستہ ہوئے بلکہ ان میں سے بیسیوں نے اچھے مناصب حاصل کئے ۔ بیشتر فارغ التحصیل طلباء بہت اچھے اور باشعور شہری بنے ۔ علاوہ بریں فاضلکا اور حویلی دونوں میں بہت سے نادار ، یتیم بچوں کی تعلیم کا نہ صرف مفت انتظام کیا گیا بلکہ انہیں کتابیں اور متعلقہ اسٹیشنری کا سامان بھی فراہم کیا گیا ۔ اب ان میں سے بیشتر باعزت اور کامیاب زندگی گذار رہے ہیں ۔

مجھے مجموعی طور پر ہمیشہ اچھے ، لائق فائق ، مخلص اور محنتی اساتذہ کی رفاقت حاصل رہی ۔ ان کے تعاون کی وجہ سے میں متعلقہ اسکولوں میں تعلیمی معیار بلند کرنے ، طلباء کی کردار سازی میں مثبت کردار ادا کرنے ، بہت سی بری رسموں ، غیرمذہبی طور طریقوں کے انسداد اور خاتمے کے لئے اپنے اسکول کے باشعور اور باہمت طلباء پیدا کرنے کے قابل ہوا ۔ یہ صحیح ہے کہ کبھی کبھی اساتذہ کے روپ میں بعض بدنہاد ، خودغرض اور لالچی افراد بھی ہمارے اسٹاف میں شامل ہوجاتے تھے جنہیں جب ان کی مذموم حرکتوں سے روکا جاتا تو وہ شرپسند گروپ بنا کر سازشیں کرتے تھے لیکن ان بدنہاد اور گندم نما جوفروشوں کو ہمیشہ ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا ۔ چند ایک تو راہِ راست پر آگئے لیکن بقیہ دوسرے اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے ۔ حقیقت یہ ہے کہ کس ٹیم اور بھیڑوں کے گلے میں کالی بھیڑیں نہیں ہوتیں ۔ اب جب کہ میری زندگی کا سورج غروب ہونے کے قریب ہے مجھے اس بات کی دلی مسرت ہے کہ میں نے ساری زندگی تعلیم کو فروغ دینے میں انتھک اور مخلصانہ جدوجہد کی جسے اربابِ اقتدار سے لے کر معاشرے کے سربراور دہ افراد اور عام لوگوں نے ہمیشہ قدر و منزلت کی نظر

سے دیکھا ۔ دراصل یہ سب سے بڑا صلہ ہے میری اس تعلیمی جدوجہد کا ۔

آخر میں مجھے اپنے شاگردوں اور اپنی اولاد کو یہ نصیحت کرنا ہے کہ وہ جہاں بھی رہیں اور جو بھی پیشہ اختیار کریں خدمتِ خلق کے جذبے کو اپنا رہنما اور نصب العین بنائیں اور ان کی بےلوث خدمت کریں ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوق بنایا اور اسے احسن التقویم کا لقب دیا ہے ۔ اللہ تعالیٰ کے اس شاہکار کی خدمت کرنے سے اور اس کی دیکھ بھال کرنے سے اس شاہکار کے خالق کو مسرت ہوگی اور اس کی خوشنودی کے حصول کا ایک یقینی سبب بنے گی ۔

* * * * * * * * * * * * *

میرے والد

کچھ یادیں کچھ باتیں

ڈاکٹر محمد اکرم خاں ایف - آر - سی - ایس

میرے والدِ گرامی نہ صرف اس نظریئے کے قائل تھے بلکہ ساری عمر سختی سے اس پر عمل پیرا بھی رہے کہ بچے گیلی مٹی یا کچی لکڑی کے مانند ہوتے ہیں کہ انہیں جس شکل میں ڈھال دو یا جس طرف چاہے موڑ دو وہ آسانی سے وہی شکل و صورت اختیار کر لیں گے جیسی آپ چاہتے ہیں ۔ مٹی سوکھنے یا لکڑی خشک ہونے کے بعد وہ مٹی کے سخت ڈھیلے یا خشک لکڑی کی صورت اختیار کر لیتے ہیں جو ٹوٹ تو سکتے ہیں لیکن آپ کی مرضی کے مطابق ڈھل نہیں سکتے ۔ غالباً اسی وجہ سے وہ بچوں کی تعلیم و تربیت پر اور انہیں نظم و ضبط کا پابند بنانے کی کبھی نرمی اور شفقت سے اور کبھی بحالتِ مجبوری سختی سے کام لیتے تھے ۔ ان کی نظر میں دین و دنیا کا چولی دامن کا ساتھ تھا ۔ چونکہ وہ خود بھی ایک دیندار تھے اس لئے وہ اپنے بچوں اور طالبِ علموں کو دنیوی اور دینی تعلیم دینے اور ابتداء ہی سے ان میں دینی نشوونما کے ساتھ ساتھ حسنِ کردار کو فروغ دینے کی جد و جہد بھی کرتے تھے ۔ ان کے نزدیک دینی و دنیوی تعلیم حسنِ کردار کے بغیر بسا اوقات خود اپنے لئے بھی اور معاشرے کے لئے مفید ثابت نہیں ہوتی ۔ اسی وجہ سے پرائمری تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم سے روشناس کرانے کے لئے صبح سویرے سخت سردی کے باوجود ہمیں مدرسہ انوارالعلوم بھیجا جاتا تھا جہاں ہم روزانہ ایک گھنٹے قرآن شریف کی تعلیم حاصل کرتے تھے ۔ قرآن شریف کی تعلیم کی وجہ سے ہمیں صاف ستھرا رہنے کی عادت کم عمری ہی سے پڑ گئی تھی ۔ قرآن شریف کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ہم پرائمری اسکول جاتے تھے ۔ اس طرح ہمارے ذہنوں

میں یہ خیال ابتداء ہی سے جاگزیں ہو جاتا تھا کہ پہلے دین پھر دنیا ۔

قرآن شریف کی تعلیم کے ساتھ ہمیں نماز پڑھنے کا بھی سختی سے پابند بنایا جاتا بچپن کی وجہ سے اگر کبھی نماز پڑھنے میں کاہلی یا بےپروائی کرتے تو سخت سرزنش کی جاتی ۔ بعض دفعہ نماز پڑھنے میں کاہلی یا تساہل کرنے کی وجہ سے ہماری پٹائی بھی ہو جاتی تھی ۔ یہ معلوم کرنے کے لئے کہ ہم پابندی سے نماز پڑھتے ہیں یا نہیں ، ہمیں ایک چھوٹی سی نوٹ بک بنا کر دی جاتی تھی تاکہ ہم جس مسجد میں نماز پڑھیں وہاں کے امام سے دستخط کرالیں ۔ اس طریقۂ کار کی وجہ سے ہم سب پابندی سے نماز ادا کرتے تھے ۔ اس طرح ابتداء ہی سے ہماری دینی تعلیم و تربیت کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا ۔

جیسا میں نے پہلے عرض کیا کہ والدِ محترم دینی و دنیوی تعلیم کے ساتھ ساتھ تعلیمی نظم و ضبط اور اساتذہ کی عزت و احترام پر بہت زیادہ زور دیتے تھے ۔ اس معاملے میں وہ اپنے پرائے میں کسی قسم کا امتیاز نہیں برتتے تھے ۔ معمولی فروگذاشتوں کو وہ کبھی کبھار نظر انداز بھی کر دیتے تھے لیکن اگر کوئی طالبِ علم تعلیمی نظم و ضبط میں خلل ڈالتا یا کسی استاد سے بدتمیزی کرتا تو وہ اس سے انتہائی سختی سے پیش آتے ۔ اس سلسلے میں وہ کسی کی سفارش سننے کو تیار نہیں ہوتے تھے ۔ ان کے نزدیک جہاں تعلیم کا مقصد خواہ وہ دینی تعلیم ہو یا دنیوی ، طالبِ علم کی فطری و ذہنی صلاحیتوں کو اجاگر کرنا اور ان کو جلا دینا تھا وہیں ان کے کردار کو سنوارنا ، حسنِ اخلاق اور تہذیب و شائستگی کے جوہروں سے آراستہ کرنا بھی تھا ۔ ایک دفعہ ہماری کلاس کے ایک گستاخ لڑکے نے ایک استاد پر ہاتھ اٹھایا ۔ واقعی یہ نہایت سنگین مسئلہ تھا ۔ اس وقت وہ اسکول کے ہیڈ ماسٹر تھے ۔ جیسے ہی انہیں اس واقعے کی اطلاع ہوئی انہوں نے اس لڑکے کو سزا کے طور پر اسکول سے نکال دیا ۔ وہ لڑکا غالباً کسی بااثر شخصیت کا قریبی رشتے دار تھا ۔ اس کو اسکول میں دوبارہ واپس لینے کے لئے شہر کے بااثر

لوگوں نے سفارشیں کیں لیکن وہ اس سلسلے میں کسی کی سفارش سننے کو تیار نہیں تھے۔ تاہم جب شہر کی اہم شخصیتیں ان کے پاس ایک وفد کی صورت میں آئیں اور ان سے بڑی لجاجت سے التجا کی کہ اگر اس لڑکے کو واپس نہ لیا گیا تو ممکن ہے وہ تعلیم سے محروم ہو کر بدچلن یا آوارہ ہو جائے اور اگر اسے واپس لے لیا جائے تو بہت ممکن ہے اس تلخ تجربے کے بعد وہ راہِ راست پر آجائے۔ معززین کے اصرار اور اس یقین دہانی پر کہ وہ اپنی غلطی پر دل سے نادم ہے اور آئندہ اس قسم کی بیہودگی کا ارتکاب نہیں کرے گا، انہوں نے شرط عائد کردی کہ اگر وہ سزا بھگتنے کو تیار ہو تو اسے اسکول میں دوبارہ لیا جا سکتا ہے۔ سزا یہ تجویز ہوئی کہ صبح کے وقت جب پورا اسکول کھڑا ہوتا ہے تو پورے اسکول کے سامنے اسے میز پر الٹا لٹا کر بیس قمچیاں لگائی جائیں گی نیز وہ متعلقہ استاد سے معافی مانگے گا۔ متعلقہ طالب علم اور اس کے سفارش کنندگان نے یہ سزا قبول کر لی۔ اسے مجوزہ سزا دینے کے بعد اسکول میں دوبارہ داخل کر لیا گیا۔ اس سزا کے بعد وہ سدھر گیا۔ آج کل ایک اعلیٰ سرکاری عہدے پر فائز ہے۔

میرے والد نظم و ضبط کے سختی سے پابند تھے۔ ذرا سی بھی بدنظمی اور بےقاعدگی کو پسند نہیں کرتے تھے۔ بدنظمی کے مرتکب طلباء کو سخت سزا دینے سے بھی گریز نہیں کرتے تھے۔ ایک دفعہ کسی غیرسرکاری تہوار پر بعض اسکولوں میں چھٹی ہو گئی۔ ان کے اسکول کے طلباء نے بھی اس دن چھٹی کرنے کا مطالبہ کیا اور بدنظمی کا مظاہرہ کیا۔ انہوں نے پہلے تو تمام طلباء کو اپنی اپنی کلاسوں میں جانے کی ہدایت کی پھر اسکول کے پی۔ ٹی ماسٹر مبارک حسین صاحب کو، جنہیں ان کا سپہ سالار سمجھا جاتا تھا، ساتھ لیا اور پانچویں جماعت سے شروع ہوئے۔ ہر جماعت کے طلباء کو کلاس سے باہر بلوا کر کان پکڑوائے اور پھر قمچیوں سے کلاس کی پٹائی کی۔ یکے بعد دیگرے ہر کلاس کے ساتھ یہی سلوک کیا گیا۔ اس کے بعد پھر کسی نے ناجائز

چھٹی کا مطالبہ نہیں کیا اور نہ بدنظمی پیدا کرنے کی کوشش کی۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ تعلیم و تربیت اور نظم و ضبط کے معاملے میں سخت تھے۔ جو اس وقت کے حالات کے تحت ضروری بھی تھا۔ بہت سے شریر اور بےقابو طالب علم سختی کے بغیر راہِ راست پر بھی نہیں آتے تھے۔ بعض اوقات وہ طالب علموں کی ٹھکائی بھی کردیتے تھے لیکن چونکہ ان کے دل میں طلباء کے لئے نرم گوشہ تھا اس لئے شام کو جب گھر واپس آتے تو لہجے اور رویے میں نرمی نمایاں طور پر نظر آتی اور پھر ہمیں اس بچے کے گھر گھی، دودھ اور شکر دے کر بھیجتے۔ ان کے اس رویے سے جہاں طالب علم نظم و ضبط کی پابندی کرتے وہیں ان کے مشفقانہ رویے سے ان کا دل سے احترام بھی کرتے تھے۔

دوسرے طالب علموں کی طرح ہمارے ساتھ بھی نظم و ضبط اور تعلیم کے معاملے میں ان کا رویہ بہت سخت تھا۔ وہ ہم لوگوں سے بھی ذرا سی بدنظمی اور بےقاعدگی برداشت نہیں کرتے بلکہ بعض اوقات زیادہ سخت رویہ اختیار کرتے تھے۔ انہیں تقریری مقابلوں سے بہت زیادہ دلچسپی تھی۔ خطابت سے انہیں فطری لگاؤ تھا۔ علی گڑھ کی فضا نے ان کے اس شوق کو مزید جلا دی۔ جس وقت انہوں نے اپنی تعلیم مکمل کی تھی اس وقت پورے ہندوستان میں سیاسی سرگرمیاں عروج پر تھیں۔ مسلم لیگ کی تنظیمِ نو شروع ہو چکی تھی اور ان کی دوربین نظروں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ جلد ہی مسلمانوں کو ایک آزاد قوم کی حیثیت سے اپنا وجود منوانے کے لئے عملی جد و جہد کرنا پڑے گی۔ اس لئے وہ اسکولوں میں تقریری مقابلوں کو بہت زیادہ ضروری سمجھتے تھے۔ تقریری مقابلوں میں حصہ لینے کے قابل بننے کے لئے ہمیں تقریریں لکھ کر دی جاتی تھیں۔ ہم ان تقریروں کو رٹ لیتے تھے۔ کھانے سے پہلے کھڑے ہو کر باقاعدہ تقریر سنتے تھے۔ تقریر سننے کے بعد یہ بھی بتاتے تھے کہ کس مقام پر ٹھہرنا ہے کہاں آواز بلند کرنا ہے نیز الفاظ کا تلفظ صحیح کراتے تھے، اگر تقریر یاد ہوتی

تھی تو ایک روپیہ بطور انعام دیتے تھے اور اگر تقریر یاد نہ ہوتی تھی تو اس وقت تک کھانا نہیں ملتا تھا جب تک ہم تقریر یاد کر کے سنا نہیں دیتے تھے ۔ دوسرے شہروں میں تقریری مقابلوں میں شرکت کرنے کے لئے شیروانی اور ٹوپی پہنا کر لے جاتے ۔ ہم نے جن شہروں میں تقریری مقابلے جیتے ان میں گورنمنٹ ہائی اسکول پاک پٹن ، برلا ہائی اسکول اوکاڑہ اور گورنمنٹ ہائی اسکول ساہیوال شامل ہیں ۔

بچوں کے دلوں میں قومی آزادی کی اہمیت اجاگر کرنے اور آزادی کی قدر و قیمت سے انہیں روشناس کرانے کے لئے یومِ آزادی کے موقع پر جشن کا سا سماں ہوتا تھا ۔ اسکول کے تمام بچے اسکول کے بینڈ کے ساتھ حویلی کے تمام بازاروں میں مارچ کرتے ہوئے تھانہ حویلی پر آکر ٹھہر جاتے تھے ۔ یہاں بچے پورے اجتماع کے سامنے یومِ آزادی کے متعلق پرجوش تقریریں کرتے تھے اور قومی ترانے بجائے جاتے تھے ۔ اس کے علاوہ بوائے اسکاؤٹ کے کیمپ لگائے جاتے تھے ۔ ہر سال مری میں بوائے اسکاؤٹس جمبوری میں کیمپ لگائے جاتے تھے ۔

اسکول کی تعلیم کے علاوہ گھر پر بھی وہ بچوں کی تعلیم و تربیت کو بہت زیادہ اہمیت دیتے تھے ۔ انہوں نے ہم لوگوں کو بھی بے ناتھے بیل کی طرح نہیں چھوڑا ۔ ان کی ہدایت کے مطابق ہم سب سورج غروب ہونے سے پہلے لازمی طور پر گھر واپس آجاتے تھے ۔ رات کو سب بہن بھائیوں کو پڑھانے میں ذاتی دلچسپی لینا ان کا روز کا معمول تھا ۔ ان کے اس عمل کی وجہ سے ہم سب نظم و ضبط کے اور باقاعدگی سے گھر پر پڑھنے لکھنے کے عادی ہو گئے ۔ ان کا یہ رویہ صرف اپنی اولاد تک محدود و مخصوص نہیں تھا ، بلکہ دوسرے طالبِ علموں کی تعلیم پر بھی خصوصی توجہ دیتے تھے ۔ تعطیلات کے دوران بھی دسویں جماعت کے طالبِ علموں کو امتحان کی تیاری کراتے تھے تاکہ ان کے اسکول کا نتیجہ اچھا رہے اور طلباء اچھے ڈویژن میں کامیاب ہوں ۔ ہم لوگوں کو بھی تعطیلات کے دوران مقررہ اوقات میں باقاعدگی سے پڑھاتے تھے ۔

پڑھنے سے جی چرانے والوں کو سزا بھی دیتے تھے ۔ بہت زیادہ بے توجہی کرنے والوں کو اکثر مرغا بنا دیتے اور خود اطمینان سے اخبار پڑھتے رہتے تھے ۔ ایک دفعہ میرے چھوٹے بھائی کو کان پکڑوا کے مرغا بنا دیا ۔ گاؤں کے گھروں میں مرغیاں پالنے کا عام رواج تھا ۔ ہمارے یہاں بھی مرغیاں پلی ہوئی تھیں ۔ ایک مرغے کو خدا جانے کیا سوجھی کہ دوڑتا ہوا آیا اور اس زور سے اس کے سر پر ٹھونگ ماری کہ سرے سے خون نکلنے لگا ۔ وہ تو بلبلا کر رونے لگا لیکن اس مرغے کی حرکت پر ہم سب ہنسنے لگے کیونکہ یہ صاحب اکثر ہم لوگوں کی جھوٹی سچی شکایتیں کیا کرتے تھے ۔ مرغے کی اس ٹھونگ کی وجہ سے اس وقت اسے مرغا بنے رہنے کی مصیبت سے نجات مل گئی ۔

ہمارے والد تعلیم و تربیت اور نظم و ضبط کے معاملے میں اس قدر سخت گیر تھے کہ بعض اوقات غصے سے مغلوب ہو جاتے تھے ۔ بڑے بھائی کو کبھی کبھی دیر سے گھر آنے پر والد صاحب کئی مرتبہ ڈانٹ ڈپٹ کر چکے تھے ۔ پھر بھی وہ ایک دفعہ جب دیر سے آئے تو خدا جانے والد صاحب کس موڈ میں تھے کہ اس مرتبہ وہ لتنے طیش میں آئے کے بندوق اٹھا کر ان کے پیچھے بھاگنا شروع کر دیا ۔ ہم لوگ خوف سے تھر تھر کانپنے لگے کہ کہیں وہ انہیں شوٹ نہ کر دیں ۔ بھائی آگے آگے اور ہم سب ان کے پیچھے پیچھے تھے ۔ پورے گھر میں ایک تہلکہ مچا ہوا تھا ۔ بالآخر بڑی مشکل سے سب نے مل کر ان کے ہاتھ سے بندوق لی ، ان کے پاؤں پکڑے اور ان کا غصہ ٹھنڈا کیا ۔

اسی طرح ایک دفعہ کسی شرارت پر انہوں نے میری اور میرے ایک ساتھی کی اسکول کے دفتر میں دروازہ بند کر کے قمچیوں سے خوب پٹائی کی ۔ اسکول کے تمام ماسٹر ہمیں چھڑانے آئے لیکن انہوں نے دروازہ نہیں کھولا ۔ بالآخر بعض اساتذہ ان کے ایک قریبی بزرگ دوست کو ان کے گھر سے جو اسکول کے قریب ہی واقع تھا ، بلا کر لائے ۔ ان کے اصرار پر انہوں نے دروازہ کھولا ۔ گھر آئے تو شفقتِ پدری جوش میں آئی ۔ ہمیں پیار کیا اور دودھ جلیبیاں کھلائیں اور میرے ساتھی کے لئے بھی اس

کے گھر دودھ جلیبیاں بھیجیں ۔

میں نے سنہ ۱۹۵۸ء میں پورے ضلع میں امتیاز کے ساتھ میٹرک پاس کیا ۔ میری اس کامیابی پر بہت زیادہ خوش تھے ۔ گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلے کے لئے مجھے خود لے کر گئے ۔ داخلہ ملنے پر مجھے احساس دلایا کہ اس درس گاہ میں ان کے زمانے میں بڑی مشکل سے داخلہ ملتا تھا تم خوش قسمت ہو کہ تمہیں یہاں داخلہ مل گیا ۔ مزید دل لگا کر پڑھنے کی تلقین کی ۔ ایف ۔ ایس سی کے بعد داخلے میں تھوڑی دقت پیش آئی تو وہ بہت زیادہ رنجیدہ ہوئے ۔ ان کا خیال تھا کہ میں نے ایف ۔ ایس سی کے امتحان میں ان کی توقعات کے مطابق کامیابی حاصل نہیں کی ۔ میں بھی والد صاحب کی ناراضگی کی وجہ سے کافی بجھا بجھا سا تھا ۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ بغیر سفارش کے مجھے ڈھاکے میں انٹرونگ اسکالرشپ مل گیا ۔ جب میں نے انہیں یہ خوشخبری سنائی تو پہلے تو بہت خوش ہوئے ، مجھے گلے سے لگایا اور تھوڑی دیر بعد اچانک رونا شروع کر دیا ۔ میں اور گھر والے سب حیرت زدہ ہو گئے کہ وہ اس خوشی کے موقع پر رو کیوں رہے ہیں ۔ پھر خود ہی بولے "بیٹے میں تمہیں اتنی دور نہیں بھیجوں گا ۔ تم یہیں تعلیم مکمل کرو ۔" آخر میری ضد پر وہ بادل نخواستہ راضی ہو گئے ۔ ڈاکٹر بن کر جب میں کراچی میں تعینات ہوا تو میں انہیں اپنے پاس رہنے کے لئے بڑی مشکل سے کراچی لے کر آتا تھا لیکن تین چار روز کے بعد سے ہی وہ واپس جانے کی ضد کرتے کہ یہاں میرا دل بالکل نہیں لگتا ۔ وہ ایک عرصے سے حج کرنے کی سعادت حاصل کرنے کے لئے بیتاب تھے ۔ میں سنہ ۱۹۶۲ء میں جب لیبیا گیا تو میں نے پہلی تنخواہ ملتے ہی انہیں حج کے لئے ہوائی جہاز کا ٹکٹ بھیجا ۔ ان کی دلی مراد برآئی مجھے ہزاروں دعائیں دیں اور سب سے پہلے سجدۂ شکر ادا کیا ۔ ان کی تربیت اور دعاؤں ہی کا نتیجہ تھا کہ سنہ ۱۹۷۵ء میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے برطانیہ گیا ۔ وہاں سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد ایف ۔ آر ۔ سی ۔ ایس کیا ۔ ان کے دل میں اپنے ملک اور اپنے

لوگوں کی خدمت کرنے کا جذبہ ہمیشہ موجزن رہا ۔ انہوں نے اس جذبے کی تسکین کے لئے درس و تدریس کا پیشہ اختیار کیا تھا ورنہ وہ اپنی صلاحیتوں اور تعلیم کی وجہ سے اعلیٰ انتظامی مناصب پر بآسانی فائز ہو سکتے تھے ۔ جب میں انگلستان میں تھا تو وہ اکثر و بیشتر مجھے خطوط کے ذریعے تلقین کیا کرتے تھے کہ اپنے ملک واپس آکر اپنی قوم کی اور اپنے لوگوں کی خدمت کروں ۔ انگریزوں کا ملک چھوڑ دوں ۔ ان کے بے حد اصرار پر بالآخر میں سنہ ۱۹۸۲ء میں پاکستان واپس آگیا ۔ یہاں بھی مجھے تلقین کیا کرتے تھے کہ اپنے علم اور ہنر سے پسماندہ اور غریب عوام کی خدمت کرنا نہ بھولنا مخلوق خدا کی بے لوث خدمت کرنا تمہارا دینی ، سماجی اور اخلاقی فرض ہے ۔

سنہ ۱۹۷۱ء میں میرا چھوٹا بھائی کرنل انور خان پاک بھارت جنگ میں سقوط ڈھاکہ کے بعد جنگی قیدی بن گیا جس کی وجہ سے وہ بہت زیادہ غم زدہ رہتے تھے ۔ اکثر رونا شروع کر دیتے تھے ۔ ہمیں بار بار ریڈکراس کے ذریعے خطوط اور کھانے پینے کی چیزیں بھجوانے کی تاکید کرتے رہتے تھے ۔ ہم لیبیا سے بھی ریڈکراس کے ذریعے باقاعدگی سے کچھ چیزیں بھجواتے رہتے تھے ۔ تین سال گذارنے کے بعد کرنل انور خان حویلی واپس آئے تو پورے شہر نے بڑے جوش و خروش کے ساتھ ان کا استقبال کیا ۔ شاندار استقبال نے ان کے سارے غم بھلا دیئے ۔

انہیں بچوں سے بہت پیار تھا ۔ میں نے سنہ ۱۹۷۸ء میں اپنے دونوں لڑکوں (عمران ، عرفان) کو ان سے ملنے کے لئے حویلی بھیجا ۔ وہ بڑے فخر سے دونوں بچوں کی انگلی پکڑ کر بازار لے جاتے ۔ فرط مسرت سے اپنے کاروبار کا نام جو ان دنوں وہ کیا کرتے تھے "چوہدری عطاالہیٰ اینڈ گرانڈ سنز" رکھ دیا ۔

آخر عمر میں ان پر فالج کے مہلک مرض کا حملہ ہوا ۔ میں نے سنہ ۱۹۸۴ ۔ ۸۵ء کے دوران انہیں علاج کی غرض سے کراچی بلوالیا تا کہ میں یہاں ان کی زیادہ نگہداشت کر سکوں ۔ فالج کی وجہ سے وہ چلنے پھرنے سے بالکل معذور ہو گئے تھے ۔

میں انہیں اپنے کندھوں پر اٹھا کر گاڑی تک لایا ۔ جراحیہ ہسپتال میں ان کا آپریشن ہوا ۔ میں نے اور مجھ سے بڑھ کر میری شریکِ حیات نے حتی المقدور ان کی خدمت کی اور ان کی صحت یابی کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا ۔ علاج مکمل ہونے کے بعد انہوں نے حویلی واپس جانے کی ضد کی جہاں جا کر ان کی صحت فالج کی وجہ سے روز بروز گرتی رہی ۔ یہ محض اتفاق تھا یا دل کی لگن تھی کہ فروری سنہ ۱۹۸۶ء میں اچانک میرے دل میں بے چینی ہوئی ۔ میں ان سے ملنے کا ارادہ کر کے لاہور گیا وہاں سے چھوٹی بہن کو ساتھ لے کر حویلی گیا ۔ جیسے ہی ہم اپنے گھر کی گلی میں داخل ہوئے تو پڑوسیوں نے بتایا کہ انہوں نے ابھی ابھی مجھے کراچی فون کیا ہے ۔ انہیں حیرت تھی کہ میں اتنی جلد وہاں کیسے پہنچ گیا ۔ میں جیسے ہی گھر میں داخل ہوا تو صحن میں محلے والوں کا ہجوم دیکھ کر دل دھک سے ہو گیا ۔ بے ساختہ زبان سے نکلا اللہ خیر کرے ۔ والد صاحب لمبے لمبے سانس لے رہے تھے جن کی آواز دروازے تک آ رہی تھی ۔ میں کچھ دوائیں اپنے ساتھ لے گیا تھا جن کو میں نے ان پر استعمال کیا ۔ اچانک انہوں نے ذرا [illegible] آنکھ کھولی اور میری طرف دیکھا اور پھر ہمیشہ کے لئے آنکھ بند کر لی ۔

سچ ہے دل کو دل سے راہ ہوتی ہے جو مجھے بروقت کراچی سے حویلی کھینچ کر لے گئی اور آخر وقت بھی ان کی خدمت کرنے کی سعادت حاصل کر سکا ۔

****

والدِ محترم

(ریٹائرڈ) کرنل محمد انور خاں کے تاثرات

میں اپنی زندگی میں اگر کسی سے متاثر ہوا ہوں تو وہ میرے والدِ محترم کی شخصیت ہے بلکہ مجھے یہ کہنے میں ذرا سی بھی جھجھک محسوس نہیں ہوتی کہ وہ میری زندگی کے آئیڈیل تھے ۔ میرا یہ تاثر محض جذباتی نہیں ہے بلکہ اس کی ٹھوس وجوہ ہیں جو مختصراً درج ذیل ہیں :-

۱- ایک یتیم اور بے سہارا بچہ جو اپنے رشتے داروں کے ناروا سلوک سے تنگ آ کر اپنی موروثی جائیداد اور گھر بار چھوڑ کر اللہ کے آسرے پر نکل کھڑا ہوتا ہے اور بالکل زیرو لائن سے اپنی زندگی کا آغاز کرتا ہے ۔ اپنی محنت ، دیانت ، صداقت اور شرافت کی بنیاد پر پرائمری سے لے کر علی گڑھ تک پوسٹ گریجویشن کر کے اور ہر مرحلے پر نمایاں کامیابی حاصل کر کے ایک باعزت زندگی گذارنے کی بنیاد ڈالنے میں کامیاب ہو جاتا ہے ، کوئی معمولی بات نہیں ۔ یہ ان کی ہمت ، مسلسل جدوجہد ، خوداعتمادی اور اللہ کی ذات پر پورے بھروسے کی عکاس ہے جو دوسروں کے لئے مشعلِ راہ ہے ۔

۲- والدِ محترم انتہائی مشفق باپ ، بہترین استاد ، قابلِ اعتماد بہترین دوست اور ان سب سے بڑھ کر بہترین انسان تھے ۔ ان کے کردار کی سب سے بڑی اور نمایاں خوبی یہ تھی کہ ان کے ہزاروں شاگردوں ، ملنے والوں ، رفقائے کار اور بچوں میں سے جو تقریباً تیرہ تھے ، آپ جس کسی سے ملیں وہ ان کے بارے میں ایک ہی بات کہے گا کہ چوہدری صاحب کی مجھ پر ہمیشہ خصوصی نظرِ عنایت رہی ہے ۔ وہ میرا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے ۔ میں بھی کہوں گا کہ

این سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

۳ ۔ والدِ محترم نے ہمیشہ اپنے بچوں اور شاگردوں کو محنت کر کے رزقِ حلال کمانے کی تلقین کی ۔ خود بھی ساری زندگی اسی پر عمل کرتے رہے ۔ انہیں خوشامد اور کامچوری سے سخت نفرت تھی ۔ وہ یہی دو باتیں خاص طور سے اپنے بچوں اور شاگردوں میں پیدا کرنا چاہتے تھے ۔

۴ ۔ ان کے کردار کی ایک نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ وہ اپنے ارادے کے پکے بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ آہنی عزم رکھنے والے سچے اور کھرے انسان تھے ۔ غلط بات کو کسی قیمت پر برداشت نہیں کرتے تھے جس کی وجہ سے انہیں بسا اوقات سخت دشواریوں اور بااثر حلقوں کی شدید مخالفتوں کا بھی سامنا کرنا پڑا لیکن ان کے پائے استقامت میں کبھی لرزش نہیں آئی ۔ اپنے بچوں کی اصلاح اور صحیح تربیت کے لئے ضرورت پڑنے پر سختی سے بھی کام لیتے تھے ۔ ان کے دل میں تعلیم کی بڑی قدر تھی ان کی ہمیشہ یہی دلی خواہش رہی کہ ان کے بچے کم از کم پوسٹ گریجویشن کریں ۔ اس مقصد کے حصول کے لئے انہوں نے دن رات محنت کی اور بچوں کی تعلیم و تربیت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ۔ انہی کی محنت و ریاضت کا نتیجہ ہے کہ ہم سب بہن بھائی باعزت زندگی گذار رہے ہیں ۔

۵ ۔ ایک دفعہ میں نے اپنے ایک دوست کے کہنے پر گھر سے سالانہ امتحان کے ایک مضمون کا پرچہ نکال کر اسے دے دیا لیکن امتحان شروع ہونے سے پہلے والدصاحب کو اس کا پتہ لگ گیا ۔ انہوں نے پرچہ منسوخ کردیا ۔ تحقیق کرنے پر والدصاحب کو پتہ چلا کہ یہ حرکت میری تھی تو انہوں نے میری خوب پٹائی کی ۔ اس وقت ان کی ایک بات میرے دل میں اتر گئی جو ہمیشہ میرے دماغ میں گونجتی رہی

اور میری فوجی زندگی میں کام آئی ۔ انہوں نے کہا تھا کہ جو بچہ اپنے باپ کا وفادار نہیں وہ ملک و قوم کا وفادار کیسے رہ سکتا ہے ۔ میں نے ان سے تہہِ دل سے معافی مانگی اور آئندہ شکایت کا موقع نہیں دیا ۔

۶ ۔ ان کی محبت کی چاشنی اور شفقت کا احساس کبھی بھی میرے دل سے محو نہیں ہو سکتا ۔ میں ایف ۔ اے کے بعد فوج میں جانا چاہتا تھا ۔ میں نے ان سے مشورہ کیا تو کہنے لگے کہ پوسٹ گریجویشن کر کے جہاں جی چاہے چلے جانا میں منع نہیں کروں گا ۔ جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا کہ میرا خیال ہے مجھ پر ان کی خاص نظر عنایت تھی ۔ میں بچپن میں کمزور اور لاغر تھا ۔ انہوں نے گھر میں والدہ سے کہہ رکھا تھا کہ میرے سرہانے کسی برتن میں دودھ بھر کے رکھ دیا کریں اگر رات کو مجھے پیاس لگے تو میں پانی کی جگہ دودھ پیوں تا کہ میری صحت ٹھیک رہے ۔ امی کی وفات کے بعد دوسری والدہ گھر پر آئیں لیکن وہ کسی طرح ہماری تعلیم و تربیت میں حارج نہ ہو سکیں ۔ وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ جو سہولتیں انہوں نے اپنے بچوں کے لئے فراہم کی ہیں اگر ان کو میسر ہوتیں تو وہ آسمان سے تارے توڑ لاتے ۔

۷ ۔ میں پوسٹ گریجویشن کر کے ایک کالج میں لیکچرار لگ گیا لیکن دو ماہ بعد ہی میں نے وہ پوسٹ چھوڑ کر پی ۔ ایم ۔ اے جوائن کر لیا ۔ انہوں نے بالکل اعتراض نہیں کیا ۔ سنہ ۱۹۶۵ء کی جنگ کا زمانہ تھا ۔ وہ ہمیشہ خطوں میں میری حوصلہ افزائی کرتے تھے ۔ سنہ ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان کے محاذ پر چلا گیا ۔ جنگ کے دوران ہمیشہ مجھے خط میں لکھتے کہ اگر میں نے بزدلی دکھائی تو وہ مجھے کبھی معاف نہیں کریں گے ۔ میں ان کے خط اپنے افسروں کو دکھاتا تو وہ بھی متاثر ہوتے ۔ سانحہ سقوطِ ڈھاکہ کے بعد ہم دشمن کے جنگی قیدی بن گئے ۔ قید کا سن کر بہت بے چین ہوئے حالانکہ باقی سب بہن بھائی ان کے پاس تھے لیکن میری قید نے ان کی صحت کو بہت متاثر کیا ۔ اس کے بعد سے ان کی صحت کبھی بھی پہلی جیسی نہیں رہی ۔ قید سے

واپس آیا تو انہوں نے ماموں کی بیٹی سے میری شادی کردی ۔ وہ میرے ماموں عبیداللہ کے بڑے ممنون تھے کہ انہوں نے میرے والد کی جوانی کے ایام میں ان کی بڑی دستگیری کی تھی ۔ ان کی شرافت، محنت اور تعلیم سے متاثر ہو کر اپنی بہن کے ساتھ ان کی شادی بھی کردی تھی ۔ انہوں نے مجھ سے متعدد بار فرمایا کہ عبیداللہ صاحب کے مجھ پر بڑے احسانات ہیں اس لئے میں ان کی نیکی کا بدلہ چکانا چاہتا ہوں ۔ مجھے بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا ۔ جب میری شادی ہو گئ تو بہت خوش ہوئے ۔

ہم اپنی والدہ سے چھ بہن بھائی تھے ۔ دوسری والدہ سے سات بچے تھے ۔ اس طرح ہم سب مل کر تیرہ بھائی بہن تھے ۔ ہم سب فارغ التحصیل ہو کر اپنے اپنے کاموں پر لگ چکے تھے ۔ سب کی شادیاں بھی ہو گئ تھیں ۔ ہم سب بہن بھائی حسبِ استطاعت ان کی خدمت کرتے رہتے تھے ۔ ان کو اپنی دوسری اولاد کی بڑی فکر تھی ۔ مجھ سے اکثر چھوٹے بھائی اعظم کے بارے میں کہتے تھے کہ اس کا کیا بنے گا ۔ میں نے اسے اپنے پاس بلا لیا تو بہت خوش ہوئے ۔ اعظم میرے پاس تقریباً دو سال میری نگرانی میں رہا ۔ اس کی مناسب دیکھ بھال اور نگرانی ہوتی رہی تاآنکہ وہ بھی پی ۔ ایم اے کے لئے منتخب ہو گیا اور آج کل ماشاءاللہ میجر کے عہدے پر فائز ہے ۔ دوسری والدہ سے میرا ایک بھائی اور چھ بہنیں ہیں ۔ بہنیں چھوٹی تھیں ۔ ابا جان کے ساتھ جیسے جیسے ہم بڑے بچے پلتے گئے ان کی تنگدستی دور ہوتی چلی گئ ۔ حویلی ہی میں رہائشی مکان کے علاوہ کچھ دکانیں وغیرہ بنانے میں کامیاب ہو گئے جن سے کرایہ وغیرہ بھی آرہا تھا ۔ ضعیف العمری کے ساتھ ساتھ بیماری بھی آڑے آرہی تھی ۔ دوسری بچیوں کی فکر ہمیشہ ان کی دامن گیر رہی ۔ بالآخر انہوں نے ہم سب سے مشورہ کر کے فیصلہ کیا کہ جو بھی تھوڑی بہت جائیداد انہوں نے بنائی ہے وہ اسے اپنی دوسری بیوی سے اولاد کے نام کر دیتے ہیں تاکہ ان کی تعلیم و تربیت اور شادیوں وغیرہ کا بندوبست

ہو سکے ۔ ہم سب نے ان کی اس تجویز کو خوشی خوشی قبول کیا ۔ یہ سب ان کی تربیت کا اثر تھا کہ جائیداد کے معاملے میں ذرا سی بھی پیچیدگی پیدا نہیں ہوئی ۔

الغرض والد صاحب میرے بہترین باپ، بہترین استاد اور بہترین دوست تھے ۔ انہی کی تربیت کا اثر ہے کہ ہم بھی اپنے بچوں کی پرورش رزقِ حلال سے کرنے کی جدوجہد میں مصروف ہیں اور انہیں زیورِ تعلیم سے آراستہ دیکھنا چاہتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ والدِ مرحوم کو غریق رحمت کرے اور جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے ۔ آمین ۔